خالصتان

Kingdom Of Sikh State

سکھ سول وار پر لکھا گیا اردو کا پہلا ایکشن اور ایڈونچر ناول!

سکھ مذہب کے بانی گرو نانک دیو جی کے نام جن کی تعلیمات انسانیت کا سبق دیتی ہیں۔

پنجاب دھرتی کے سپوت مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام۔۔۔

جس نے چالیس سال پاکستانی سرحدوں کی حفاظت کی تھی۔

پنجاب، کشمیر، KPK اور فاٹا کو افغان درانیوں سے بازیاب کروانے والا یہی مہاراجہ رنجیت سنگھ ہے۔ پنجاب دھرتی کا اصل ہیرو جو ایک طرف افغان ایمپائر سے لڑ رہا تھا اور دوسری طرف برطانوی ایمپائر سے۔۔۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنی پوری زندگی میں ایک انچ جگہ بھی غیروں کے ہاتھ میں نہیں جانے دی۔

ننکانہ صاحب میں گرودوارہ جنم استھان جو کہ سینتالیس ایکڑ زمین پر مشتمل ہے۔ اسے کنگڈم آف سکھ سٹیٹ کے نام سے آزاد کر کے ایک نیم خود مختار ملک بنا دینا چاہیے۔ سکھ مذہب کے مقدس ترین مقام کو ایک آزاد ملک کا درجہ دے کر عزت بخشنی چاہیے۔ یہ پاکستان کا فرض اور سکھوں کا جائز حق ہے۔

رضوان علی گھمن

Email: rizwanalighuman@gmail.com

Facebook: Rizwan Ali Ghuman

پیش لفظ

میں نے اس ناول خالصتان کنگڈم آف سکھ سٹیٹ کو لکھنے کے لیے سکھ مذہب کا مکمل مطالعہ کیا ہے۔ میں نے گروگرنتھ صاحب پڑھی ہے سکھ مذہب کے بانی گرونانک صاحب سے لے کر دسویں گروگروگرنتھ تک میں نے سکھ مذہب کی پوری تاریخ پڑھی ہے اور کوشش کی ہے کہ میرے ناول کے الفاظ میں وہی محبت اور عقیدت نظر آئے جو ایک سکھ ریڈر دیکھنا چاہتا ہے۔ ایک مسلمان لکھاری کی حیثیت سے ہوسکتا ہے کہ مجھ سے سمجھنے میں کہیں غلطی ہوگئی ہو اور میں نے کچھ ایسا لکھ دیا ہو جس سے میرے سکھ بھائیوں کی دل آزاری ہو تو پلیز۔۔۔۔اس کے لیے مجھے معاف کردیجئے اور مجھے ضرور انفارم کیجئے میں اپنے الفاظ کو ناول سے ہٹا دوں گا۔ یہ ناول صرف اور صرف سکھ بھائیوں کی محبت اور آزادی تمام مذاہب کا حق ہے کے نظریے کے تحت لکھا گیا ہے اور اس کا کسی بھی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دوستوں کی محبت اور اُن کے مفید مشوروں کا منتظر۔

رضوان علی گھمن

Email: rizwanalighuman@gmail.com

Facebook: Rizwan Ali Ghuman

''مسٹر گھمن صاحب! آپ کے بیٹے مرس نے نہ صرف کالج کے تمام قوانین توڑتے ہوئے لڑائی کی ہے بلکہ اس نے مخالف لڑکوں کو مار مار کر ان کے چہرے بگاڑ دیے ہیں۔ چاروں لڑکوں کی ناک کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔'' قدرے اُدھیڑ عمر افسر نے کونے میں بیٹھے چاروں لڑکوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں نے ایک نظر اُن لڑکوں پر ڈالی۔ چاروں لڑکوں کی ناک اور چہرے کے مختلف حصوں پر پٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ ان کے ساتھ ہی میرا بیٹا مرس بھی بیٹھا ہوا تھا اور اس کی حالت بھی تقریباً انہی لڑکوں جیسی ہو رہی تھی۔ وہ بھی پٹیوں زدہ چہرے کے ساتھ تھا اس کے ساتھ ہی ایک اور لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔

یہ لکھویندر سنگھ تھا۔ مرس کا بچپن کا دوست اس کی فیملی انڈیا سے ہجرت کر کے کینڈا آ گئی تھی۔ میں بنیادی طور پر پاکستانی تھا میرا تعلق ریاست بہاول پور کے ایک چھوٹے سے گاؤں سے تھا۔

مرس کی پیدائش کے بعد حالات خراب ہو گئے تھے اور میں آج سے سترہ سال پہلے پاکستان سے کینڈا آ گیا تھا۔ ہم کینڈین ریاست البرٹا کے ایک چھوٹے سے ٹاون سلیو لیک میں رہتے تھے۔ یہ اسی نام کی جھیل سلیو لیک جھیل کے کنارے آباد خوبصورت سا ٹاؤن تھا۔

آبادی آٹھ ہزار (8000) کے قریب تھی اور سبھی لوگ پُرامن اور خوشحال تھے۔ میرا یہاں ٹاؤن میں ایک ریسٹورنٹ تھا۔ جہاں روائتی انڈین اور پاکستانی کھانے ملتے تھے۔

یہ سلیو لیک کا واحد انڈین ریسٹورنٹ تھا اس وجہ سے مجھے تقریباً پورا ٹاؤن ہی جانتا تھا اور عزت بھی کرتا تھا پولیس انسپکٹر نے اسی لیئے واقعے کی رپورٹ لکھنے کی بجائے مجھے پولیس اسٹیشن بلا لیا تھا۔

''گھمن صاحب! آپ کا بیٹا دیکھنے میں تو کمزر سا لگتا ہے لیکن اس نے چار چار لڑکوں کی ہڈیاں توڑ کر رکھ دی ہیں۔ ادھیڑ عمر انسپکٹر نے میرے بیٹے مرس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مرس اٹھارہ سال کا ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ اس کا قد پانچ 5 فٹ چھ انچ کے قریب تھا اور وزن

صرف 50 کلو کے قریب تھا اس کے ابھی داڑھی مو چھ نہیں آئی تھی اور وہ شکل سے بالکل بچہ ہی لگتا تھا۔

''انسپکٹر صاحب! میں اپنے بیٹے کی طرف سے معذرت کرتا ہوں۔'' میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا اور دوسرے لڑکوں کے ساتھ آئے ان کے والدین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''سوری! میں آپ سے معذرت کرتا ہوں بچوں کی آپس کی لڑائی تھی یہ صلح بھی کر لیں گے۔'' میں اب لڑکوں کے والدین سے معذرت کرنے لگا۔

''بچوں کی لڑائی۔۔۔۔؟ گھمن صاحب! آپ اسے بچوں کی لڑائی کہہ رہے ہیں؟ اس لڑکے نے ہمارے بچوں کی مار مار کر ہڈیاں توڑ دی ہیں اور آپ اسے بچوں کی لڑائی کہہ رہی ہیں۔'' ایک قدرے فربہی مائل خاتون نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔ وہ اُن میں سے ایک لڑکے کی ماں تھی۔

''ہم کیس کریں گے۔۔۔۔ تمہارے لڑکے کو عدالت سے سزا ملے گی کچھ سال جیل میں گزارے گا تو عقل آجائے گی۔'' اس عورت کو دیکھتے ہوئے ایک اور مرد نے اٹھ کر بولتے ہوئے کہا۔ باقی والدین اس کی تائید کر رہے تھے۔

''دیکھیں میں معذرت کر رہا ہوں اور ہرجانہ بھی بھرنے کو تیار ہوں باقی آپ کیس کرنا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے۔۔۔ ویسے میں آپ کو بتا دوں کہ آپ کے لڑکوں نے لڑائی میں پہل کی تھی۔ انہوں نے نہ صرف ان دونوں لڑکوں کو مسلم اور سکھ دہشت گرد کہا تھا بلکہ آپ کے ان شریف لڑکوں نے مرس کے دوست لکھو ہندر کی پگڑی بھی اتارنے کی کوشش کی تھی لڑائی بھی اس وجہ سے ہوئی تھی۔ میرا بیٹا بہت شریف ہے لیکن یہ کسی مذہب کی بے حرمتی برداشت نہیں کر سکتا آپ ہم پر طنز کریں مذاق کریں مجھ پر میرے رنگ نسل ذات سب پر طنز کریں مذاق کریں کوئی بات نہیں لیکن اگر ہمارے مذہب پر بات آئے گی تو پھر برداشت نہیں ہو گا آپ نے کیس کرنا ہے شوق سے کریں میں بھی دیکھتا ہوں سزا کس کو ہوتی ہے۔'' میں نے اس بار غصے سے بولتے ہوئے کہا۔

’’دیکھیں گھمن صاحب! ٹھیک کہہ رہے ہیں زیادتی آپ کے لڑکوں نے کی ہے اگر کیس ہوا تو یہ تو بچ جائیں گے لیکن آپ کے چاروں بیٹوں کا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔‘‘ اس بار انسپکٹر نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔

ہمارے درمیان کافی دیر تک بحث چلتی رہی اور آخر کار تمام لوگ صلح پر رضامند ہو گئے میں نے لڑکوں کے والدین کو ہرجانے کے طور پر دس ہزار ڈالر ادا کیئے اور مرس کو لیکر پولیس اسٹیشن سے باہر آ گیا۔

’’پاپا! سوری۔۔۔۔۔ وہ انہوں نے لکھویندر کی پگڑی اتارنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے بھی دہشت گرد کہہ رہے تھے۔‘‘ مرس میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھتے ہی اپنی صفائی دینے لگا۔

’’کوئی بات نہیں بیٹا! مجھے معلوم ہے آپ کبھی بھی کچھ غلط نہیں کرو گے۔۔۔۔‘‘ میں نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

پتلے کتابی چہرے کے ساتھ ہلکی سبزی مائل موٹی موٹی آنکھیں اور سنہرے سلکی بالوں کے ساتھ وہ ایک خوبصورت نوجوان تھا مجھے بے اختیار ہردیپ یاد آ گیا ہردیپ بھی بالکل ایسا ہی تھا انتہائی خوبصورت اور کمزور نوجوان لیکن اس میں شیر کا جگر تھا۔ وہ کسی سے نہیں ڈرتا تھا سامنے دشمن ایک ہو یا ایک ہزار وہ بلا خوف لڑ پڑتا ہے۔

’’راضی بھائی! ایک سکھ سوا لاکھ کے برابر ہوتا ہے۔ مرس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے مجھے بے اختیار ہردیپ کے وہ الفاظ یاد آ گئے مرس بھی ایسا ہی تھا۔

’’پاپا! سوری۔۔۔۔۔ میری وجہ سے آپ کو شرمندگی اٹھانی پڑی۔‘‘ مرس نے سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے کہا۔

’’بیٹا! معافی مانگنا اچھی بات ہے۔۔۔۔۔ ہماری غلطی ہو یا نا ہو ہمیں پھر بھی معافی مانگ لینی چاہیے۔ یہ اچھی بات ہے لیکن آپ کے لیئے نہیں آپ معافی مانگ نہیں سکتے۔‘‘ میں نے بھی سیٹ بیلٹ باندھا اور کار سٹارٹ کر کے اسے روڈ پر لے آیا۔

’’ پاپا! میں کیوں نہیں؟ آپ کیوں مجھے بچپن سے ہی یہ بتاتے چلے آرہے ہیں کہ میری حیثیت بہت اوپر ہے؟ میں کسی بڑے کام کے لئے پیدا ہوا ہوں اور مجھے ایک دن وہ کام کرنا ہوگا۔‘‘ مرس نے ایک بار پھر وہی سوال کیا جو سوال وہ پچھلے پانچ چھ سال سے کر رہا تھا۔

’’ بیٹا! کل آپ کی اٹھارویں سالگرہ ہے کل آپ کو آپ کے تمام سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔‘‘ میں نے دھیمے لہجے میں کہا اور کار گھر کی طرف موڑ لی۔

رات کو بارہ بجے ریسٹورنٹ میں مرس کی سالگرہ کا کیک کاٹا اس کے یونیورسٹی کے کچھ دوست بھی آئے ہوئے تھے رات ایک بجے وہ اپنے دوستوں کے ساتھ پارٹی کرتا رہا اور پھر ہم نے پارٹی ختم کر کے ریسٹورنٹ بند کر دیا دوسرے دن ہمیں ایک لمبے سفر پر جانا تھا یہ سفر بہت لمبا تھا ہمیں یہ سفر وہیں سے شروع کرنا تھا جہاں سے اٹھارہ سال پہلے ٹوٹ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

دوسرے دن صبح فجر کے وقت میں نے مرس کو اُٹھایا اور اسے وضو کر کے مسجد چلنے کا کہا۔ دس پندرہ منٹ تک وہ تیار ہو گیا تو ہم دونوں پیدل ہی مسجد تھی چلے گئے۔ سلیولیک ٹاؤن میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی الامین مسجد عرب ممالک سے آئے مسلمان مہاجرین اور کچھ پاکستانی افراد کی کوششوں اور چندے سے بنی تھی۔ یہ چھوٹی سی مسجد تھی جو تمام فرقوں کے لئے تھی۔ مسجد کا مین امام اورانچارج تو ایک ہی تھا لیکن امامت کے لئے لوگ بدلتے رہتے تھے۔ امام صاحب جماعت کے لئے آئے ہوئے نمازیوں میں سے ہی کسی ایک کو آگے کھڑا کر دیئے تھے اور باقی نمازی اسی کی اقتداء میں نماز پڑھ لیتے تھے۔

شروع شروع میں لوگ امامت کروانے سے جھجکتے اور ڈرتے تھے لیکن آہستہ آہستہ لوگ پُر اعتماد ہو گئے تھے اور امام صاحب کو خود بول کر امامت کروانے کا شرف حاصل کرتے تھے۔ جمعہ اور عید کی نمازیں اور خطبے البتہ امام صاحب خود دیتے تھے اور اس میں صرف اسلام کے معاشی اور معاشرتی احکامات کی تشریح کرتے تھے۔ میں نے امام صاحب سے اجازت لے کر مرس کو امامت

کے مُصلے پر کھڑا کیا اور ہم سب نے مرس کی امامت میں نماز پڑھی۔نماز کے بعد میں نے شکرانے کے دو نفل پڑھے اور خدا سے مرس کی کامیابی کی دعا کرنے کے بعد گھر آ کر سفر کی تیاری کرنے لگا ۔سامان ہم نے رات کو ہی پیک کر لیا تھا اس لئے ایک گھنٹے میں ہم تیار ہو کر گھر سے نکل آئے۔

اس بار ہمارا رخ البرٹا ریاست کے مرکزی شہر اور دارلخلافہ ایڈمونٹن تھا۔ایڈمونٹن شہر دس لاکھ کی آبادی کے ساتھ البرٹا ریاست کا دوسرا بڑا شہر تھا۔البرٹا سٹیٹ کا سب سے بڑا شہر کیلگری ہے اور یہ ریاست امریکہ سے بھی ملتی ہے۔امریکی ریاست مونٹانہ کی سرحدیں البرٹا سے ملتی ہیں۔ ایڈمونٹن شہر ہمارے گھر سے ڈھائی سو (250) کلومیٹر کے فاصلے پر تھا ہم کار پر باآسانی دو گھنٹے میں ایڈمنٹن پہنچ گئے۔میں نے کار ایک گردوارے کے قریب کھڑی کی اور مرس کو لیکر باہر آ گیا پاپا ہم گردوارے کیوں آئے ہیں مرس نے گردوارے پر لگے کیسری (پیلے) جھنڈے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔میں نے خاموشی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور اندر گردوارے میں چلا گیا۔

''پاپا! آپ نے بتایا نہیں آپ مجھے یہاں کیوں لیکر آئے ہیں۔۔۔۔؟'' مرس نے ایک بار پھر سوال کیا۔

''یہاں کیوں لیکر آیا ہوں ۔۔۔۔۔۔کیونکہ یہی آپ کی منزل ہے مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب! آپ سکھ قوم کے سپوت ہو اس قوم کے دوسرے مہاراجہ۔۔۔۔'' میں نے اپنے آپ کو پیلے کپڑے سے ڈھانپا اور اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

'' آپ خالصتان کے راجہ ہردیپ سنگھ رندھاوا کے بیٹے مہاراجہ رنجیت سنگھ رندھاوا ہو اور میں آپ کا باپ نہیں آپ کا سیکیورٹی آفیسر کیپٹن راضی ہوں۔'' میری آواز گردوارے میں گھونجی اور گردوارے میں موجود تمام سکھ مرس کی طرف دیکھنے لگے۔

''مہاراجہ صاحب! آپ کی رگوں میں شاہی خون ہے آپ کو خالصتان کی حکومت سنبھالنی ہے اپنے باپ کے چھوڑے ہوئے کام کو پھر شروع کرنا ہے اور سکھوں کو دوبارہ اسی مقام پر لے کر جانا ہے جہاں آپ کے جدِ امجد مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پہنچایا تھا۔سکھ محکوم نہیں حاکم ہیں دنیا کا کوئی

ملک ہمیں غلام نہیں بنا سکتا۔ جو بولے سو نہال ست سری اکال۔۔۔۔‘‘ میں نے دھیمی آواز میں نعرہ لگایا تو میرے بعد گردوارہ ست سری اکال۔۔۔۔۔ست سری اکال کے نعروں سے گھونجنے لگا۔

گردوارے میں آئے ہوئے تمام سکھ سردار اب پوری طاقت سے نعرے لگا رہے تھے۔ اگلے ایک گھنٹے تک یہ گردوارہ مکمل بھر چکا تھا۔ دس لاکھ کی آبادی والے اس ایڈمنشن شہر میں دس ہزار سے زائد سکھ کمیونٹی رہتی تھی اور اس وقت پوری کی پوری سکھ کمیونٹی ہی یہاں گردوارے میں پہنچ چکی تھی۔ گردوارے کے باہر مین سڑک اور اس کے پار گراونڈ بھی لوگوں سے بھر چکا تھا لوگ مرس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بھاگے چلے آ رہے تھے۔ وہ ہردیپ سنگھ رندھاوا کا بیٹا تھا لوگوں کا ہجوم لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا تھا میں نے سکھ کمیونٹی کے سربراہ منجیت سنگھ اور گردوارہ کے سربندھ صاحب کے ساتھ مل کر مرس کو کیسری پگڑی پہنائی اُس کے ماتھے پر کیسری رنگ کا ٹیکا لگایا اور اسے لیکر گرودوارے سے باہر آ گیا۔

’’مہاراجہ صاحب! آپ کی قوم آپ کا انتظار کر رہی ہے آگے بڑھیے اور اس عظیم قوم کی سر براہی کیجیئے واہے گروجی کا خالصہ واہے گرواجی کی فتح میں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا اور دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

مرس نے اپنے سامنے تاحدِ نگاہ تک پیچھے ہوئے سرداروں کو دیکھا اور ایک نسبتاً اونچے چبوترے پر جا کر کھڑا ہو گیا اس کے سامنے پورا ایڈمٹن شہر ہی امڈ آیا تھا۔

’’میرا نام مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام پر ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ ہماری پنجاب دھرتی کا وہ سپوت تھا جس کی دہشت کابل کے قلعے تک سنائی دیتی تھی۔ میرا باپ راجا ہردیپ سنگھ رندھاوا تھا جس کے نام کی دہشت دلی کے لال قلعے میں سنائی دیتی تھی۔ میں اس قوم کا سپوت ہوں جس کا ایک ایک سکھ سوالاکھ کے برابر ہوتا ہے۔ آزادی سب کا حق ہے اور یہ آزادی ہم دشمن کے جبڑے چیر کر حاصل کریں گے۔‘‘ واہے گروجی کا خالصہ واہے گروجی کی فتح۔۔۔۔۔۔۔‘‘ اس نے

چبوترے پر کھڑے ہوکر مختصر تقریر کی اور نیچے اتر کر میرے پاس آ گیا۔

''سردار منجیت سنگھ صاحب! ہمیں خالصتان جانا ہے کیا آپ ہماری ٹکٹ کا انتظام کروا سکتے ہو۔۔۔۔'' اس نے سکھ کمیونٹی کے سربراہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''جی جی مہاراجہ صاحب! میں۔۔۔۔ابھی انتظام کرواتا ہوں۔'' سردار منجیت سنگھ نے اٹکتے ہوئے کہا۔

''پاپا صحیح کہتے تھے میں کسی بڑے کام کے لئے ہی پیدا ہوا ہوں اور یہ کام مجھے ہی کرنا ہے۔ میرا باپ ہردیپ سنگھ بہت بہادر تھا میں ان کے نام پر کبھی ضرب نہیں آنے دوں گا۔۔۔'' مرس نے سنجیدگی سے کہا اور باہر لوگوں کی طرف دیکھنے لگا۔

ہردیپ سنگھ رندھاوا جسے میں دیپ کہا کرتا تھا سترہ اٹھرہ سال کے دیپ کی بہادری کی داستان پوری دنیا جانتی تھی۔دیپ وہ تھا جس نے خالصتان کا جھنڈا اٹھایا اور اسے پوری دنیا کے سامنے لے آیا۔اٹھارہ سال پہلے جتنی بہادری اور بے جگری سے دیپ لڑا تھا اس کی مثالیں آج بھی دنیا دیتی آ رہی تھی اس کے نام سے پوری دنیا واقف تھی۔

''راضی بھائی! قوم کے لیئے لڑی جانے والی جنگیں کبھی جیتنے کے لئے نہیں لڑی جاتیں یہ نام کے لئے لڑی جاتی ہیں اور میں اپنی سکھ قوم کے لئے لڑ رہا ہوں ایک ہردیپ سنگھ مرے گا تو اس کے پیچھے ہزاروں لاکھوں ہردیپ سنگھ مرنے کے لئے تیار کھڑے ہونگے یہ دنیا کس کس کو مارے گی۔۔۔۔۔۔؟''

وہ صحیح کہتا تھا ہردیپ سنگھ کو مرے اٹھارہ سال ہو گئے تھے لیکن وہ آج بھی زندہ تھا اس کا نام آج بھی دنیا میں زندہ تھا۔مرس اسی ہردیپ سنگھ کا بیٹا تھا میں نے بچپن سے اس کی تربیت کی تھی میں نے اسے اسی دن کے لئے تیار کیا تھا آج ہردیپ سنگھ کا نام اس کے نام کے ساتھ لگا تو وہ ایک عام نوجوان سے ایک یودھا ایک واریئر بن گیا تھا۔

ایک گھنٹے تک سردار رنجیت سنگھ نے خالصتان جانے کے لئے ایک پرائیویٹ جہاز کا بندوبست کر دیا اور ہم سب ائیر پورٹ کی طرف چلے گئے۔

''راضی بھائی! پاکستان سے جنرل ندیم صاحب کا فون ہے۔انہوں نے ایمرجنسی میں آپ سے بات کرنی ہے۔'' سردار رنجیت سنگھ نے میری طرف ایک موبائل بڑھاتے ہوئے کہا۔

ہم طیارے میں بیٹھنے کے لئے جا رہے تھے۔ ہردیپ سنگھ کے نام کے ساتھ ساتھ میرا نام بھی مشہور ہو گیا تھا۔دنیا کیپٹن راضی کے نام سے بھی واقف تھی۔ میرا اور ہردیپ کا نام ایک دوسرے کے ساتھ جڑ گیا تھا۔ایک مسلمان کی دوستی وفا اور محبت کی مثالیں اب پوری دنیا دیتی تھی۔ جنرل ندیم صاحب وہ تو اب آرمی چیف بن گئے ہیں۔

''چیف صاحب کا فون تو سننا ہی پڑے گا۔۔۔۔۔'' میں نے قدرے طنزیہ انداز میں کہا اور موبائل پکڑ کر کان سے لگا لیا۔

''راضی! میرے بچے کیسے ہو۔۔۔۔۔؟'' مجھے جنرل ندیم کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز آئی۔

وہ آرمی چیف تھے دنیا کی سب سے طاقتور ترین آرمی کے سربراہ وہ کمزور نہیں تھے وہ کمزور ہو ہی نہیں سکتے تھے وہ بہت مضبوط تھے لیکن مجھ سے بات کرتے ہوئے وہ لڑکھڑا گئے تھے۔اٹھارہ سال پہلے میں کیپٹن راضی ان کی انٹیلی جنس ایجنسی کا سب سے بہادر ترین ایجنٹ تھا۔وہ مجھے اپنے بیٹوں کی طرح چاہتے تھے۔

''ٹھیک ہوں۔۔۔۔۔جنرل صاحب! آپ کیسے ہیں؟'' میں اُن کا حال پوچھنے لگا۔

''ویسے مبارک ہو۔۔۔۔۔جنرل صاحب! آپ تو اب جنرل چیف بن گئے ہیں۔ چیف آف آرمی سٹاف جنرل ندیم ستارہ جرأت تمغہ امتیاز بہت بڑے بڑے تمغے بھی لے رکھے ہیں۔'' میں نے قدرے طنزیہ انداز میں کہا۔

''راضی! میرے بچے۔۔۔۔۔تم ابھی بھی ماضی کو بھولے نہیں ہو۔۔۔۔۔؟'' مجھے ان کی آواز سنائی دی۔

انہوں نے میرے طنز کو نظر انداز کر دیا تھا۔

''کیسے بھول جاؤں۔۔۔۔۔؟ ایک لڑکے کی جان گئی تھی ایک یودھا کی جان گئی تھی۔ دنیا آج بھی اُس یودھا کو یاد کر کے روتی ہے۔ میں کیسے بھول سکتا ہوں سر۔۔۔؟'' میں نے درد بھرے لہجے میں کہا۔ میری آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئی تھیں۔

''راضی! وہ میری غلطی نہیں تھی۔'' انہوں نے میری بات کو کاٹتے ہوئے کہا۔

''سر! آپ کی غلطی نہیں تھی میری غلطی نہیں تھی تو پھر کس کی غلطی تھی۔۔۔۔۔۔؟ آخر کسی کی غلطی تو تھی ناں۔۔۔۔؟'' میرے لہجے میں شدید بے بسی کی جھلک تھی۔

''راضی! تم آجاؤ یہاں ہم ایک بار پھر لڑیں گئے۔۔۔۔۔ اٹھارہ سال پہلے میں بے بس تھا آج نہیں ہوں ہم پھر لڑیں گے۔'' جنرل ندیم نے پُر عزم لہجے میں کہا۔

''ہم آرہے ہیں سر! ایک بار پھر لڑنے آرہے ہیں۔۔۔۔۔ یہ لڑائی وہیں سے شروع ہوگی جہاں سے دیپ چھوڑ کر گیا تھا۔ اس نامکمل لڑائی کو اس کا بیٹا مرس (مرس اس کا مختصر نام تھا) مہاراجہ رنجیت سنگھ کا مخفف تھا۔ (اور اسی مناسب سے ہم اسے مرس کہا کرتے تھے) پورا کرے گا۔ یہ آخری اور فیصلہ کُن جنگ ہوگی۔'' میں نے اپنے ساتھ کھڑے مرس کے کندھے پر تھپکی دی اور فون بند کر دیا۔

جہاز تیار کھڑا تھا۔ ہم دونوں جہاز پر بیٹھ گئے۔ ہمارے بیٹھنے کے بعد جہاز نے رن وے پر دوڑنا شروع کر دیا۔ اب ہماری منزل خالصتان تھی۔

یہ فروری 2000ء کی ایک سرد صبح تھی۔ دنیا بیسویں صدی سے اکیسویں صدی میں داخل ہوگئی تھی۔ سردی کا موسم اپنے آخری دنوں میں تھا۔ بہار کا موسم آنے والا تھا۔ باغوں اور کیاریوں میں لگے پودوں میں کلیاں بن گئی تھیں اور اگلے کچھ دنوں تک پھول بنے والی تھیں۔ دنیا میں بہار آنے والی تھی لیکن پاکستان میں خزاں کا موسم تھا۔ کراچی کی ایک فیکٹری میں دہشت گردی کی بہت

بڑی واردات ہوئی تھی۔

جدید ترین اسلحے سے لیس پانچ دہشت گرد گھسے تھے۔اور انہوں نے فیکٹری میں موجود دو200 سو کے قریب مزدوروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔یہ اس درو میں نیا پاکستان کی تاریخ کی سب سے بڑی دہشت گردی کی کاروائی تھی ۔رینجرز نے مقابلے میں تمام پانچ کے پانچ دہشت گردوں کو مار دیا تھا۔وزارت داخلہ کی طرف سے یہ کیس ہماری انٹلی جنس ایجنسی کے حوالے کیا گیا۔اُس وقت انٹلی جنس ایجنسی کے سربراہ میجر جنرل ندیم تھے۔وہ نئے نئے بریگیڈیر رینک سے ترقی کر کے میجر جنرل بنے تھے۔وہ پہلے آئی ایس آئی (ISI) میں کام کرتے تھے۔

وہ میجر جنرل بنے تو وزیر عظیم اسد علی خان نے وزارت داخلہ کے ماتحت ایک نئ انٹلی جنس ایجنسی بنا کر انہیں چیف بنا دیا۔یہ ایجنسی ملک کے اندر ہونے والی تمام چھوٹی بڑی دہشت گردی کی کاروائیوں کو دیکھتی تھی ۔جنرل ندیم چیف بنے تو مجھے بھی آئی ایس آئی سے ایجنسی میں لے آئے کراچی میں ہونے والی دہشت گردی کی انکوائیری ہماری ایجنسی کرنے لگی ۔ہم لوگ ایک ایک کڑیاں ملاتے ملاتے اصل مجرم تک پہنچ گئے ۔کرنل سندیپ سنگھ را کا ایک خفیہ ایجنٹ تھا۔وہ مسقط میں بیٹھا ہوا تھا۔

بحیرہ عرب کے کنارے آباد دنیا کے اُس امیر ترین ملک عمان پاکستانی اور بھارتی لاکھوں کی تعداد میں آباد تھے ۔یہ سارے غریب مزدور لوگ تھے۔جو قانونی اور غیر قانونی بغیر ویزے کے ادھر رہ رہے تھے۔کرنل سندیپ سنگھ انہی مزدروں کے درمیان میں رہتے ہوئے اپنا کام کر رہا تھا ۔وہ کراچی اور بلوچستان کے رہنے والے مزدوروں کے درمیان اپنی جگہ بناتا ۔اُن کے ساتھ دوستیاں کرتا جو آہستہ آہستہ فیملی ریلیشن (گھریلو دوستی) تک چلی جاتی تھیں ۔کرنل سندیپ اپنے ایجنٹوں کو انہی کے گھروں میں ٹھہراتا تھا۔وہ ان ایجنٹوں کو بھائی یا رشتہ دار کہتا تھا۔جو کراچی مزدوری تلاش کرنے آتے تھے۔

کرنل سندیپ خود بھی پاکستانی بنا ہوا تھا۔وہ اپنا تعلق جنوبی پنجاب کے ایک پسماندہ سے

گاؤں سے بتاتا تھا۔اس کے ایجنٹ کام تلاش کرنے کے بہانے کراچی میں اس کے ٹھکانوں پر رہتے اپنی کاروائیاں اور واپس لانچوں کے ذریعے مسقط چلے جاتے ۔وھاں سے وہ پھرانڈیا بحفاظت چلے جاتے ۔اس زمانے میں زیادہ سختی نہیں ہوتی تھی ۔سمندر کھلا ہوا تھا اور لوگ لانچوں کے ذریعے غیر قانونی آتے جاتے رہتے تھے۔ایک ایجنٹ کے لئے رہائش جسے سیف ہاؤس کہا جاتا ہے یہی سب کچھ ہوتا ہے ۔سیف ہاؤس محفوظ ہوتو آگے کا مشن آسان ہو جاتا ہے ۔میجر سندیپ نے اپنی دوستیوں اوررشتہ داریوں کی بدولت درجنوں سیف ہاؤس بنا لیے تھے۔

اس زمانے میں کراچی کے حالات بہت خراب تھے ۔شہر آئے روزقتل وغارت ہوتی رہتی تھی ۔چھوٹی موٹی وارداتیں عام تھیں لیکن اتنی بڑی واردات کبھی نہیں ہوئی ہے۔ 200لوگوں کی ہلاکت بہت بڑا حادثہ تھا۔ہماری انٹیلی جنس تیزی سے حرکت میں آئی اور ہم کرنل سندیپ تک پہنچ گئے ۔وہ مسقط میں بیٹھا ہوا تھا۔جنرل ندیم نے آپریشن کی اجازت لی اوراُن کی اجازت ملتے ہی مسقط کے لئے ایک خفیہ ٹیم تیار کردی۔تین افراد پر مشتمل ٹیم کی قیادت میرے پاس تھی ۔میں اُس وقت فوج میں کیپٹن کے عہدے پر فائز تھا۔یہ زیادہ مشکل آپریشن نہیں تھا ہم کراچی سے مزدوروں کے بھیس میں مسقط پہنچے۔

کرنل سندیپ وہاں ٹھکیداری کا کرتا تھا۔اُس کے پاس سو کے اُوپر لڑکے تھے ۔جو پتھر کا کام کرتے تھے۔ہماری ٹیم میں صوبیدار کریم چانڈیو بھی تھا۔یہ پچاس سال سے اُوپر عمر کے سندھی تھے میں نے انہی کو کام مانگنے کے لے کرنل سندیپ کے پاس بھیجا۔مجھے معلوم تھا میجر سندیپ کا ٹارگٹ ہمیشہ بڑی عمر کے سندھی یا بلوچی ہی ہوتے ہیں۔یہ لوگ نسبتاً آسان ٹارگٹ ہوتے ہیں یہ ان پڑھ لوگ ہوتے ہیں ۔زیادہ تیز طرار نہیں ہوتے اور یہ گھر کے سربراہ ہوتے ہیں کرنل سندیپ آسانی سے انہیں مطمئن کر کے پاکستان اُن کے گھروں کو سیف ہاؤس بنا لیتا تھا۔

صوبیدار کریم چانڈیو اُس کے پاس کام مانگنے کے لئے گیا اور میرے اندازے کے عین مطابق اسے کرنل سندیپ نے کام دے بھی دیا صوبیدار صاحب دو دن تک اس کے ساتھ رہتے

ہوئے حالات کا جائزہ لیتے رہے تیسرے دن ہم نے پلان بنایا اور با آسانی میجر سندیپ کو اغواہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔اسے اغواء کرنے کے بعد اسی رات ہم لانچ کے ذریعے اسے کراچی لے آئے۔اس سے آگے انٹیلی جنس کی بجائے آئی ایس آئی (ISI) کا کیس تھا۔جنرل ندیم نے اسے آئی ایس آئی کے حوالے کیا اور ہمارہ کام ختم ہو گیا۔

مجھے ایک مہینے کی چھٹی ملی اور میں چھٹی پر اپنے گاؤں بہاول پور آ گیا۔اگلے دو ہفتے تک ISIاس پر تشدد کر کے اس سے اگلوانے کی کوشش کرتی رہی لیکن کرنل سندیپ بھی را کا ایک تربیت یافتہ ایجنٹ تھا۔اس نے ایک بار زبان بند کی تو ہم اپنا پورا زور لگا کر بھی اس کی زبان نہ کھلوا سکے عوام کا غصہ دن بدن بڑھ رہا تھا وہ کرنل سندیپ کو سرعام پھانسی پر لٹکتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔وزیر عظیم صاحب پر روز بروز دباؤ بڑھتا جارہا تھا وہ اب معاملے کو ختم کرنا چاہتے تھے۔

”چیف صاحب! میں اب مزید پریشر برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔“ وزایر عظیم اسد علی خان نے قدرے پریشانی سے کہا۔

وہ اس وقت اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے۔اُن کے سامنے آرمی چیف اور آئی ایس آئی کے چیف بیٹھے ہوئے تھے۔

”سر! کرنل سندیپ را کا ایک تربیت یافتہ ایجنٹ ہے ہم پوری کوشش کر رہے ہیں لیکن یہ اتنی جلدی نہیں ہوگا۔۔۔۔۔کرنل سندیپ کو توڑنا اتنا آسان نہیں ہے۔“ آئی ایس آئی کے چیف لیفٹینینٹ جنرل وحید احمد وڑائچ نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

”جنرل وحید صاحب! آپ کی ایجنسی دنیا کی ٹاپ کی ایجنسیوں میں سے ایک ہے۔۔۔۔۔آپ اگر ایک ایجنٹ سے کچھ اگلوا نہیں سکتے تو پھر میرے خیال میں آپ کو گھر چلا جانا چاہیے۔۔۔۔۔“ وزیر عظیم صاحب نے اس بار غصے سے کہا۔

انہیں واقعی غصہ آرہا تھا۔پندرہ دن سے اوپر ہو گئے تھے اور انہوں نے ابھی تک میجر سندیپ سے ایک بھی لفظ بھی نہیں اگلوایا تھا۔

''سر! آپ سول ہیں آپ کو ایجنٹوں کی قوت برداشت کا پتہ نہیں ہے۔ اُن کو اپنے دماغ ماؤف کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ ان پر تشدد اثر نہیں کرتا ہے ہماری ایجنسی میں ایسے درجنوں ایجنٹ ہیں جن کو آپ زندہ جلا دیں تب بھی ان کی زبان نہیں کھلے گی۔'' جنرل وحید باقاعدہ بریفنگ کے انداز میں کہا۔

''جنرل وحید صاحب! آپ یہاں را کی تعریف کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں۔۔۔۔۔ کچھ کر سکتے ہیں تو ٹھیک ورنہ اس دہشت گرد کو پاکستانی عدالتوں کے حوالے کرو ہم دہشت گردی ایکٹ کے تحت مقدمہ چلا کر اسے پھانسی پر لٹکاتے ہیں اور بات ختم۔'' وزیر عظیم اسد علی خان نے اس بار آرمی چیت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا وہ ان کی رضا مندی لینا چاہ رہے تھے۔

''سر! سندیپ سنگھ کو پھانسی دینے سے کچھ نہیں ہوگا۔ ہم کوشش کر رہے ہیں انشاءاللہ کامیابی مل جائے گی۔۔۔۔۔'' آرمی چیف نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''جنرل صاحب! کچھ نہیں بہت کچھ ہوگا۔ میری کرسی چلے جائے گی۔ دوسو۔۔۔۔۔۔دو سو لوگ اس دہشت گردی کے بھینٹ چڑھے ہیں۔ دوسو غریب مزدرو جو بے گناہ مارے گئے مجھے ان کی موت کا حساب دینا ہے اور میں اس کے لئے تیار ہوں۔ کچھ کر سکتے ہو تو ٹھیک ورنہ اگلے ہفتے اس کا عدالتی ٹرائل ہوگا اور پھانسی اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔'' وزیراعظیم نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ یہ میٹنگ ختم ہونے کا اشارہ تھا۔

''سر! ایک ہفتہ بہت کم ہے آم ہمیں ایک مہینہ تو دے دیں۔ ہم انشاءاللہ ضرور اس سے بہت کچھ اگلوانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔۔۔۔۔ میجر سندیپ کے یہاں درجنوں سیف ہاؤس اور ایجنٹ ہیں۔ ہم ان سب تک پہنچنا چاہتے ہیں۔'' جنرل وحید نے مزید وقت مانگا دونوں جنرل بھی اب اٹھ کر کھڑے ہوگئے تھے۔

''دو ہفتے وڑائچ صاحب! زیادہ سے زیادہ دو ہفتے۔۔۔۔۔۔'' وزیراعظیم نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور اردلی کو بلانے کے لئے میز پر لگی گھنٹی بجا دی۔

'' سر! انٹیلی جنس ایجنسی کے چیف جنرل ندیم آئے ہیں اور وہ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں ۔'' اردلی نے کمرے میں آ کر کہا تو دونوں جنرل دفتر سے باہر جاتے جاتے پھر رُک گئے۔

'' اندر بھیجو اُنہیں ۔۔۔۔۔ جنرل ندیم کیوں آئے ہیں ملنے کے لئے۔۔۔۔۔؟'' وزیر اعظیم نے اردلی کو کہا اور چیف کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

'' پتہ نہیں سر! شاید وزارت داخلہ کا کوئی کام ہوگا ۔۔۔۔۔'' چیف نے کندھے اچکتے ہوئے کہا۔

'' اسلامُ علیکم ۔سر! میں کرنل سندیپ سنگھ کے سلسلے میں بات کرنے آیا ہوں۔۔۔۔۔'' جنرل ندیم نے وزیر اعظیم کو سلیوٹ کرتے ہوئے کہا۔

'' وعلیکم اسلام! جنرل صاحب! سندیپ سنگھ کا کیس تو آئی ایس آئی دیکھ رہی ہے آپ کی ایجنسی کا تو کام ختم ہوگیا تھا۔۔۔۔۔؟'' وزیر اعظیم اسد علی خان نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

وہ جنرل ندیم کی طرف دیکھ رہے تھے اُن کے ساتھ ساتھ باقی دونوں جنرلز بھی دیکھ رہے تھے۔

'' سر! میں انٹیلی جنس ایجنسی سے پہلے ایک فیلڈ ایجنٹ رہا ہوں۔ میں نے اندرون اور بیرون ملک میں کافی سارے آپریشن کئے ہیں۔فائینڈ بیک کرنے کا طریقہ مجھے بھی آتا ہے یہ بہت مشکل فن ہے دنیا میں صرف ایک فیصد ایجنٹ اس میں کامیاب ہو پاتے ہیں لیکن جو کامیاب ہو جائے اسے پھر آپ تشدد یا کسی بھی قسم کی مشینری سے توڑ نہیں سکتے۔سندیپ سنگھ کو تشدد سے توڑ نہیں جا سکتا لیکن ہم اسے نفسیاتی طور پر توڑ سکتے ہیں۔ مجھے اگر ایک مہینے کے لئے آپ سندیپ سنگھ دے دیں تو انشاءاللہ نہ صرف بولے گا اپنے پاکستان میں موجود نیٹ ورک کو بے نقاب کرے گا بلکہ ہماری مدد بھی کرے گا۔'' جنرل ندیم نے وزیر اعظیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا دونوں جنرلز اب کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے لیکن جنرل ندیم اُن کے پیچھے مودبانہ انداز میں کھڑے تھے۔

'' ندیم صاحب! اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ ایک مہینے کے بعد آپ ان سے یہ سب کچھ

اگلوالیں گے۔۔۔۔۔۔۔؟'' آرمی چیف نے پیچھے مُڑ کر دیکھتے ہوئے سوال کیا؟

''سر! گارنٹی کوئی نہیں ہے۔سو فیصد گارنٹی ہم کسی بھی چیز کی نہیں دے سکتے لیکن صرف اتنی ہی عرض کر سکتا ہوں کہ انشاء اللہ کامیابی ہمارے ہی ہاتھ حصہ میں آئے گی۔سائیکالوجی جسے ہم نفسیات کہتے ہیں اس میں بہت طاقت ہوتی ہے سائیکالوجی کا علم اٹیم بم سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔''

''جنرل ندیم صاحب! یہ کوئی سائنسی فلم نہیں چل رہی ہے۔جہاں آپ سائیکالوجی کا تھوڑا سا تجربہ کریں گے اور آخر میں سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' وزیراعظیم اسد خان نے طنزیہ لہجے میں کہا اور ایک بار پھر کرسی سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔وزیراعظیم صاحب کے کھڑے ہوتے ہی دوسرے جنرل بھی جلدی سے کھڑے ہو گئے۔

''سر!۔۔۔سر! پلیز۔۔۔مجھے ایک موقعہ دے دیں میں۔۔۔میں یہ کر سکتا ہوں۔'' جنرل ندیم نے جب ان سب کو کھڑا ہوتا دیکھا تو جلدی جلدی بولنے لگے۔وہ یہ پروجیکٹ اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے تھے۔

''جنرل ندیم صاحب! یہ کوئی یورپ یا امریکہ نہیں ہے۔۔۔۔جہاں آپ کی یہ نفسیات یا اُس کا کوئی تجربہ کام آئے گا یہ پاکستان ہے۔یہاں یہ سب کچھ نہیں چلتا یہاں صرف جوتے چلتے ہیں چار جوتے لگاؤ تو بندہ بن جاتا ہے تو ٹھیک ورنہ چار فٹ اُونچا لٹکا دو۔اللہ اللہ خیر سلا۔۔۔۔'' وزیراعظیم اسد خان نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا اور میز پر موجود فائلیں اور کاغذات اکھٹے کرنے لگے۔

''سر! آپ پاکستان سے کتنی محبت کرتے ہیں۔۔۔۔؟ جنرل ندیم نے انتہائی سنجیدگی سے سوال کیا وہ وزیراعظیم سے پوچھ رہے تھے۔

''یہ کیا مذاق ہے۔۔۔؟ ندیم صاحب! آپ کو وزیراعظیم صاحب سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے یہ پروٹوکول کی خلاف ورزی ہے۔'' آرمی چیف نے غصے سے بولتے ہوئے کہا۔

’’سوری سر! یہ پروٹوکول کی خلاف ورزی ہے لیکن میرا سوال اب بھی وزیراعظیم صاحب سے وہی ہے۔آپ پاکستان سے کتنی محبت کرتے ہیں۔۔۔۔؟‘‘ جنرل ندیم نے نتائج کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پھروہی سوال کر دیا۔

’’بہت محبت کرتا ہوں۔۔۔۔۔اپنی جان سے بھی زیادہ کرتا ہوں۔‘‘ وزیراعظیم اسد خان نے براہ راست جنرل ندیم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

’’سر!اسلام سے کتنی محبت کرتے ہیں۔۔۔۔۔؟‘‘ جنرل ندیم نے اگلہ سوال کر دیا۔

’’جان دے سکتا ہوں اس اسلام کے لئے یہ کافی ہے یا کچھ اور بھی سننا چاہتے ہو ۔۔۔۔؟‘‘ وزیراعظیم اسد خان نے فائلیں اٹھائیں اور دفتر سے باہر جانے لگے۔

’’سر!اس کوتو نفسیات کہتے ہیں یہی تو سائیکالوجی ہے وطن کی محبت اسلام کی محبت ہمارے دماغ کے اندر جا کر بیٹھ جاتی ہے اور ہم ساری زندگی اس محبت کو پالتے ہیں اس محبت پر جان دیتے ہیں۔‘‘

’’جنرل صاحب! مجھے آپ کی بات کی سمجھ نہیں آئی ہے۔۔۔۔۔آپ کہنا کیا چاہتے ہیں ؟‘‘ وزیراعظیم باہر جاتے جاتے رُک گئے۔

’’سر! سندیپ سنگھ ایک ہندوستانی سکھ ہے وہ بھی ہندوستان سے اتنی ہی محبت کرتا ہے جتنی ہم پاکستان سے کرتے ہیں۔۔۔۔۔؟‘‘

’’جنرل صاحب! سمجھ مجھے اب بھی نہیں آئی ہے۔۔۔۔۔۔‘‘ وزیراعظیم نے الجھتے ہوئے کہا۔

’’سر! بالکل سیدھی سی بات ہے۔سندیپ ہندوستان سے محبت کرتا ہے۔۔۔۔لیکن کیا ہندوستان بھی سندیپ سنگھ سے اتنی ہی محبت کرتا ہے؟ کیا ہندوستان سکھوں سے محبت کرتا ہے۔۔۔۔؟‘‘ جنرل ندیم نے اپنی بات ادھوری چھوڑی۔تمام لوگ اب اُن کی طرف دیکھ رہے تھے۔

’’سر! میں نے اپنی پوری زندگی اس سائیکالوجی کو سمجھنے میں گزار دی ہے۔ ہم لوگ اگر سندیپ سنگھ کو یہ سمجھانے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ ہندوستان میں غلام ہیں۔ ہندوستان اِن کا ملک نہیں ہے وہ جس ملک کے لئے اپنی جان دینے پر تیار ہیں وہ ملک اُس کا تو نہیں ہے۔‘‘ جنرل ندیم نے پُر جوش آواز میں کہا۔

’’ٹھیک ہے جنرل! آپ دس منٹ باہر بیٹھیں ہم مشورہ کر کے آپ کو بتا دیتے ہیں۔‘‘ وزیراعظیم صاحب نے اُن کو دفتر کے باہر بھیجا اور آرمی چیف کے ساتھ ساتھ اکیلے بیٹھ کر ڈسکس کرنے لگے۔

انہوں نے آئی ایس آئی کے چیف کو بھی باہر بھیج دیا تھا۔ میٹنگ دس منٹ کی بجائے ایک گھنٹے تک چلی گئی۔ جنرل وحید وڑائچ تو اسی وقت واپس چلے گئے تھے جبکہ جنرل ندیم وہیں وزیراعظیم کے دفتر کے باہر ایک صوفے پر بیٹھے انتظار کرتے رہے۔ آفس کا PA پی اے ایک جنرل رینک کے افسر کو یوں انتظار کرتے دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک مسلسل میٹنگ چلنے کے بعد جنرل ندیم کو اندر بلا لیا گیا۔

’’جنرل صاحب! آپ کو کتنے فیصد یقین ہے کہ آپ سندیپ سنگھ کا دین بدلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔۔۔۔۔‘‘ وزیراعظیم اسد خان نے ان سے سوال کیا۔

’’سر! کامیابی کا یقین ایک فیصد سے بھی کم ہو پھر بھی یہ سوچیں اگر ہم کامیاب ہو گئے تو کیا ملے گا۔۔۔۔؟ سندیپ سنگھ را کا حاضر سروس میجر ہے۔ فیلڈ ایجنٹ زیادہ سے زیادہ سپاہی سے حوالدار رینک کے ہوتے ہیں آفیسرز میں بھی کیپٹن رینک سے اوپر نہیں ہوتے یہ کرنل ہے اس کے پاس پورے پاکستان کی معلومات ہوگی۔ پاکستان میں چلنے والے تمام نیٹ ورک کی ڈوریں اسی کے پاس ہیں اور دوسری طرف انڈیا کی انتہائی حساس ترین معلومات بھی اس کے پاس ہوں گی یہ ہماری سوچ سے بھی زیادہ ہمیں فائدہ دے سکتا ہے۔‘‘ جنرل ندیم نے تفصیلی جواب دیتے ہوئے کہا۔

''ایک اور سوال ہے جنرل صاحب! کیا یہ صحیح ہوگا کہ ہم مذہب کا سہارہ لیں۔۔۔۔۔؟''
اس بار آرمی چیف نے سوال کیا۔

''سر! ہمارے دوسولوگ ہلاک ہوئے ہیں اگر اس چیز کو روکا نہ گیا تو آنے والے دنوں میں مزید لوگ بھی اس دہشت گردی کی نظر ہوں گے ہم اس جنگ کو روکنا چاہتے ہیں۔ہم اس دنیا میں امن وامان لانا چاہتے ہیں اور یہی تو ہمارہ مذہب ہمیں سکھاتا ہے۔سر! اس میں کچھ بھی غلط نہیں ہے۔'' جنرل ندیم نے آرمی چیف کو مطمئن کر دیا تھا۔

وزیر اعظیم صاحب بھی مطمئن ہو گئے تھے۔انہوں نے اسی وقت جنرل ندیم کے پروجیکٹ کی منظوری دے دی۔سندیپ سنگھ ایک بار پھر ہماری انٹیلی جنس ایجنسی کے پاس آ گیا۔ہمیں ایک مہینے کا تائم دیا گیا تھا۔ایک مہینے کے اندر اندر ہمیں اپنا کام مکمل کرنا تھا۔میری چھٹی ایک بار پھر مسنوخ ہونے والی تھی۔

میں ان سب معاملات سے دور بہاول پور کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں چھٹی گزار رہا تھا۔شام کے پانچ کے بجے کے قریب میں اپنے قریبی دوستوں ریاض اور احسان اللہ کے ساتھ پرائمری سکول تاش کھلنے آ گیا تھا گاؤں کے پرائمری سکول میں تین بجے چھٹی ہو جاتی تھی اس کے بعد گاؤں کے لڑکے کرکٹ اور فٹ بال کھیلنا شروع کر دیتے تھے۔گاؤں میں کوئی پلے گراونڈ نہیں تھا اس لئے لڑکے پرائمری سکول کا ہی گراؤنڈ استعمال کرتے تھے۔جن لڑکوں کو کرکٹ وغیرہ میں دلچسپی نہیں ہوتی تھی وہ تاش کھیلنا شروع کر دیتے تھے مجھے کرکٹ سے دلچسپی تھی لیکن تاش کھیلنے میں زیادہ مزا آتا تھا۔

ہم تینوں دوست مل کر تاش کھیلتے تھے۔تاش ویسے تو چار لوگ کھیلتے تھے لیکن ہمارے ساتھ کوئی بھی نہیں کھیلتا تھا ہم بہت اچھے کھلاڑی نہیں تھے میں نے آرمی میں رہتے ہوئے تاش سیکھی تھی اور پھر اسے آگے اپنے دوستوں کو بھی سکھا دی تھی۔ہمارے تاش کے دوران اپنے ہی اصول تھے

اور ہم اپنے اصولوں کے تحت کھیلتے تھے۔کوئی بھی اچھا کھلاڑی ہمارے ساتھ کھیلتا تھا اور دس فٹ میں اُکتا کر اٹھ جاتا تھا۔

''فوجی صاحب! اس بار پورے مہینے کی چھٹی تھی ۔۔۔۔۔اگر شادی کر کے چلے جاتے تو اچھا تھا۔'' احسان اللہ نے میری سر کورنگ سے کاٹتے ہوئے کہا۔

''یار! ارادہ میرا بھی اس بار یہی تھا لیکن اچانک امی کی طبیعت خراب ہوگئی تھی ۔ہم لوگ تیمارداری میں لگ گئے تھے۔پچھلے دو ہفتے سے مسلسل ہسپتال کے ہی چکر لگ رہے ہیں۔'' میں اب اس کی باری کا انتظار کرنے لگا۔سر بنانے کی اب اس کی باری تھی۔

''جی جی آنٹی کی طبیعت واقعی بہت خراب ہوگئی تھی لیکن ابھی تو ماشااللہ وہ ٹھیک ہیں۔دو ہفتے پڑے ہوئے ہیں۔شادی کر لو گھر میں بھابھی آجائے گی تو وہ گھر کو سنبھال لے گی۔'' ریاض نے اس بار مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

وہ احسان اللہ کو گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔جس نے سر اٹھانے کے لئے ایک چھوٹا سا پتہ دے دیا تھا۔اتنے چھوٹے پتے کو میں باآسانی جیت سکتا تھا۔

''فوجی صاحب! شادی کر لو تمہارے جانے کے بعد چاچا، چاچی بالکل اکیلے ہو جاتے ہیں ۔گھر میں بھابھی آجائے گی بچے آجائیں گے تو گھر میں رونق ہو جائے گی۔'' احسان اللہ نے اپنا پتہ کٹتا ہوا دیکھا تو بُرا سا منہ بنا لیا۔

''ہاں یار! میرا بھی ارادہ یہی ہے میں اپنی یونٹ میں فون کرتا ہوں اور مزید چھٹی لے لیتا ہوں اس بار شادی کر کے ہی چلا جاتا ہوں۔'' میں نے اس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

''فوجی رضوان علی گھمن کا فون ہے۔۔۔۔۔وہ جہاں بھی ہو اپنا فون آکر سن لے۔'' لاؤڈ سپیکر پر اعلان ہوا میں نے پتے پھینکے اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''لو جی! آگیا یونٹ سے فون اب دیکھتا ہوں کہ چھٹی ملتی ہے یا نہیں۔۔۔۔۔'' اس زمانے میں موبائل فون آگیا تھا۔

لیکن ہمارے گاؤں میں موبائل کے سگنل نہیں آتے تھے ہمارا گاؤں چولستان (روہی) کے بلکل کنارے پر آباد تھا۔ یہاں (PTCL) نہیں آیا تھا۔ گاؤں میں لوکل فون کی تاریں بھی نہیں لگی ہوئی تھیں۔ PCO والے نے انٹینا لگایا ہوا تھا وہ اسی انٹینے سے سگنل پکڑتا تھا گاؤں میں سبھی کے فون وہیں آتے تھے وہ فون سنانے کے دس روپے لیتا تھا۔ میں اُن لوگوں کو وہیں چھوڑ کر PCO آ گیا۔ جنرل ندیم صاحب کا فون تھا جو مجھے فوراً ہیڈ کواٹر پہنچنے کا کہہ رہے ہیں آرمی میں ایسا ہی ہوتا ہے ہم چوبیس گھنٹے کے ملازم ہوتے ہیں ہماری ایجنسی کبھی بھی کسی بھی وقت ہمیں بلا سکتی ہے میں فون سننے کے بعد سیدھا گھر آیا۔ امی ابو سے اجازت لی اپنے کپڑے باندھے اور اسی رات بہاول پور کی بس پکڑی اور صبح صبح اسلام آباد ایجنسی ہیڈ کواٹر آ گیا۔ جنرل صاحب ہیڈ کواٹر میں موجود تھے میں نے پی اے کو اپنی آمد کی خبر دی اور اجازت ملتے ہی دفتر چلا گیا۔

''کیپٹن راضی ڈیوٹی پر حاضر ہے سر!۔۔۔۔۔۔'' میں نے سیلوٹ کرتے ہو کہا۔

میرے لہجے میں ہلکی سی شکایت تھی۔ میری ابھی دو ہفتے کی چھٹی باقی تھی۔ جو کینسل ہو گئی تھی

۔

''اوہ۔۔۔ کپتان صاحب! لگتا ہے ناراضگی چل رہی ہے۔'' وہ قدرے شوخ لہجے میں کہہ رہے تھے۔

میرا ان کے ساتھ سینئر جونیئر کے علاوہ استاد شاگرد کا بھی تعلق تھا میں نے ان کے ساتھ فیلڈ میں بھی کام کیا تھا اس لئے ہمارے درمیان تھوری بے تکلفی بھی موجود تھی۔

''ارے نہیں سر! میرے جیسا چھوٹا سا کپتان کسی جنرل سے ناراض نہیں ہو سکتا میرا ابھی کورٹ مارشل کروانے کا ارادہ نہیں ہے۔'' میں نے ایک اچٹتی سی نظر کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تین سرداروں پر ڈالی۔

ان میں سے دو آرمی آفیسرز تھے۔ ایک میجر تھا جبکہ دوسرا لیفٹننٹ تھا جبکہ تیسرا سول کپڑوں میں تھا۔

''چلو! اچھا ہے۔۔۔۔۔اگر ناراضگی نہیں ہے؟ ویسے ایک ایمرجنسی آ گئی تھی۔ایک نیا مشن ہے۔'' جنرل ندیم نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میرے بیٹھنے کے بعد انہوں نے دفتر میں بیٹھے تینوں کا تعارف کروایا اور مشن کی تفصیلات بتانے لگے۔

''یہ مشن بظاہر بہت آسان سا مشن ہے۔اس میں کوئی لڑائی نہیں کوئی جان کا خطرہ نہیں ہے بہت سادہ سا مشن ہے لیکن بہت بڑا ہے ہم اگر کامیاب ہو گئے تو یہ انٹیلی جنس کی تاریخ کا سب سے بڑا مشن ہو گا۔۔۔۔۔۔'' جنرل ندیم نے ہمیں ہمیں پورا مشن سمجھانے کے بعد کہا اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''سندیپ سنگھ روزانہ چار گھنٹے کی نیند لے گا۔۔۔۔۔اس کے بعد بیس گھنٹے ہوں گے۔آپ چاروں کی ڈیوٹی ہے اسے ایک منٹ کے لئے بھی اکیلا نہ چھوڑنا۔اس سے مسلسل باتیں کرو۔اسے بتاؤ کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ غلط ہے۔کسی بے گناہ کی جان لینا گناہ ہے۔وہ گرونانک صاحب کا ماننے والا ہے اور گرونانک صاحب کی تعلیمات دنیا کے سبھی ممالک اور مذہب سے محبت کرنا سکھاتی ہیں اسے بتاؤ ایک سچا سردار کبھی بھی پاکستان کے خلاف نہیں ہو سکتا یہ گرونانک صاحب کی سرزمین ہے۔یہ مقدس سرزمین ہے۔'' جنرل ندیم اپنی بات مکمل کر کے دفتر سے باہر نکل گئے۔

''راضی! تم ابھی سندیپ سنگھ کے پاس چلے جاؤ۔یہ ابھی آرام کرنے کے لئے گھر چلے جائیں گے یہ پوری رات میرے ساتھ بریفنگ میں موجود تھے۔ابھی آرام کریں گے اور شام پانچ بجے کے قریب آ جائیں گے پھر تم آرام کر لینا۔'' انہوں نے مجھے ہدایات دیں اور گیراج کی طرف جانے لگے۔

وہ اب (PTV) کے ہیڈ کوارٹر جا رہے تھے۔وہ دہشت گردی میں ہلاک ہونے والے تمام مزدروں گھروں میں مکمل ویڈیو بنوا رہے تھے۔اس ویڈیو میں یتیم بچے بیوائیں اور بوڑھے ماں باپ تھے۔جن کے اپنے اس دہشت گردی میں مارے گئے تھے۔

''راضی!۔۔۔۔۔۔'' وہ چلتے چلتے اچانک رکے اور مجھے پکارنے لگے میں جلدی سے ان کے پاس چلا گیا۔

''راضی! میں دل میں خالصتان کا حامی ہوں اور چاہتا ہوں کہ خالصتان بن جائے۔۔۔۔۔خدا نے ہمیں ایک موقع دیا ہے اور میں اس موقعے کو گنوانا نہیں چاہتا۔'' انہوں نے میرے کندھے پر تھپکی دی اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔

میں نے پُرعزم لہجے میں یس سر کہا اور انہیں سلیوٹ کر کے کرنل سندیپ کے سیل میں آ گیا دروازے پر کھڑے سنتری نے مجھے سلیوٹ کیا اور میں اندر سیل میں چلا گیا۔ یہ سیل بالکل انگلش فلموں کی طرح ایک انکوائیری روم تھا۔ کمرے کے بالکل وسط ایک لمبی میز اور اس کے گرد کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ اوپر چھت میں کیمرے لگے ہوئے تھے ایک طرف دیوار میں بلٹ پروف شیشہ لگا ہوا تھا اس شیشے میں اندر سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا باہر موجود سیکورٹی اہلکاروں کو اس شیشے سے بالکل صاف اندر نظر آتا تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں گدہ لگا ہوا تھا کرنل سندیپ سنگھ اسی گدھے پر سوتے تھے میں کمرے میں اندر آیا تو میرے پیچھے سکیورٹی گارڈ (سنتری) نے دروزہ بند کر دیا۔

''ست سری اکال! کرنل صاحب۔۔۔۔۔'' میں نے انہیں سلیوٹ مارتے ہوئے کہا۔

وہ رینک میں مجھ سے سینئر تھے اور پروٹوکول کے حساب سے مجھے اُن کو سلیوٹ کرنا تھا۔ کرنل سندیپ سنگھ ساٹھ سے ستر سال کی عمر کے قریب تھے۔ اتنی عمر ہونے کے باوجود وہ چالیس سے پچاس سال کے دوران جوان آدمی نظر آتے تھے۔ یہ فوج کی کمانڈر ٹریننگ تھی جس کی وجہ سے وہ ابھی بھی جوان باڈی بلڈر نظر آتے تھے۔

''ست سری اکال۔۔۔۔۔کیپٹن راضی صاحب! لگتا ہے اب آگے کی تفتیش آپ کریں گے۔'' انہوں نے میرے کندھے پر لگے سٹار اور بیج پر لگے نام کو پڑھ کر ہی مجھے کیپٹن راضی کہا تھا

۔

''ویسے کیپٹن صاحب! آپ کو مجھ سے کچھ بھی نہیں حاصل ہوگا۔۔۔۔۔۔آپ مجھ سے کچھ

بھی اگلوانہیں سکتے۔'' اس نے قدرے طنزیہ انداز میں کہا۔

''ارے سر! تفتیش تو ختم ہوگئی ہے اب آپ سے مزید تفتیش نہیں ہوگی صرف گپ شپ ہوگی اور میں تو گپ شپ لگانے کے لئے ہی آیا ہوں۔'' میں نے دوستانہ لہجے میں ان کے ساتھ ہاتھ ملایا اوران کے سامنے میز کی دوسری طرف بیٹھ گیا۔

''سر! میں آپ کو ایک کہانی سناتا ہوں۔۔۔۔ یہ حوالدر حسنین شیخ کی کہانی ہے۔وہ آپ کے ہندوستان کی ریاست گجرات کے سورت شہر کا تھا۔تیس سال کا یہ کڑیل جوان ایک ہاتھ سے مکا مار کر کڑیل بیل کو بھی زمین پر گرا دیتا تھا۔کبڈی کا بہترین کھلاڑی تھا۔آس پاس کے پچاس دیہات میں اس کا نام تھا۔یہ 1930ء کا ذکر ہے ایک انگریز کرنل حسنین شیخ کو دیکھا اور فوج میں بھرتی کرلیا وہ فوج میں بھی کبڈی ہی کھیلتا تھا۔پانچ چھ سال ایسے ہی کھیلتے کھیلتے گزر گئے حسنین شیخ حولدار بن گیا شادی کی دو بچے بھی ہوئے اچھی نوکری اچھی تنخواہ خوبصورت بیوی بچے حسنین شیخ کی تو زندگی بن گئی تھی۔

سب ٹھیک تھا لیکن پھر دوسری جنگ عظیم شروع ہوگئی۔تاج برطانیہ کی جاپان اور جرمنی سے جنگ تھی حوالدار حسنین شیخ کی یونٹ ہندوستان سے جاپان چلی گئی یہ جنگ سالوں تک چلتی رہی شیخ صاحب شروع شروع میں تو بڑی بے جگری سے لڑتے رہے لیکن آہستہ آہستہ جذبہ دم توڑ گیا آدھی سے زیادہ یونٹ جنگ میں ماری جا چکی تھی باقی آدھی کے پاس اسلحہ بھی بہت کم رہ گیا تھا۔شیخ صاحب بہت مایوس ہوگئے اور ایک رات یونٹ سے بھاگ گئے پہاڑی علاقہ تھا چھپتے چھپاتے کافی دور پہنچ گئے۔تبھی ایک تنگ پہاڑی درے میں انہیں جاپانیوں کی فوج نظر آ گئی۔وہاں کوئی دو سو کے قریب جاپانی فوجی تھے۔جورات کے پچھلے پہر ان کی یونٹ پر حملہ کرنے کی پلاننگ بنارہے تھے۔

شیخ صاحب نے یہ دیکھا تو فوراً واپس بھاگے اور اپنی یونٹ میں جا کر دشمن کے حملے کی اطلاع دے دی انگریز کرنل نے اسی وقت تیاری کی۔جاپانیوں کی فوج کو اسی تنگ کھائی میں گھیر کر

حملہ کیا رات بھر لڑائی چلتی رہی اور صبح تک تمام جاپانی فوجی مارے گئے۔کرنل صاحب فتح یاب ہو کر واپس یونٹ میں پہنچے۔حوالدار حسنین شیخ کو بہادری کا میڈل دیا اور کورٹ مارشل کر دیا گیا ۔برطانوی فوج میں جنگ سے بھاگنے والے فوجی کا کورٹ مارشل ہوتا ہے شیخ حسنین کا کورٹ مارشل ہوا اور اگلے دن اسے فائیرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا کر کے گولی ماردی گئی۔کرنل صاحب! کہانی ختم ہوگئی اور میرا آپ سے ایک سوال ہے حوالدار حسنین شیخ غازی تھا یا شہید؟ سوچیئے ۔۔۔آرام سے سوچیئے اور پھر بتایئے گا۔نہ ملک اپنا نہ فوج اپنی نہ دین اپنا نہ لوگ اپنے ۔۔۔۔۔'' میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''کرنل صاحب! یہ جنگ پاکستان اور ہندوستان کی ہے۔۔۔۔ایک طرف اکھنڈ بھارت کا خواب ہے ہندوؤں کی سب سے بڑی ریاست کا خواب جو ملائیشیا سے افغانستان تک تھی دوسری طرف پاکستان ہے جو صرف اپنے بقاہ کی جنگ لڑ رہا ہے۔کرنل صاحب! یہ آپ کی نہیں ہماری جنگ ہے۔۔۔۔آپ پتہ نہیں کیوں اس میں کود رہے ہو۔۔۔؟ آپ حوالدار شیخ حسنین ہو جو نہ غازی ہے نہ شہید۔۔۔۔'' میں نے دروازہ کھولا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

میں گارڈ کے ساتھ کمرے سے باہر لگے شیشے کے ذریعے اندر کرنل سندیپ سنگھ کو دیکھنے لگا ۔وہ کرسی پر بیٹھے کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔اس کے ماتھے پر آتے ہوئے پسینے کے قطرے ہم باہر سے آسانی سے دیکھ سکتے تھے۔پندرہ بیس منٹ تک میں ایسے ہی باہر بیٹھا اس کا جائیزہ لیتا رہا اور دوبارہ پھر اندر چلا گیا۔

''ست سری اکال ۔۔۔۔کرنل صاحب !میرے سوال کا کوئی جواب ملا یا نہیں۔۔۔۔؟'' میں نے ان کے سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے کہا۔

''ویسے کرنل صاحب! حوالدار شیخ حسنین کی جگہ اپنے آپ کو رکھ کر دیکھ لیں شاید آپ کو سوال کا جواب مل جائے۔۔۔۔۔'' میں نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''کپتان صاحب! آپ لوگ اب مجھے نفسیاتی مار مار رہے ہو۔۔۔تشدد سے کچھ نہیں بنا تو

اب نفسیات سے کام لے رہے ہو۔‘‘ کرنل صاحب نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ وہ براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

’’کرنل صاحب! یہ نفسیات نہیں حقیقت ہے آپ حوالدار حسنین شیخ کی طرح ایک گھوڑے ہو۔۔۔۔۔۔ جس کے اوپر ہندوستان بیٹھا سواری کر رہا ہے۔‘‘ میں نے پلک جھپکے بغیر کہا۔

’’بچے! یہ چیزیں مجھے مت سکھاؤ۔۔۔۔۔ ایسے ہتھکنڈوں سے میں باخوبی واقف ہوں۔ جتنی تمہاری عمر ہے اتنی میں نے فوج میں نوکری کی ہوئی ہے۔‘‘ ان کا لہجہ بدستور طنزیہ تھا۔

’’سر! عمر بے شک تھوڑی ہے لیکن اپنے ملک اپنی قوم کے لئے جان دے سکتا ہوں۔ آپ کس کے لئے جان دے رہے ہو۔ نہ ملک اپنا نہ قوم اپنی دین اپنا نہ فوج اپنی۔۔۔‘‘ میں نے ایک بار پھر اپنی بات دہرائی۔

’’بچے! جتنا مرضی زور لگا لو تم میرا ذہن نہیں بدل سکتے۔ اچھا چھوڑیں یہ جنگ اور سیاست تو چلتی رہے گی کچھ اپنی باتیں بھی کرتے ہیں آپ اپنے بارے میں بتایئے اپنے بیٹے کے بارے میں اکلوتا بیٹا ہے آپ کا۔۔۔۔ کیا نام ہے اس کا۔۔۔۔؟‘‘ میں نے اپنی بات ادھوری چھوڑی اور ان کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ جواب دینے کی بجائے خاموشی سے میری طرف دیکھتے رہے۔ ان کی مکمل فائل پڑی تھی ۔مسقط میں ان کو اغوا کرنے سے پہلے ہماری ایجنسی نے ان کے متعلق تمام معلومات اکھٹی کر لی تھی ۔ان کا اکلوتا بیٹا ہردیپ سنگھ امریکہ میں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ ہردیپ سنگھ اٹھارہ 18 سال کا تھا وہ انجیرنگ کے پہلے سال میں تھا ابھی چھ مہینے پہلے ہی وہ امریکہ گیا تھا۔ کرنل سندیپ کی بیوی فوت ہو گئی تھی۔ وہ بھارتی پنجاب کے شہر کپورتھلہ سے تھے۔ کپورتھلہ دس لاکھ کی آبادی کے ساتھ پنجاب کا سب سے چھوٹا ضلع تھا۔ جالندھر سے محض اٹھارہ کلومیٹر مغرب کی طرف تھا۔

دریائے بیاس کے مشرقی کنارے پر آباد یہ چھوٹا سا شہر امرتسر سے ستر کلومیٹر جبکہ کے

پاکستانی لاہور سے ایک سوبیس کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا۔کرنل سندیپ شروع شروع میں تو بلکل با ت چیت نہیں کررہا تھا لیکن آہستہ آہستہ وہ میری گفتگو میں دلچسپی لینے لگا۔جنرل ندیم شام کو پانچ بجے کے قریب آتے اتنی دیر میں میں کرنل صاحب سے دوستی لگا چکا تھا۔جنرل ندیم کے ساتھ میجر امریندر سنگھ اور سول آدمی ہرپال سنگھ بھی تھا۔ہرپال سنگھ مقامی سکھ کمیونٹی کے سربراہ تھے۔اس کے علاوہ خالصتان تحریک کے حامی بھی تھے یہاں سندیپ سنگھ کے پاس میجر امریندر اور ہرپال بیٹھ گئے جبکہ میں جنرل ندیم کے ساتھ باہر ان کے دفتر چلا گیا۔

''راضی! کیا پوزیشن ہے۔۔۔۔۔؟'' جنرل ندیم نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

'' سر! ٹوٹ جائے گا آسانی سے تو نہیں ٹائم لگے گا لیکن بحر حال ٹوٹ جائے گا ۔۔۔۔۔ایک آزاد ملک کا خواب سبھی دیکھتے ہیں یہ بھی دیکھے گا۔۔۔'' میں نے کرسی پر بیٹھتے جواب دیا۔

''چلو! اچھی بات ہے۔۔۔۔۔میں کچھ ویڈیوز وغیرہ بنا کر لایا ہوں۔یہ کراچی میں مرنے والے مزدروں کے گھر والوں کی ویڈیوز ہیں۔'' جنرل ندیم نے سی ڈی پلیر میں CD لگائی اور مجھے دیکھانے لگے۔

یہ واقعی بہت خطرناک ویڈیوز تھیں مرنے والے مزدروں کے روتے بیوی بچے گھروں کی دیواروں سے ٹپکتی غربت وافلاس کیمرہ مین نے کمال کر دیا۔اس نے ایک ایک سین پر اپنی مہارت کا پورا ثبوت دیا تھا۔ہم رات دس بجے تک دفتر میں بیٹھے دسکس کرتے رہے اس کے بعد جنرل ندیم گھر چلے گئے جبکہ میں نے بھی ایک نظر سندیپ سنگھ کو دیکھا اس سے حال احوال دریافت کیا اور گھر آ گیا وہاں سندیپ سنگھ کے پاس اب ہرپال اور امریندر موجود تھے۔

دوسرں دن صبح صبح ہم نے سیل میں ٹی وی بھی آن کر دیا ٹی وی باہر سے کنٹرول ہوتا تھا۔ہم ٹی وی پر پاکستانی نیوز چینلز اور دوسری ویڈیوز وغیرہ دیکھا رہے تھے۔اگلے ایک ہفتے تک ہم مسلسل

سندیپ سنگھ کی برین واشنگ کرتے رہے۔ جنرل ندیم اس دوران سندیپ سنگھ کے متعلق خفیہ انکوائیری کرتے رہے۔ ہمارے خفیہ جاسوس انڈین شہر کپور تھلہ پہنچ گئے تھے۔ ہم وہاں سندیپ سنگھ کے متعلق چھان بین کر رہے تھے۔ ایک ہفتے کی مسلسل محنت کے بعد آخر کار ہمیں کامیابی مل ہی گئی۔ ہم سندیپ سنگھ کا ماضی تلاش کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے تھے۔

وہ پاکستان میں ہی پیدا ہوا تھا۔ تقسیم سے پہلے اس کا خاندان ننکانہ صاحب کے قریب بھگوان پورہ سے تھے۔ یہ ننکانہ صاحب سے 15 کلومیٹر شمال کی طرف ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ تقسیم سے پہلے یہاں کی تقریباً تمام ہی آبادی سکھوں کی تھی۔ صرف اٹھارہ یا دس گھر ہی مسلمانوں کے تھے باقی پورا گاؤں سکھوں کا تھا۔ سندیپ سنگھ اسی گاؤں میں 1935ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا پورا بچپن اسی گاؤں میں گزرہ تھا۔ اس نے میٹرک ننکانہ صاحب جبکہ FA لاہور گورنمنٹ کالج (GC) سے کیا تھا۔ تقسم کے وقت بھگوان پورہ کے حالات ٹھیک تھے۔ اس لئے وہ لوگ 47ء میں ہجرت نہیں کر کے گئے تھے۔ وہ لوگ آسانی سے آٹھ 8 سال بعد 1955ء میں جب دونوں طرف حالات ٹھیک ہو گئے تھے۔ سندیپ سنگھ نے اپنی زندگی کے ابتدائی بیس سال یہیں بھگوان پورا پاکستان میں گزارے تھے۔

سندیپ سنگھ کا بچپن کھوج نکالنا ہماری بہت بڑی کامیابی تھی۔ جنرل ندیم نے وزیراعظیم سے اجازت لی اور ہم سندیپ سنگھ کو خفیہ طور پر بھگوان پورا لے آتے۔ ہم نے انتہائی سخت سکیورٹی کے ساتھ سندیپ سنگھ کو اس کے پورے گاؤں میں گھمایا پھرایا۔ کہتے ہیں انسان کو اس کا بچپن کبھی نہیں بولتا ہے یہ بات سچ تھی۔ سندیپ سنگھ بھی اپنا بچپن نہیں بھولا تھا۔ اسے پچاس سال کے بعد بھی اپنے گاؤں کے تمام راستے یاد تھے اسے اپنا گھر بھی یاد تھا۔ وہ دیوانہ وار اپنے گھر کی دیواروں پر اپنا ماتھا لگا رہا تھا وہ ان دیواروں کو چوم رہا تھا۔ تین گھنٹے تک ہم اس کے گاؤں میں ہی موجود رہے۔ اس دوران اس نے اپنا گھر گاؤں کھیت کھلیان سب دیکھ لئے تھے ہم واپسی پر ننکانہ صاحب گئے اس کا سکول دکھایا اور پھر گرونانک صاحب کی جائے پیدائش گردوارہ جنم استھا نچلے

گئے۔

''کرنل صاحب! دوسروں کی آزادی چھننے کی بجائے اپنی آزادی تلاش کرنے کی کوشش کریں۔۔۔۔۔۔جان دینی ہی ہے تو اپنی قوم کے لئے دیں خالصتان کے لئے دیں یہ دنیا ہمیشہ آپ کو یاد رکھے گی۔واہے گرو جی کا خالصہ واہے گرو جی کی فتح۔'' ہم نے گردوارے میں ماتھا ٹیکا اور واپس ہیڈ کواٹر آ گئے۔

سندیپ سنگھ اب مکمل پگھل چکا تھا۔اگلے دو تین دن تک شش و پنج کی کیفیت میں رہے اور پھر ایک فیصلے پر پہنچ گئے یہ حق اور سچ کا فیصلہ تھا یہ خالصتان کا فیصلہ تھا۔

''راضی صاحب! میں اکھنڈ بھارت کا خواب دیکھتا تھا۔۔۔۔۔۔میں ہندوستان کی تاریخ میں امر ہونا چاہتا تھا۔ میں نے اپنے بیٹے دیپ کو بھی یہی سکھایا تھا وہ بھی میری طرح اکھنڈ ہندوستان کا خواب دیکھتا تھا لیکن میں غلط تھا۔ہمیں اکھنڈ بھارت کی نہیں اپنی شناخت کی ضرورت ہے ۔اکھنڈ بھارت دوسروں کی آزادی چھینتا ہے۔ہمیں اکھنڈ بھارت نہیں آزادی چاہیے۔اپنی آزادی اپنی شناخت جو خالصتان میں ہے۔میں خالصتان کے لئے جان دینا چاہتا ہوں میں۔۔۔۔۔میں سکھوں کی تاریخ میں امر ہونا چاہتا ہوں۔''

میں صبح صبح ان کے سیل میں آیا تو وہ آنکھ میں آنسو لیئے ہچکیوں کے ساتھ کہہ رہے تھے۔ان کی آواز اٹک ضرور رہی تھی لیکن اس میں چھپا ہوا عزم نظر آ رہا تھا۔

'' راضی! میں غلط تھا۔۔۔۔۔میں نے اب تک جو کہا وہ غلط تھا۔وہ دہشت گردی تھی ۔میری وجہ سے ہزاروں پاکستانیوں کی جان گئی ہے۔مجھے ان کا بہت دکھ ہے۔میں۔۔۔۔میں آج بھی شرمندہ ہوں مجھے اپنے جرائم کا احساس ہو گیا ہے اور میں اب سزا بھگتنے کے لئے بھی تیار ہوں۔'' وہ مسلسل بولتے جا رہے تھے۔

''کوئی بات نہیں کرنل صاحب ! آپ کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا ہے یہی بہت ہے۔۔۔۔'' میں نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں حوصلہ دیا۔

''راضی! مجھے معلوم ہے۔میری سزا صرف موت ہے لیکن پلیز میں مرنے سے پہلے اپنے گناہوں کا پراسچت کرنا چاہتا ہوں۔میں۔۔۔۔۔میں ایک ہندوستانی نہیں ایک خالصتانی مرنا چاہتا ہوں۔'' وہ اب باقاعدہ ہاتھ جوڑے مجھ سے معافی مانگ رہے تھے۔

''کرنل صاحب! معافی مت مانگیں آپ نے سچائی کا راستہ تلاش کرلیا ہے۔'' میں نے ان کے ہاتھ پکڑے اور گلے لگالیا۔

میرے پیچھے شیشے کی دوسری طرف کیپٹن گرپریت سنگھ کھڑا ہمیں دیکھ رہا تھا۔اس نے اسی وقت جنرل ندیم کو اطلاع بھجوائی اور کیمرے کی ریکارڈنگ کاپی کرنے لگا ہم یہاں سندیپ سنگھ کی چوبیس گھنٹے ریکارڈنگ کرتے تھے۔اسے یہاں سیل میں پورے بیس دن سے اوپر ہو گئے تھے ۔ہمارے پاس ان بیس دنوں کی ریکاڈنگ موجود تھی۔جنرل ندیم اطلاع ملتے ہی پہنچ گئے سندیپ سنگھ اب جنرل ندیم سے معافی مانگنے لگے

''سر! میں اعتراف کرتا ہوں۔میں۔۔۔۔۔میں سیکڑوں پاکستانیوں کا قاتل ہوں پاکستان میں ہونے والی ہر دہشت گردی کے پیچھے میرا ہاتھ تھا مجھے پتا ہے میرے جرائم کی سزا صرف اور صرف موت ہے میرا انجام اب صرف پھانسی کا پھنڈا ہی ہے اور مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے ۔میں نے جرائم کیے ہیں اور مجھے سزا بھی ملے گی۔بس صرف اور صرف ایک عرض کرتا ہوں۔مجھے تھوڑی مہلت چاہیے۔میں پاکستان میں کھلے ہوئے را کے نیٹ ورک کو بے نقاب کرنا چاہتا ہوں۔میں انڈیا میں بھی موجود را کے کام کا طریقہ کار بنانا چاہتا ہوں۔سر! میں پھانسی سے پہلے اپنے گناہوں کا پراسچت (کفارا) کرنا چاہتا ہوں۔پلیز سر! مجھے اتنی مہلت ضرور دے دیجئے کہ میں مرنے کے بعد واہے گرو صاحب کا سامنا کرسکوں۔'' وہ جنرل ندیم کے سینے سے لگے کانپ رہے تھے۔

جنرل صاحب کافی دیر تک اپنے سینے سے لگائے تسلی دیتے رہے۔دس منٹ تک رونے کے بعد ان کا دل ہلکا ہوا تو جنرل ندیم نے انہیں سامنے کرسی پر بیٹھایا اور پانی کا گلاس انہیں پکڑا دیا

۔

''کرنل صاحب !اس راضی نے آپ کو بہت کہانیاں سنائی ہیں۔آج میں بھی آپ کو ایک کہانی سناتا ہوں ہماری تاریخ کی چھوٹی سی کہانی ہے لیکن وہ کہانی آج بھی دہرائی جاتی ہے۔یہ کہانی ابوسفیان کی بیوی ہندہ اوراس کے غلام وحشی کی ہے۔ابوسفیان اوراس کی بیوی ہندہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ہمارے نبی محمدﷺ کی نبوت کے بعد 13 سالہ مکی زندگی میں انہوں نے ظلم کے پہاڑ توڑ دے تھے۔ہمارے نبیؐ ہجرت کرکے مدینہ آگئے لیکن یہ پھر بھی مسلمانوں پر مظالم ڈھاتے رہے۔

جنگ اُحد کے دوران ہندہ کے غلام وحشی نے نیزہ مار کر آپﷺ کے چچا حضرت حمزہ کو شہید کر دیا۔اس نے شہید کرنے کے بعد حضرت حمزہؓ کا سینہ برچھی سے چیرا اوران کا کلیجہ نکال کر ہندہ کو دے دیا۔ہندہ نے آپؐ کے سگے چچا کا کلیجہ اپنے دانتوں سے چبایا۔کچھ سالوں کے بعد مسلمان مکہ فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے سعودی عرب میں ہمارے نبیؐ کی حکومت قائم ہوگئی ۔وہی ہندہ گررفتار ہوکر آپؐ کے پاس آئی اُسے اپنی موت کا یقین تھا۔ابوسفیان ،ہندہ، وحشی اور ہزاروں مشکرین مکہ کو اپنی موت کا پورا یقین تھا لیکن میرے نبی حضرت محمدؐ نے سب کو معاف کر دیا ۔انہوں نے اپنے چچا کا خون بھی معاف کر دیا۔

کرنل صاحب! آج سے چودہ سال پہلے دو جہانوں کا بادشاہ حضرت محمدؐ تھے اور دوسری طرف قاتل وحشی افریقہ سے آیا ہوا ایک غلام جس کی کوئی حثیت نہیں تھی۔قتل کا بدلہ قتل قانون ہی تھا لیکن ہمارے نبی نے معافی کا راستہ اختیار کیا۔کرنل صاحب! ہم اُس محمدؐ کے غلام ہیں۔جس نے جنگی قدیوں اور مجرموں کو مارنے کی بجائے معاف کرنے کا حکم دیا۔آپ بھی ایک جنگی قیدی ہو اگر آپ دل سے پاکستان کے ساتھ ہیں تو یقین کریں آپ کو پھانسی نہیں ہوگئی۔آپ ایک دہشت گرد نہیں ایک ہیرو بنیں گئے۔'' جنرل ندیم نے اُن کو تسلی دی اور پھران کا بیان لینے لگے۔

وہ اب پاکستان میں موجود اپنے تمام نیٹ ورک کی تفصیل بتا رہا تھا۔اگلے ایک ہفتے تک ہم

نے درجنوں آپریشن کیئے اور پاکستان کے کونے کونے میں چھپے جاسوس اور دہشت گردوں کو پکڑا کرنل سندیپ کی معلومات کے سہارے ہم نے انڈیا میں موجود اپنے جاسوسوں کو بھی متحرک کرنا شروع کر دیا۔ کرنل سندیپ ہمارے ساتھ مکمل تعاون کر رہے تھے۔ وہ نہ صرف معلومات دیتے تھے بلکہ آپریشن کی منصوبہ بندی بھی کرتے تھے۔ایک ہفتے کے اندر اندر ہم نے راء کا پورا نیٹ ورک اکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ ہم نے را کو شدید ترین نقصان پہنچا دیا تھا۔راء کے چیف جنرل آدیش کمار اس صورت حال سے سخت پریشان تھے۔ وہ روز بروز را شیرازہ بکھرتا ہوا دیکھ رہے تھے ۔پنجاب میں خالصتان تحریک بھی سر اٹھانے لگی تھی ۔ یہ سندیپ سنگھ کا زمانہ تھا۔ وہ راء کے بعد خالصتان تحریک کو مظبوط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ را کا ایک سینئر آفیسر رہا تھا۔اس نے انڈین پنجاب میں کافی عرصہ کام کیا تھا۔اسے پنجاب میں سلگتی ہوئی خالصتان تحریک کا پتہ تھا۔اُسے ان بڑے بڑے لوگوں کا بھی پتہ تھا۔ جو اُوپری دل سے ہندوستانی تھے لیکن دل میں مکمل خالصتانی تھے۔ وہ ایسے ہی لوگوں کو اکٹھا کر رہا تھا ۔خالصتان تحریک نے ابھرنا شروع کیا۔تو جنرل آدیش کمار نے اسے کچلنے کا فیصلہ کرلیا۔اس نے سب سے پہلے مین ہاتھ کو کاٹنے کا فیصلہ کیا کرنل سندیپ سنگھ ہی اس تحریک کے پیچھے تھے راء نے انہی کو ٹارگٹ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ کرنل سندیپ کا کام ہمارے پاس ختم ہو گیا تھا۔ وہ آئی ایس آئی کے پاس چلے گئے تھے۔

وہ اب آئی ایس آئی کے ساتھ مل کر ہی خالصتان تحریک کو کنٹرول کر رہا تھا۔ ہماری انٹیلی جنس کا کام ختم ہو چکا تھا لیکن پھر بھی روزانہ کرنل سندیپ سے ملتا تھا۔ میری ان کے ساتھ کافی دوستی ہو گئی تھی۔

”راضی ! مجھے لگتا ہے میرے دن قریب آ گئے ہیں۔۔۔۔۔شاید میں مارا جاؤں۔۔۔۔۔“

کرنل سندیپ نے چائے کے اوپر آنے والی بالائی کو کپ کی بیرونی دیوار کے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

وہ ہمیشہ بالائی کو اکٹھا کر کے کے کپ کے باہر لگا دیتے تھے۔ یہ ان کی عادت تھی وہ لاشعور طور پر ایسا کرتے تھے۔ ہم اس وقت ہیڈ کواٹر کی کنٹین میں بیٹھے ہوئے تھے۔ صدر پاکستان نے ان کی سزا معاف کر دی تھی وہ آزاد تھے لیکن ہیڈ کواٹر سے باہر نہیں جا سکتے تھے۔ باہر ان کی جان کو خطرا تھا۔

''ارے۔۔۔۔ سر! کیوں پریشان ہو رہے ہیں؟ ایسا کچھ نہیں ہوگا آپ اس وقت دنیا کی محفوظ ترین جگہ پر ہیں یہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔'' میں نے فخریہ انداز میں کہا۔

''راضی صاحب! جو سب سے زیادہ محفوظ ہوتا ہے وہی سب سے زیادہ خطرے میں ہوتا ہے۔ موت تو بڑے بڑے قلعوں میں بھی آ جاتی ہے یہاں بھی آ جائے گی۔'' وہ فلسفی لہجے میں بول رہے تھے۔

''سر! لگتا ہے اب آپ کو موت سے ڈر لگنے لگا ہے۔۔۔۔۔'' میں نے شراتاً لہجے میں کہا۔

''ارے نہیں۔۔۔۔ کپتان صاحب موت سے ڈر نہیں لگتا وہ تو کسی پل بھی آ سکتی ہے۔ مجھے اپنی نہیں اپنے بیٹے کی فکر ہے۔ وہ اب بھی ہندوستانی ہے۔ پکا ہندوستانی جو پاکستان سے نفرت کرتا ہے جو اکھنڈ بھارت میں یقین رکھتا ہے جو اپنی نہیں دوسروں کی آزادی چھیننے کی سوچ رکھتا ہے۔ راضی! ہردیپ بہت پیارا لڑکا ہے۔ بہت معصوم تم۔۔۔۔۔ تم ایک بار اسے دیکھو گے تو بلکل دیکھتے ہی رہ جاؤں گے۔ تمہیں۔۔۔۔ تمہیں اس سے محبت ہو جائے گی۔'' وہ بیٹے کو یاد کرتے کرتے بالکل کھو سے گئے تھے۔

''راضی! ایک وعدہ کرو مجھ سے کہ تم میرے مرنے کے بعد ایک بار صرف ایک بار اس کے پاس جانا اسے میرا اسلام کہنا۔ اسے بتانا تمہارا والد غدار وطن فروش یا دہشت گرد نہیں تھا وہ ایک سچا محبّ وطن سپاہی تھا۔ اسے بتانا میں محبّ وطن سپاہی تھا اور میرا ملک ہندوستان نہیں خالصتان تھا۔'' وہ ایک خواب کی سی کیفیت میں مسلسل بولتے رہے اور میں سنتا رہا وہ ان کی میرے ساتھ آخری ملاقات تھی۔

اسی رات کسی غدار نے اس کے کھانے میں زہر ملا دیا یہ میٹھا زہر تھا جس کا پتہ ہی نہیں چلا وہ رات کو سوئے اور پھر دوبارہ اٹھ ہی نہ سکے۔ وہ رات کسی وقت سوتے میں ہی ہلاک ہو گئے تھے۔ دوسرے دن مجھے صبح ان کا مرا ہوا چہرا ہی دیکھنا پڑا کرنل سندیپ سنگھ مر چکے تھے۔

اس بار وہ اپنی قوم کے لئے شہید ہوئے تھے وہ ہندوستانی سپاہی تھا لیکن اسے پاکستانی اور خالصتانی پرچم میں لپیٹا گیا اسے مکمل فوجی اعزاز کے ساتھ آخری سفر پر روانہ کیا گیا۔

کرنل سندیپ سنگھ کی شہادت کے بعد خالصتان تحریک پھر سے کمزور پڑ گئی میرا کام سے دل اُکتا گیا میں نے ایجنسی سے چھٹی لی اور گھر آ گیا چولستان کے کنارے پر آباد اس چھوٹے سے گاؤں میں زندگی اپنے پورے جوبن پر چل رہی تھی۔ گاؤں میں وہی خوشیاں اور رونقیں تھیں۔ لڑکے کرکٹ اور فٹ بال کھیل رہے تھے۔ تاش کی بازیاں چل رہی تھیں۔ سب کچھ ٹھیک تھا لیکن میں اندر سے ٹوٹ چکا تھا۔

''راضی! ایک بار صرف ایک بار میرے بیٹے ہردیپ سے ضرور ملنا۔۔۔۔۔'' میرے ذہین میں بار بار وہی الفاظ گھونجتے رہے۔

میں نے کرنل سندیپ سنگھ سے وعدہ کیا تھا۔ مجھے اس وعدے کو پورا کرنا تھا۔ مجھے دن رات سوتے جاگتے بس یہی وعدہ یاد آتا رہتا تھا۔ آخر کار میں نے ہردیپ سے ملنے کے لئے امریکہ جانے کا ارادہ کرلیا۔ میں نے جنرل ندیم سے اس بارے میں بات کی شروع میں تو وہ انکار کرتے رہے لیکن پھر انہوں نے مجھے جانے کی اجازت دے دی۔ مجھے تین مہینے کی چھٹی کے ساتھ ساتھ مجھے امریکہ کا ویزہ بھی دے دیا گیا۔ ایجنسی نے ہی میرے ویزے کا بندونست کیا تھا۔

میں نے کرنل سندیپ سنگھ کی تمام ویڈیوز اکھٹی کیں اور امریکہ چلا گیا۔

کرنل سندیپ سنگھ رندھاوا کا بیٹا ہردیپ سنگھ رندھاوہ نیویارک کی یونیورسٹی میں انجیرنگ کر رہا تھا۔ سندیپ سنگھ کی تنخوہ بہت زیادہ تھی۔ اسے راء کی طرف سے فنڈ بھی بہت زیادہ ملتا تھا۔ رندیپ آرام سے انجیرنگ کر رہا تھا۔ باپ گرفتار ہونے بعد اس پر فداری کا ٹھپہ لگا تو راء نے

سندیپ سنگھ کے تمام بینک اکاؤنٹ سیل کر دیے۔ پیسے ختم ہوئے تو ہردیپ کی پڑھائی بھی ختم ہوگئی ۔اس نے یونیورسٹی چھوڑ دی اور مزدوری کرنے لگا ۔وہ نیو یارک سے رچمونڈ آ گیا ۔رچ مونڈ امریکی ریاست ورجینیا کا ایک چھوٹا سا شہر ہے۔

آبادی تقریباً دھائی لاکھ کے قریب ہے ۔یہ امریکی ریاست ورجینیا کا چوتھا بڑا شہر ہے ۔دریائے جیمز کے کنارے آباد یہ چھوٹا سا شہر امریکہ کے چند غریب ترین شہروں میں سے ایک ہے یہاں باقی امریکہ کی نسبت مزدوری سستی تھی ۔ یہاں مزدور سستا مل جاتا ہے۔اسی وجہ سے بڑی بڑی کمپنیاں اپنی فیکٹریاں اور کارخانے یہاں لگاتی ہیں ۔ یہاں مزدوری سستی ہے لیکن بے روزگاری نہیں ہے فیکٹریوں اور کارخانوں کی بتیاب ہے اور کام آسانی سے مل جاتا ہے۔

ہردیپ بھی اسی وجہ سے یہاں آیا تھا اس کے شہر کپورتھلہ کے کچھ لڑکے یہاں ایک پیکنگ فیکٹری میں کام کرتے تھے وہ بھی ان کے ساتھ یہاں کام کرنے لگا تھا۔میں نے دن کے بارہ بجے کے قریب امریکی دارلحکومت واشنگٹن ڈی سی کے آنٹرنیشل ائیر پورٹ ہر اترا دو گھنٹے تک امیگریشن کرواتا رہا اور پھر اپنے پاسپورٹ پر امریکہ انٹری کی مہر لگوانے کے بعد میں ایئر پورٹ سے باہر آ گیا۔کوئی گھنٹہ پھر واشنگئن شہر گھومنے کے بعد میں نے رچمنڈ شہر 170 کلومیٹر کے فاصلے پر موجود ہے۔

بس نے مجھے ڈیڑھ گھنٹے میں رشمنڈ پہنچا دیا۔ابھی سہ پہر کے پانچ بجے تھے میں نے رچمنڈ سے ایک ٹیکسی پکڑی اور شہر سے باہر بنسلی آ گیا۔ پیکنگ فیکٹری بنسلی میں تھی ۔ یہاں پچیس کے قریب لڑکے کام کرتے تھے ۔ان میں بارہ انڈین اور آٹھ پاکستانی جبکہ باقی پانچ میں سے تین بنگالی اور دو مقامی امریکی لڑکے تھے یہاں فیکٹری ساتھ ہی تین کمروں کا ایک گھر تھا۔جس میں یہ لڑکے رہتے تھے۔ یہ گھر فیکٹری کے مالک کا ہی تھا۔جس نے یہ گھر فیکٹری میں کام کرنے والے لڑکوں کو دیا ہوا تھا۔دو کمرے انڈین اور بنگالی کے لئے تھے جبکہ ایک کمرہ پاکستانیوں کا تھا۔گھر میں کھانا سب کے لے اکٹھا بنتا تھا۔جو باری باری لڑکے بناتے تھے۔ ہر روز دو لڑکوں کی کھانا بنانے

کی باری ہوتی تھی اور گائے اور سور دونوں منع تھے۔ گھر میں صرف بکرے اور مرغی کا گوشت ہی آتا تھا اور وہی پکایا جاتا تھا۔

بنسلی کے اس چھوٹے سے گھر میں انڈیا اور پاکستان دونوں اکٹھے تھے اور بھائیوں کی طرح رہتے تھے۔ سب ایک دوسرے کی عزت کرتے تھے اور کسی کو کسی سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ سب کچھ ٹھیک تھا سوائے ہردیپ کے۔ وہ ٹھیک نہیں تھا وہ پاکستان اور پاکستانیوں سے نفرت کرتا تھا۔ میں چھ بجے کے قریب گھر پہنچا تو گھر میں سبحان اور اس کا بھائی احمد دونوں میرا انتظار کر رہے تھے۔

''راضی بھائی! بڑی دیر لگا دی آپ تو بارہ بجے امریکہ پہنچ گئے تھے۔'' سبحان نے میرا بیگ پکڑتے ہوئے کہا۔

سبہان راجپوت اور اس کا کزن احمد راجپوت دونوں لاہور سے تھے۔ سبحان بائیس (22) سال کا تھا جبکہ احمد اس سے بڑا تئیس (23) کا تھا۔ سبحان کے بچپن کا دوست روشن کا بڑا بھائی پاکستان آرمی میں میجر تھا۔ میجر علی ہماری ہی انٹیلی جنس ایجنسی میں کام کرتا تھا اور اسی روشن کو کہہ کر مجھے یہاں سبحان کے پاس بھیجا تھا۔

''سبحان بھائی باقی سب کہاں ہیں۔۔۔۔؟ کیا ابھی تک کام سے واپس نہیں آئے؟'' میں نے گھر میں نظر دوڑاتے ہوئے سوال کیا۔ گھر میں اس وقت چھ سات لڑکے موجود تھے۔

''نہیں راضی بھائی! فیکٹری سے تو چھٹی ہو گئی ہے وہاں سے تو چار بجے چھٹی ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد لڑکے کرکٹ کھیلنے چلے جاتے ہیں یہاں فیکٹری کے پیچھے ہی پارک ہے۔ وہاں شام کے وقت کافی رونق ہوتی ہے لڑکے وہاں کرکٹ بھی کھیلتے ہیں اور وہاں پر آنے والی گوریوں کو بھی تاڑ لیتے ہیں۔'' اس بار احمد نے جواب میں پوری تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا۔

یہ آج سے انیس سے بیس سال پہلے کی بات ہے۔ اس وقت ٹیکنالوجی نے اتنی ترقی نہیں کی تھی موبائل فون مارکیٹ میں آ گئے تھے۔ لیکن وہ سمارٹ فون نہیں تھے۔ ان میں انٹرنیٹ نہیں

ہوتا تھا۔ وہ صرف کال ہی سناتے تھے۔سبھی کمروں میں ٹی وی (TV) اور سی ڈی پلیئر موجود تھا لیکن فلمیں پُرانی تھیں۔ ویڈیو سنٹر کی دُکانیں جہاں سے انڈین فلمیں ملتی تھیں۔ وہ واشنگٹن ڈی سی میں تھیں۔ وہاں سے لڑکے سی ڈی لاتے تھے۔ جو ایک بار میں ہی سارے لڑکے اکٹھے بیٹھ کر دیکھ لیتے اس کے بعد سی ڈی پر نرگس کے مجرے ہی ملتے رہتے تھے۔ یہاں نرگس اور ببو مان ساتوں دن چلتے تھے۔لڑکے چار بجے فیکٹری سے چھٹی کرکے پارک چلے جاتے تھے وہاں سے رات کو کھانے وقت ہی آتے تھے۔ میں نے اپنا سامان کمرے میں رکھا اور چائے پی اور سبحان کے ساتھ پارک میں آگیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

پارک میں بہت رونق تھی۔لڑکے جوش وخروش سے کرکٹ کھیل رہے تھے۔فٹ بال بھی چل رہی تھی اور گورے لڑکوں کو کرکٹ کھیلتا ہوا دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ میں پارک میں داخل ہوا تو مجھے گراؤنڈ کے کنارے پر لگے بینچ پر ہردیپ بیٹھا نظر آ گیا۔ وہ بلکل الگ تھلگ ایک کونے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اسے دور سے دیکھا اور دیکھتے ہی پہچان گیا۔

گورا سفید رنگ کتابی چہرہ سلکی سنہرے بال اور موٹی موٹی ہلکی سبز آنکھیں وہ بہت خوبصورت تھا۔کرنل سندیپ سنگھ سچ کہتے تھے۔ ہردیپ کی معصومیت بہت کشش رکھتی تھی۔کوئی بھی شخص پہلی نظر میں ہی اس کی شخصیت کے سحر میں گم ہوسکتا تھا۔

''راضی! بہت پیارا لڑکا ہے۔۔۔۔بہت معصوم،تم ایک بار اسے دیکھو گے تو بس دیکھتے ہی رہ جاؤ گے۔تمہیں اسے محبت ہو جائے گی۔'' کرنل سندیپ سنگھ کی بات کا ایک ایک لفظ سچا تھا ۔میں نے ایک نظر دیکھا تو دیکھتا چلا گیا۔ میں بے اختیار اس کی طرف بڑھنے لگا۔

''راضی بھائی! کدھر۔۔۔۔؟ آرام سے بھائی وہ ممنوعہ علاقہ ہے۔'' سبحان نے مجھے بازو سے پکڑتے ہوئے کہا۔

''کیا ہوا۔۔۔۔؟ سبحان! میں بس ادھر بیٹھنے جا رہا تھا۔'' میں نے سوال کیا۔

''بھائی جی! وہ لڑکا دیپ ہے ہر دیپ سنگھ رندھاوا جتنا معصوم اور خوبصورت ہے۔اس سے لاکھ گناہ بڑا شیطان ہے۔سالا غدار گالی تو اس کی زبان پر ٹکی ہوتی ہے۔گالی کے سوا بات ہی نہیں کرتا اور لڑائی کے لئے بھی چوبیس گھنٹے تیار بیٹھا ہوتا ہے۔اسے تین مہینے ہوئے ہین یہاں آئے ہوئے اور سالا تین مہینوں میں تین سو بار لڑ چکا ہے۔'' سبحان مجھے دیپ کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگا۔

دیپ کو یہاں آئے ہوئے تین مہینے ہوئے تھے۔ان تین مہینوں میں واقعی کوئی تین سو بار لڑ چکا تھا۔ وہ پاکستان اور پاکستانیوں سے حد سے زیادہ نفرت کرتا تھا۔یہی نفرت اسے بار بار پاکستانیوں سے لڑاتی تھی ۔انڈین لڑکے چھڑاتے تھے سمجھاتے تھے کہ وہ انڈیا پاکستان کی لڑائی یہاں مت لایا کرے ملک سے باہر آتے ہی بیرونِ ملک میں پاکستانی اور انڈین اکھٹے ہو جاتے تھے لیکن وہ ہمارے ساتھ نہیں مل رہا تھا۔وہ باڈر کی لڑائی یہاں امریکہ میں لڑنا چاہتا تھا۔وہ انجینئر نگ کے دوسرے سال میں پڑھتا تھا۔اس نے دو سال انجینئر نگ کی تھی ۔اسے فیکٹری میں لگی تمام مشینوں کو نہ صرف چلانا آتا تھا بلکہ وہ ٹھیک بھی کر لیتا تھا۔

یہاں باقی تمام لڑکے دیہی علاقوں کے کم پڑھے لکھے لڑکے تھے۔جبکہ دیپ پڑھا لکھا لڑکا تھا۔ یہاں آنے کے ایک ہفتے بعد ہی اس نے فیکٹری کا انتظام سنبھال لیا تھا۔وہ یہاں سپروائیزر بن گیا تھا۔مالک اس کی تمام باتیں مانتا تھا۔وہ لڑکوں کی ڈیوٹی اور تنخواہ کا بھی حساب خود ہی کرتا تھا اور ذلیل بھی بہت کرتا تھا۔فیکٹری میں جو بھی لڑکا ہلکا کام کرتا یا لاپرواہی کرتا تو وہ کھلے عام گالیاں دیتا تھا۔مالک کا منظورِ نظر دیپ لڑکوں میں غدار شیطان کے نام سے مشہور تھا۔تمام لڑکے بلبیر سنگھ کو گالیاں دیتے تھے۔جو دیپ کو فیکٹری میں لے کر آیا تھا۔سبحان نے وہی کھڑے دیپ عرف غدار شیطان کی پوری بائیوگرافی بتا دی۔

''راضی بھائی! یہاں انڈین پاکستانی بنگالی سبھی بہت اچھے اور محبت کرنے والے لڑکے ہیں۔رچمنڈ شہر کے امریکی گورے بھی بہت اچھے ہیں لیکن یہ لڑکا اچھا نہیں ہے۔یہ پورا شیطان

ہے۔آپ سب سے دوستی اور گپ شپ کرو لیکن اسے چھوڑ دو۔اسے کوئی بھی بلانا پسند نہیں کرتا آپ بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔۔۔ یہ سالا ایسے ہی خوش رہتا ہے۔'' سبحان اسے گالیاں دینے لگا۔

''شکریہ بھائی! میں نے اس سے کونسا رشتہ داریاں بنانی ہیں میں تو صرف سلام کرنے جا رہا ہوں۔اب کیا وہ سلام لینے پر وہ جان سے تھوڑی مار دے گا۔۔۔؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور سبحان کے روکنے باوجود دیپ کے پاس چلا گیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

''ست سری اکال۔۔۔سردار جی! کی حال اے۔۔۔؟'' میں نے پنجابی میں اس کا حال پوچھا۔

اس نے نظر اٹھا کر ایک پل کے لئے میری طرف دیکھا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''چھوٹے بھائی! آپ کے گھر مہمان آیا ہوں۔۔۔آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔'' میں نے سلام کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''پاکستانی ہو۔۔۔۔؟'' اس نے سوال کیا۔

''جی جی۔۔۔۔میں آج ہی پاکستان سے آیا ہوں۔'' میرا ہاتھ ابھی تک سلام کے لئے اس کے سامنے پھیلا ہوا تھا۔

''اوہ۔۔۔۔پاکستانی بھائی! آپ کا پاکستان یہاں پر گند پھیلا رہا ہے۔تم بھی جاؤ اور اپنا حصہ ڈالو سالا جس کو دیکھو منہ اٹھا کر چلا آتا ہے۔''اس نے غصے سے لڑکوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور دوسری طرف منہ کر لیا۔

''ارے بھائی! گالی کیوں دیتے ہو۔۔۔۔؟'' میں نے شکوہ کیا۔

''اچھا۔۔۔۔تو کیا تمہاری پوجا کروں۔۔۔۔؟ چوہدری صاحب پاکستان سے آئے ہیں۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اوہ۔۔۔۔ بھائی! جاؤ میرا دماغ خراب مت رکرو ادھر جاؤ اپنے سالے پاکستانیوں کے پاس۔'' اُس نے میرے بولنے سے پہلے ہی غصے سے مجھے جانے کا کہا۔

میں کچھ دیر تک وہی کھڑا اسے دیکھتا رہا اور پھر واپس آ گیا۔

''بھائی! کرکٹ کھیلتے ہو۔۔۔۔؟'' ایک لڑکے نے مجھ سے پوچھا تو میں نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

لڑکے انڈین اور پاکستانی دو ٹیموں میں ہو کر میچ کھیلنے لگے۔ میری کھیلنے کی باری آئی تو میں نے پہلی تین گیندوں پر ہی چھکے لگا دیئے۔ چوتھی گیند پر میں نے سنگل بنایا اور دوسری طرف چلا گیا اگلے اوور میں مجھے پھر باری ملی تو اس بار میں جان بوجھ کر آرام سے کھیلنے لگا۔ میں نے ٹوٹل بیس گیندیں کھیل کر 35 سکور کیا اور آؤٹ ہو کر آ گیا۔ آپ پڑھنے والے دوستوں کو یہ بات عجیب لگے یا شاید اسے آپ جھوٹ سمجھیں ایسا نہیں ہے۔ میں آرمی کا ایک تربیت یافتہ کمانڈو تھا۔ میں نے دو سال کمانڈو ٹریننگ کی تھی دو سال کی ٹریننگ میں جہاں کمانڈو کا جسم لوہا بن جاتا ہے وہیں اس کا دماغ بھی ایک عام انسان سے تیز ہو جاتا ہے۔ سو 100 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار ہمارا دماغ دس 10 فیصد کم نوے 90 پر دکھاتا ہے۔

مطلب انتہائی تیز رفتار چیز بھی ہمیں سلو نظر آتی ہے اور ہمارا دماغ اس کے خلاف جلدی ری ایکشن کر جاتا ہے۔

اگر آپ نے اسے مزید آسان سمجھنا ہے تو ایک پنکھے کو ٹی وی کے آگے کر کے دیکھیں آپ کو پنکھے کے پر انتہائی آہستگی سے حرکت کرتے نظر آئیں گے۔ ایسا ہی ہمارے ساتھ ہوتا ہے اسی ٹریننگ کی وجہ سے ہی ہم خالی ہاتھ دس دس عام لوگوں سے بھی لڑ سکتے ہیں ہمارے وہ کمانڈوز جو مارشل آرٹ میں اپنی آخری انتہا کو چھو لیتے ہیں وہ گولی کو بھی اپنی طرف آتا ہوا بے آسانی خالی آنکھ سے دیکھ لیتے ہیں۔ فلموں میں تو اکثر بلکہ تمام ہیرو اس معیار کے ہوتے ہیں لیکن حقیقی زندگی میں ایسا کمانڈو لاکھوں کڑوروں میں ایک ہوتا ہے۔ جو اس لیول تک پہنچتا ہے۔

ہماری ایس ایس جی کمانڈو فورس میں صرف جنرل ندیم ہی اس معیار کے کمانڈو تھے۔وہ گولی سے بھی زیادہ تیز تھے۔میں نے انہیں سے ٹریننگ لی تھی۔میں اس لیول کا تو نہیں تھا لیکن بحرحال اُن کا شاگرد تھا اور میں نے بہت کچھ اُن سے سیکھا تھا۔سبحان نے میری نوکری کی بات فیکٹری میں کردی تھی۔دوسرے دن وہ مجھے اپنے ساتھ فیکٹری لے گیا تھا۔

''مسٹر رضوان علی گھمن! آپ انگلش بول لیتے ہیں۔۔۔۔؟ پہلے کسی فیکٹری میں کام کیا ہے۔۔۔۔؟'' فیکٹری کے مالک نے میرا پاسپورٹ دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی سر! میں نے انجینئرنگ کیا ہوا ہے۔انگلش کے ساتھ ساتھ جرمن، گریک اور اٹالین زبان بھی بولتا ہوں جبکہ ہسپانوی زبان نارمل سی سمجھ لیتا ہوں۔'' میں ان کو اپنے بارے میں بتانے لگا۔

میں نے انجینئرنگ تو نہیں کی تھی لیکن مجھے مشینری کا پتہ تھا۔میں نے کامرہ ایئر بیس اور واہ فیکٹری کے اندر کام کیا ہوا تھا۔یہ ہماری کمانڈو ترننگ کا حصہ تھا۔ہمیں ہر طرح کی مشینری کو سمجھنا اور ٹھیک کرنا اور چلانا سکھایا جاتا تھا۔جنرل ندیم کہا کرتے تھے۔

''بیٹا! اصلی کمانڈو وہ ہوتا ہے جو مشن کے دوران کسی کباڑ میں پڑی ہوئی کھٹارا گاڑی کو بھی جہاز بنا کر اسے اپنے مقصد میں استعمال کرسکتا ہو۔۔۔۔'' میں نے یہ سب کچھ سیکھا ہوا تھا میں تو فائیٹر طیارہ تک اڑا سکتا تھا۔

فیکٹری کے مالک کو میں یہ سب کچھ تو نہیں بتا سکتا تھا۔یہاں امریکہ میں کوئی فوجی کمانڈو نہیں تھا۔میں ایک نوجوان لڑکا تھا۔جو مزدوری کے لئے امریکہ آیا ہوا تھا۔میری اصلیت کے بارے میں یہاں کسی کو بھی نہیں پتہ تھا۔

''سر! میں بہت محنتی لڑکا ہوں میں بڑی تیزی سے کام سکتا ہوں آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' میں نے کن اکھیوں سے ساتھ کھڑے دیپ کی طرف دیکھا۔

وہ دل ہی دل میں پیچ وتاب کھا رہا تھا۔میں اس کے مقابلے پر آنے والا تھا۔مجھے انگلش بھی

آتی تھی۔ میں پیپر ورک بھی کر سکتا تھا اور انجینئر نگ کی وجہ سے میں مشینوں کو بھی دیکھ سکتا ہوں ۔فیکٹری کا مالک مجھ سے متاثر ہو گیا تھا۔اس نے دیپ سے کہا کہ وہ مجھے کسی مشین پر کھڑا کردے اور کام بھی سمجھا دے دیپ نے اثبات میں سر ہلایا اور مجھے لے کر دفتر سے باہر آ گیا۔وہ مجھے لیکر ایک مشین کے پاس آ گیا۔یہ مشین آنکھ میں ڈالنے ڈالنے والے ڈار پر پیک کر رہی تھی۔اصل میں یہ فیکٹری میڈیکل دوائیاں پرفیوم،صابن اور ٹوتھ پیسٹ وغیرہ پیک کرتی تھی۔ہم دوائی، پرفیوم یا پیسٹ وغیرہ کی فلنگ نہیں کرتے تھے۔فلنگ کوئی اور فیکٹری کرتی تھی۔

ہماری فیکٹری میں دوائی کی شیشیاں، پیکٹ ،دوائی کی پرچیاں سٹکر اور کارٹن آتے تھے ۔مشین کے اندر ہم پیکٹ اور پرچیاں رکھتے تھے۔مشین پیکٹ کو کھولتی تھی۔اس کے اندر پرچی ڈالتی تھی۔اس کے مشین کے پہیے پر چلتا ہوا پیکٹ ہمارے پاس آتا تھا۔ہم ایک ایک کر کے اس میں دوائی کی شیشیاں رکھتے تھے۔اس کے بعد مشین پیکٹ کو بند کرتی تھی اور لیزر کی مدد سے اس پر قیمت اور ایکسپائیری ڈیٹ پرنٹ کر کے پٹے سے باہر نکال دیتی تھی۔آگے دولڑ کے ان کو چیک کر کے بڑے کاٹن میں رکھتے تھے۔بیس یا پچیس پیکٹ ایک کارٹن میں آتے تھے۔کارٹن مکمل ہو کر ٹیپ کی مدد سے بند کر دیا جاتا تھا اور یہی کارٹن اگے میڈیکل سٹوروں دکانوں کو بھیجے جاتے تھے۔

فیکٹری فی پیکٹ کے حساب سے پیسے لیتی تھی جبکہ ہمیں گھنٹوں کے حساب سے ملتے تھے ۔دیپ نے مشین کو بند کر کے دولڑکوں کو دوسری طرف بھیج دیا اور مجھے شیشیاں ڈالنے والی جگہ پر کھڑا کر کے خود میرے ساتھ ڈراپر والی جگہ پر چلا گیا۔

" انجینئر صاحب! آپ کی یہاں انجینئر نگ کام نہیں آئے گی یہ بہت سخت مزدوری ہے۔۔۔۔آپ جیسے ممی ڈیڈی بچے یہاں چار دن بھی نہیں نکال پاتے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا اور مشین کی رفتار تیس سے چالیس کر دی رفتار کا مطلب کلو میٹر نہیں گھنٹہ ہے۔

چالیس کی رفتار مطلب یہ ہے کہ مشین ایک منٹ میں چالیس پیکٹ پٹے پر نکالے گی میرے سامنے پٹے (بیلٹ) پر ایک منٹ میں چالیس پیکٹ باہر آئیں گے اور میں نے ان میں

شیشیاں ڈالنی ہیں۔

’’چھوٹے بھائی ! کیوں چوبیس گھنٹے غصے میں رہتے ہو۔۔۔۔۔۔؟ خدا نے دیکھو کتنا خوبصورت آپ کو بنایا ہے پیار سے بات کیا کرو۔‘‘ میں نے ہلکے دھیمے لہجے میں کہا۔

’’اچھا۔۔۔۔ بہت خوبصورت ہوں پیار سے بات کروں گا تو کیا مجھے اپنی بہن کا رشتہ دے دو گے۔۔۔۔؟‘‘ اس نے غصے میں مجھے بہن کی گالی دیتے ہوئے کہا۔ ہمارے ساتھ مشین پر کھڑے دوسرے لڑکے غصے سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

’’ارے بھائی! میری تو کوئی بہن ہی نہیں ہے کیوں غصہ کر رہے ہو۔۔۔۔۔۔؟ ویسے پاکستان میں بہت ساری سکھ فیملیاں آباد ہیں آپ کا رشتہ باآسانی ہو جائے گا۔‘‘ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

’’پاکستان ۔۔۔۔ دہشت گرد پاکستان ۔۔۔۔ ہونہہ! میں دہشت گردوں کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہتا۔‘‘ وہ ایک بار پھر غصے سے بول رہا تھا۔ اس بار فیکٹری میں موجود لڑکے اب ہماری طرف دیکھنے لگے تھے۔

’’دیپ صاحب! ہمارا پاکستان گرونانک صاحب کی سرزمین ہے۔ یہ دھرتی کیسے دہشت گرد ہو سکتی ہے۔۔۔۔؟ جس دھرتی کو گرونانک صاحب نے کو عزت بخشی ہو وہ مقدس تو ہو سکتی ہے دہشت گرد نہیں۔‘‘ میں نے پُرجوش انداز میں کہا اور مشین کا بٹن آن کر دیا۔

چالیس کی رفتار سے پیکٹ میرے سامنے آ رہے تھے اور میں تیز رفتاری ان میں دوائی کے شیشیاں ڈال رہا تھا میرے ساتھ ساتھ دیپ بھی تیز رفتار سے ڈراپر ڈال رہا تھا۔ دیپ کی رفتار بھی بہت تیز تھی۔ مالک دفتر میں لگے شیشے سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ پانچ سات منٹ تک وہ خود بھی اٹھ کر آ گیا۔

’’گڈ ۔۔۔۔ ویری گڈ رضوان! تمہاری سپیڈ بہت اچھی ہے۔‘‘ اس نے شاباش دی اور ساتھ ہی مشین کی رفتار پچاس کر دی۔

مجھے کوئی فرق نہ پڑا تو اس نے رفتار اب ساٹھ کر دی۔یہ بہت زیادہ سپیڈ تھی۔عام لڑکے پچاس تک سنبھال لیتے تھے۔دیپ ساٹھ بھی سنبھال لیتا تھا۔لیکن باقی لڑکوں میں سے دو تین لڑکے ہی اتنی رفتا سنبھال سکتے تھے۔ان لڑکوں میں اب میں بھی شامل ہو گیا تھا۔مالک نے خوشی سے میرا کندھا تھپتھپایا اور جانے لگا۔

''سر! مشین ساٹھ سے اوپر بھی جاتی ہے۔۔۔۔۔۔؟ ایک بار پھر دیکھ تو لیں میں کتنا سنبھال سکتا ہوں۔۔۔۔۔؟'' میں نے مالک سے کہا تو وہ رک گیا اسن مشین کی رفتار ستر کر دی۔

دیپ سے اب ڈراپر مس ہونے لگے۔وہ دو پیکٹوں میں ڈراپر ڈالتا اور تیسرا خالی نکل جاتا۔مالک نے گنتی پر لگے ہوئے ایک لڑکے کو دیپ کے ساتھ کر دیا اب دو لڑکے ڈراپر ڈال رہے تھے تین چار منٹ چلنے کے بعد مالک نے سپیڈ اسی کر دی۔میں اسی پر بھی مشین کو پورا سنبھال رہا تھا۔میں ایک بھی پیکٹ خالی نہیں جانے دے رہا تھا۔مالک کی آنکھیں پھٹنے کے قریب چلی گئی تھیں اس نے زندگی میں کبھی اتنی رفتار نہیں دیکھی تھی کچھ دیر بعد اس نے رفتار پھر نوے کر دی اب مجھ سے بھی پیکٹ مس ہونے لگے گئے۔میں بھی اب ہر تین کے بعد ایک پیکٹ خالی چھوڑ رہا تھا۔

''گڈ جاب۔۔۔رضوان! اسی کی رفتار ایک ریکارڈ ہے تم واقعی بہت تیز ہو۔'' مالک نے مشین بند کر کے مجھے شاباش دی اور جیب سے دس ڈالر کا نوٹ نکال کر مجھے پکڑا دیا۔

''یہ میری طرف سے تمہارا انعام ہے اور تمہاری نوکری بھی پکی تین مہینے کا ویزہ ہے۔میں تمہارا کام کا کنٹریکٹ بھی بھر دیتا ہوں۔تمہیں باآسانی سال کا ورکنگ ویزہ مل جائے گا۔'' مالک نے مجھے اپنے ساتھ لیا اور دفتر میں آ گیا۔

آج سے اٹھارہ بیس سال پہلے امریکہ کا ورکنگ ویزہ حاصل کرنا آسان تھا۔کوئی بھی فیکٹری کا مالک کنٹریکٹ کر کے ورکنگ ویزہ دلوا سکتا تھا۔مجھے ویزہ تو نہیں چاہیے تھا میری چھٹی تین مہینے کی تھی۔اور میرا کام بھی تین مہینے میں ہی مکمل ہو جانا تھا۔میں نے کرنل سندیپ سے دیپ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔میں نے دیپ کو اس کے باپ کا پیغام دینا تھا اور پھر میرا کام ختم ہو جانا تھا میرا

اتنا ہی کام تھا۔ پاکستان سے میں یہی سوچ کر آیا تھا لیکن اوپر آسمان میں بیٹھا ہوا خدا میری قسمت میں کچھ اور لکھ رہا تھا میری تقدیر اب دیپ کے ساتھ لکھ دی گئی تھی۔

میں اس قوم کا دوسرا ہری سنگھ نلوا بننے جا رہا تھا۔ مجھے ویزے کی ضرورت نہیں تھی لیکن میں فیکٹری کے مالک کو یہ بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس لئے خاموشی سے اس کی بات سن رہا۔ اس نے دفتر میں کوئی دس منٹ تک بات کی اور پھر مجھے واپس بھیج دیا۔ سُپر وائزر کا کام دیپ کرتا تھا۔ اس نے مجھے مشین پر رکھنے کی بجائے دوسری طرف گنتی پر لگا دیا۔ یہ وٹامن سی کے پاوڈر کی پڑیاں تھیں ۔ہمیں تیس تیس پڑیاں گن کر پیکٹوں میں ڈالنی تھیں۔ وٹامن کی پڑیاں فیس ماسک کا پاوڈر اور مختلف شیمپو کے ساشے یہ کام بہت زیادہ تھا اور یہاں آدمیوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

یہاں بھی دو لڑکے پیکٹ بناتے تھے۔ باقی لڑکے گنتی کر کے پیکٹ میں ڈالتے تھے۔ آگے ایک لڑکا پیکٹ کو تولتا تھا اور وزن پورا ہونے پر اس میں پرچی ڈال کر بند کو دیتا تھا۔ گنتی کرنے والے لڑکوں سے کبھی کبھی غلطی ہو جاتی تھی۔ پیکٹ میں کبھی ایک پڑی (ساشے) زیادہ یا کم ہو جاتا تھا۔ وہ غلطی وزن میں نکل جاتی تھی۔ پیکٹ کا وزن کم ہوتا تو وزن والا لڑکا ایک ساشے ڈال دیتا اور زیادہ ہونے پر نکال لیتا تھا۔ اس کے بعد مشین کے بیلٹ پر پیکٹ رکھا جاتا جہاں سے لیزر کی مدد سے قیمت اور ایکسپائیری ڈیٹ پرنٹ ہوتی اور پھر بڑے کارٹنوں میں پیک کر دیا جاتا۔

یہ کام نسبتاً آسان تھا۔ جو لڑکے مشین پر تیز نہیں چل سکتے تھے۔ انہیں یہاں گنتی پر لگا دیا جاتا تھا۔ بعض اوقات مشین خراب ہو جاتی یا لڑکے زیادہ ہو جاتے تو بھی باقی لڑکے گنتی پر لگا دیے جاتے تھے۔ میں کھانے کے وقفے تک یہیں کام کرتا رہا اس کے دوبارہ ایک نئی مشین پر لگا دیا۔ اس بار آسان مشین تھی۔ یہ انجکشن کے ڈبے تھے جنھیں پلاسکٹ کور کیا جاتا تھا۔ میں ایک ساتھ ہی دس بارہ ڈبے اٹھا لیتا تھا اور اکھٹے بیلٹ پر رکھ دیتا تھا۔ مشین ایک ایک کر کے ڈبہ لیتی تھی اور پلاسکٹ کور چڑھا کر آگے بڑھا دیتی تھی۔ دیپ اس دوران دو بار دیکھنے کے لئے آیا سب کام ٹھیک چل رہا تھا ۔اس لئے وہ خاموشی سے دیکھ کر واپس چلا جاتا تھا۔ شام کو چار بجے چھٹی کے وقت میں نے دیپ

کو فیکٹری کے گیٹ پر ہی پکڑ لیا۔

''سردار جی! لگتا ہے ناراضگی ابھی بھی چل رہی ہے۔۔۔۔۔'' میں نے اسے بازو سے پکڑ کر پوچھا تو اس نے میرا گریبان پکڑ لیا۔

''راضی صاحب! اپنی اوقات میں رہو۔۔۔۔ مجھ سے فری ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''دیپ! تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو۔۔۔۔؟ اس بے چارے کو ابھی ایک دن بھی نہیں ہوا یہاں آئے ہوئے اور تم اس کا گریبان پکڑ رہے ہو۔'' بلبیر سنگھ جلدی سے آگے بڑھا اور دیپ سے میرا گریبان چھڑانے لگا۔

''میں لڑ رہا ہوں۔۔۔۔۔؟ یہ سالا خود ہی میرے منہ لگ رہا ہے سالے دہشت گرد منہ پر بڑے شریف لگتے ہیں لیکن پیٹھ میں چھرا گھونپتے ہیں اس نے غصے میں پھر گالی دی۔

''ارے یار! سب کو ایک نظر سے مت دیکھا کرو۔۔۔۔ تمہارے باپ کے ساتھ غلط ہوا ہے تو اس میں اس بیچارے کا کیا قصور ہے۔۔۔؟ تمہارا باپ تو خود ایک۔۔۔۔۔'' میں نے جلدی سے بلبیر کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے مزید بولنے سے منع کر دیا۔ مجھے دیپ کے چہرے پر درد اور بے بسی نظر آنے لگ گئی تھی۔

''بلبیر صاحب! میرا باپ غدار نہیں تھا۔۔۔۔۔'' اس نے چلاتے ہوئے کہا اور وہاں سے نکل گیا۔ وہ گھر آنے کی بجائے پارک میں چلا گیا تھا۔

''سوری یار! ابھی بچہ ہے جلدی غصہ کر جاتا ہے میں مافی مانگتا ہوں اس کی طرف سے آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا۔'' بلبیر مجھ سے معذرت کرنے لگا۔

دیپ یہاں فیکٹری میں ہم سب سے چھوٹا ہے وہ ابھی اٹھارہ سال کا ہوا تھا۔ اس کی داڑھی مونچھ بھی نہیں آئی تھی۔ وہ پتلے چہرے کے ساتھ کوئی سولہ سال کا بچہ لگتا تھا۔

''کوئی بات نہیں۔۔۔۔ بلبیر پاہ جی! میں کافی ڈھیٹ قسم کا آدمی ہوں۔'' میں نے

مسکراتے ہوئے جواب دیا۔اور دیپ کے پیچھے پیچھے پارک کی طرف جانے لگا۔

''سوری دیپ! میری وجہ سے تمہاری آنکھ میں آنسو آ گئے ہیں۔'' میں نے اس کی آنکھ میں آنے والے آنسوؤں کو دیکھ لیا تھا۔

وہ پارک میں اپنے مخصوص بینچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ پھر غصے سے لال ہو گیا اس نے پھر مجھے گریبان سے پکڑ لیا اور دوبارہ گالیاں دینے لگا۔

''ویسے تم مار بھی سکتے ہو۔۔۔۔اگر مجھے مارنے سے تمہارا دل ہلکا ہوتا ہے تو ضرور دو چار تھپڑ مار سکتے ہو۔'' میں نے سرگوشی کی اور اسی وقت ایک بھرپور تھپڑ میرے منہ پر لگا۔

اس کے پتلے پتلے نازک سے ہاتھ تھے۔ مجھے ان سے کیا ہونا تھا۔ میں اس کے سامنے مضبوطی سے کھڑا رہا۔

''گاندھی جی کہتے ہیں ایک تھپڑ کے بعد دوسری گال آگے کر دینی چاہیے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے اپنی دوسری گال آگے کی اور پھر ایک اور بھرپور تھپڑ کھا لیا۔ اس نے یکے بعد دیگرے کئی تھپڑ مارے جنھیں میں نے صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ وہ مارتے مارتے تھک کر زمین پر بیٹھ گیا۔

''دیپ! تمہارا باپ کرنل سندیپ سنگھ رندھاوا بہت بہادر انسان تھا۔۔۔۔۔اُن کی جھلک تمہارے چہرے میں بھی نظر آتی ہے۔'' میں نے نرمی سے اس گالوں کو چھوا اور اٹھ کر گھر آ گیا۔

میرے پیچھے وہ کافی دیر تک روتا رہا اگلے دن خلاف معمول اس نے مجھ سے الجھنے کی بجائے مجھے اگنور کیا۔ میں نے اسے دو تین بار بلانے کی کوشش کی لیکن وہ مجھے نظر انداز کرتا رہا شام کو چھٹی کے بعد وہ پارک میں گیا تو میں بھی اس کے پیچھے چلا گیا۔

''دیپ بھائی! کسی کو اس قوم کی طرح مت پہچانا کرو۔ کسی بھی قوم میں اچھے اور بُرے دونوں قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔'' میں اس کے پاس بینچ پر بیٹھ گیا۔

''صحیح کہتے ہو۔۔۔۔تمہاری قوم تو اچھی ہے لیکن تم سب سے اچھے نہیں ہو۔۔۔۔تم سب ہی دہشت گرد ہو۔میرا باپ تم لوگوں کی دہشت کا شکار ہوا ہے۔ایک معصوم سا فوجی آفیسر جسے تمہاری فوج مسقط سے اغوا کر کے لئے گئی۔اس پر غداری کا لیبل چپکایا اور مار دیا۔پتہ ہے قصور کیا تھا اس کا۔۔۔؟ کچھ نہیں۔تمہاری قوم کو ایک قربانی کا بکرا چاہیے تھا۔جس پر وہ الزام لگا کر ہندوستان کو بدنام کر سکتے۔'' وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''راضی صاحب! ہندوستان تو بدنام نہیں ہوا میرا باپ بدنام ہو گیا۔غدار باپ کا غدار بیٹا۔۔۔۔راضی صاحب! اس درد کو سمجھنا آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔'' وہ وہاں سے اٹھ کر گھر چلا گیا۔جبکہ میں وہیں بیٹھا رہ گیا۔

اگلے ایک مہینے تک ایسے ہی نوک جھوک چلتی رہی۔اس دوران میں نے فیکٹری میں اپنی جگہ پکی کر لی تھی۔مجھے پاکستان کا ویزہ بھی مل گیا تھا۔مالک مجھے دیپ کی جگہ سپروائیزر بنانا چاہتا تھا لیکن میں نے منع کر دیا۔دیپ کے سامنے میں نے سپروائیزری سے انکار کیا اور ساتھ ہی مالک کو بتا دیا کہ اس کی سُپروایئزری سے ہم خوش ہیں اگر اسے ہٹایا گیا تو ہم سب کام سے چھٹی کر جائیں گئے۔

''شکریہ راضی بھائی! آپ بہت اچھے انسان ہیں۔۔۔۔۔۔'' دیپ نے مسکراتے ہوئے میرا شکریہ ادا کیا۔

ہم اس وقت پارک کے اسی مخصوص بینچ پر بیٹھے ہوئے تھے۔دیپ ایک مہینے میں کافی بدل گیا تھا۔وہ اب لڑکوں کو گالیاں بھی نہیں دیتا تھا۔ایک مہینے کی مسلسل محنت کے بعد میں دیپ کو نارمل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

''شکریہ بھائی! آپ واقعی بہت اچھے انسان ہو۔۔۔۔۔بابا کی اچانک موت کی وجہ سے میں کافی اپ سیٹ ہو گیا تھا۔اسی وجہ سے میرا رویہ جارحانہ ہو گیا تھا۔'' اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''دیپ! آپ کے والد کرنل سندیپ سنگھ ''اکھنڈ بھارت'' کا خواب دیکھتے تھے۔وہ ہندوستان کی تاریخ میں امر ہونا چاہتے تھے۔'' میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''راضی!۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔یہ بات تم کیسے جانتے ہو؟ یہ۔۔۔۔یہ بات تو میرے والد صرف مجھ سے کہا کرتے تھے تم کیسے یہ جانتے ہو۔۔۔؟ کیا تم میرے باپ کو جانتے ہو؟'' وہ اٹک اٹک کر بول رہا تھا۔

اس کی نظریں میرے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں اور وہ میرے سامنے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''دیپ۔۔۔۔یار! وہ بہت بہادر انسان تھے۔میں نے اپنی زندگی میں ان سے زیادہ بہادر انسان نہیں دیکھا ہے۔'' میں نے اس کے گالوں کو نرمی سے چھوتے ہوئے کہا۔

''راضی! تم۔۔۔۔تم ان سے ملے ہو ناں ۔۔۔۔؟ کہاں ملے تھے مسقط میں ۔۔۔۔؟'' وہ غلط اندازا لگا رہا تھا۔

وہ مجھے مسقط سے آیا ہوا سمجھ رہا تھا۔میں آرمی آفیسر تھا۔اس کا تو وہم و گمان ہی نہیں تھا۔

''دیپ! تاریخ میں امر ہونے کی خواہش ان کے دل میں ہمیشہ سے تھی لیکن اپنی آخری عمر میں وہ بدل گئے تھے۔وہ محبِّ وطن تھے۔وہ اپنی جان قربان کرنا چاہتے تھے۔لیکن اپنی آخری عمر میں ان کا ملک بدل گیا۔وہ خالصتان کے لئے مرنا چاہتے تھے۔دیپ سنگھ رندھاوا! آپ کے والد ہندوستان کے لئے نہیں خالصتان کی تاریخ میں امر ہونا چاہتے تھے۔وہ خالصتان کے لئے اپنی جان دے کر سکھوں کی تاریخ میں امر ہو گئے ہیں۔'' میری باتیں سن کر اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے وہ ہچکیاں لے کر بے اختیار رونے لگا۔

میں اُسے اپنے سینے سے لگائے اس کی پیٹھ تھپتھپانے لگا۔مجھے اس چھوٹے سے معصوم لڑکے سے محبت ہونے لگی تھی۔

''راضی بھائی! خالصتان مجھے بھی اچھا لگتا تھا۔ہم سکھوں کا ایک علیحدہ ملک یہ خواہش میری بھی تھی اور شاید میرے بابا کی بھی تھی لیکن یہ خواب کبھی پورا نہیں ہو سکتا تھا۔خالصتان بننا ناممکن تھا

۔ہم نے (1984ء) چوراسی میں بھی یہ کوشش کر کے دیکھ لی تھی۔اس میں سوائے قتل وغارات اور خون خرابے کے کچھ نہیں ہے۔'' دوسرے دن چھٹی تھی اور ہم دونوں صبح صبح ہی پارک آ گئے تھے۔

''راضی بھائی! آزادی سب کا خواب ہوتی ہے لیکن یہ سب کی قسمت میں نہیں ہوتا۔'' وہ دور آسمان میں اڑتے ہوئے آزاد پرندوں کو دیکھ رہا تھا۔

اس کے سفید چہرے پر نمکین آنسوؤں کے قطرے جھلملا رہے تھے میں نے آج اُسے اس کے والد کی تمام کہانی سنادی تھی۔

''راضی بھائی! ایک آزاد سکھ سلطنت کا خواب ہم سب دیکھتے ہیں۔ میں بھی دیکھتا ہوں ۔۔۔۔۔اپنے باپ کی طرح لڑنا بھی چاہتا ہوں لیکن یہ جنگ ہم جیت نہیں سکتے۔ ہندوستان بہت طاقتور ہے ہماری قسمت میں شاید غلامی ہی لکھی ہوئی ہے۔'' وہ ابھی تک دور آسمان میں دیکھ رہا تھا۔

آسمان میں اُڑنے والے پرندے اب اُوپر شمال کی طرف جاتے ہوئے ہماری نظروں سے اُوجھل ہو رہے ہیں۔

''دیپ! مہاراجہ رنجیت سنگھ کو جانتے ہو۔۔۔۔۔؟'' میں نے اس سے سوال کیا تو وہ خاموشی سے میری طرف دیکھنے لگا۔

میں نے غلط سوال کیا تھا مہاراجہ رنجیت سنگھ کو پوری سکھ قوم جانتی تھی۔

''چھوٹے سردار جی! پنجاب دھرتی کا یہ سپوت صرف 13 ہزار سکھ فوج کے ساتھ لاہور آیا تھا۔ان تیرہ ہزار سکھوں کی فوج نے افغان درانیوں کو لاہور سے بھگا دیا تھا۔ یہ وہی مہاراجہ رنجیت سنگھ ہے جو لاہور صرف چالیس ہزار کی مسلمان اور سکھ فوج کے ساتھ پوری افغان ایمپائر (AFGHAN EMPIRE) کے ساتھ لڑ گیا تھا۔اس دور میں افغان درانی سلطنت روس سے لے کر دلی تک پھیلی ہوئی تھی۔مہاراجہ رنجیت سنگھ ایک طرف ان سے لڑ رہا تھا اور دوسری طرف انگریز تھے جو آدھی دنیا تک پھیلے ہوئے تھے۔ یہ سکھوں کی تاریخ ہے صرف چالیس ہزار کی فوج کے

ساتھ سکھوں نے چین (تبت) سے لے کر افغانستان اور اُوپر کشمیر سے لے کر بہاول پور تک حکو مت کی ہے۔

ایک ساٹھ ہزار (1,60,000) مربع کلومیٹر رقبے کی اس سکھ سلطنت کی آبادی ایک کروڑ بیس لاکھ تھی ۔آپ کی قوم اپنی تاریخ بھول گئی ہے ۔وہ یاد کرلو۔۔۔۔خالصتان بھی بن جائے گا ۔میں نے پیار سے اس کا کندھا تھپتھپایا اور گھر آ گئے۔

گھر آ کر میں نے اس کے والد کرنل سندیپ سنگھ کی ریکاڈ کی ہوئی تمام وڈیوز اس کے حوالے کر دیں۔سارے لڑ کے کرکٹ کھیلنے چلے گئے تھے۔اس نے وڈیوزسی ڈی پلییئر میں لگائیں اور ہم دونوں دیکھنے لگے۔ یہ تمام وڈیوز دس ڈی وی ڈی میں تھیں اور تقریباً سو سے ایک سو دس گھنٹے پر مشتمل تھیں ۔ہم دونوں رات کے بارہ بجے تک مسلسل یہی وڈیوز دیکھتے رہے ۔دوسرے دن دیپ نے فیکٹری سے چھٹی کر لی ۔وہ گلے ایک ہفتے تک مسلسل فیکٹری سے چھٹی کر کے یہ وڈیوز دیکھتا اور سوچا رہتا۔ میں اس کی حالت دیکھ کر دن بدن پریشان ہوتا رہا تھا۔

وہ چوبیس گھنٹے چپ چاپ گم سم رہتا تھا۔اس نے لڑکوں سے بات کرنا بالکل بند کر دی تھی ۔وہ اپنی مذہبی کتاب گرو گرنتھ صاحب کا بھی مطالعہ کر رہا تھا اس نے گرو گوبندھ صاحب کی تعلیمات بھی پڑھنی شروع کر دی تھی۔ میں اپنے آپ کو قصوروار ٹھہرا تھا۔ میں اس کو برین واشنگ سمجھتا تھا لیکن وہ برین واشنگ نہیں تھی یہ اصل تھی ۔برین واشنگ تو اکھنڈ بھارت کے نام پر ہندوستان کر رہا تھا۔

''راضی بھائی! آزاد فضاؤں کا خواب دیکھنا سب کا حق ہے۔'' وہ اکثر مجھ سے کہا کرتا تھا۔

''راضی بھائی! آپ انٹیلی جنس ایجنسی میں کیپٹن رینک کے آفیسر ہو۔۔۔۔۔۔۔؟''

فیکٹری سے چھٹی کرنے کے بعد وہ مجھے دریائے جیمز پر لے کر آ گیا تھا۔ یہ دریا بنسلی گاؤں کے مشرق کی طرف دو کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ہم گھر سے پیدل آدھے گھنٹے میں دریا پر پہنچ جاتے تھے ۔715 سات سو پندرہ کلومیٹر لمبا ہر دریا ریاست ورجینیا کا پہلا اور امریکہ کا بارھواں 12 بڑا

دریا ہے۔ 715 کلومیٹر دریائے جیمز پر ورجینیا ریاست نے دس بڑے ڈیم بناتے ہوتے ہیں ۔جو ریاست کو بجلی اور آب پاشی کے لئے پانی مہیا کرتا ہے۔دریائے جیمز کے مقابلے میں ہمارے دریائے سندھ کی لمبائی (3180) تین ہزار کلومیٹر ہے اور اس پر کتنے ڈیم ہیں۔(میرے قارئین کو شاید زیادہ پتہ ہوگا۔اس لئے میں کچھ نہیں لکھوں گا۔میں صرف اتنا عرض کروں گا۔کہ امریکہ اور یورپ کو گالیاں دینے سے پہلے ان مما لک کی تھوڑی معلومات بھی پڑھ لیجئے۔امید ہے آپ پھر کبھی ان مما لک کو گالیاں نہیں دیں گے۔)

''راضی بھائی! آپ خفیہ ایجنسی کے آفیسر ہو آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں۔۔۔۔'' میں اس کی بات سن کر ایک جھٹکے سے رک گیا ہم دونوں دریائے جیمز کے کنارے کنارے چل رہے تھے۔

''دیپ! تم کیا کہہ رہے ہو۔۔۔۔؟ مجھے تمہاری بات کی سمجھ نہیں آئی ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

مجھے اس کی پوری سمجھ آ گئی تھی لیکن میں پھر بھی انجان بن رہا تھا دل میں ایک موہوم سی امید تھی۔شاید میں نے غلط سنا ہے۔دیپ بھی اسی راستے کا مسافر بنے جا رہا تھا۔جس راستے پر اس کا والد شہید ہو گیا تھا۔وہ راستہ صحیح تھا لیکن اس راستے پر سوائے موت کے اور کچھ نہیں تھا۔وہ راستہ سیدھا موت کی طرف جاتا تھا اور میں دیپ کو مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''راضی! میں خالصتان تحریک کو پھر سے زندہ کرنا چاہتا ہوں۔میں لڑنا چاہتا ہوں تمہاری ایجنسی ہماری مدد کر سکتی ہے۔۔۔۔'' اس بار اس نے واضع الفاظ میں کہا۔اس کی ہلکی سبز آنکھیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''نہیں۔۔۔نہیں یہ نہیں ہو سکتا یہ اتنا آسان نہیں ہے۔یہ بہت خطرناک ہے۔'' میں فوراً انکار کرنے لگا۔

''راضی! مجھے لگا تم میرے بھائی ہو۔۔۔۔؟ میں اپنے بھائی سے مدد مانگ رہا تھا۔'' وہ

افسوس بھرے لہجے میں سر ہلانے لگا۔

''دیپ! بھائی ہوں اسی لئے انکار کر رہا ہوں۔تمہیں ان یجنسیوں کا اندازہ نہیں ہے ۔یہ۔۔۔۔۔یہ عفریت ہوتی ہیں جو پورے کے پورے لشکر کھا جاتی ہیں۔میں نے تمہارے باپ کو مرتے دیکھا ہے۔اب تمہیں مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔'' میں نے بے اختیار اُسے گلے سے لگاتے ہو کہا۔

''راضی بھائی! مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا عادی ہوں۔'' وہ پُر جوش لہجے میں بول رہا تھا۔

''دیپ صاحب! یہ کوئی فلم نہیں ہے اور نہ تم کوئی ہیرو ہو۔۔۔۔۔یہ زندگی ہے یہاں سب کچھ ویسا نہیں ہوگا جو تم سوچتے ہو۔خالصتان کا خواب ہے لیکن اس کی تعبیر ناممکن ہے۔تم کبھی بھی ہندوستان کو ہرا کر اس جنگ کو جیت نہیں سکتے۔چھوڑو یہ سب کچھ آرام سے اپنی انجینئرنگ پوری کرو۔بڑا بھائی ہوں اسی لئے آرام سے سمجھا رہا ہوں اور تمہاری تعلیم کا خرچہ بھی برداشت کروں گا ۔کالج میں داخلہ لو اور پڑھو۔جس جنگ کو ہم جیت ہی نہیں سکتے اسے لڑنا سوائے بے وقوفی کے اور کچھ نہیں ہے۔'' میں نے اسے نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

''صحیح کہتے ہو بھائی! جس جنگ کو جیتنا ناممکن ہو اسے لڑنا بے وقوفی ہوتا ہے۔بے وقوفی صحیح کہتے ہو۔۔۔۔۔لیکن وہ جنگیں اور ہوتی ہیں یہ ہماری بقاء کی جنگ ہے راضی صاحب! مذہب کے نام پر لڑی جانے والی جنگیں کبھی جیتنے کے لئے نہیں لڑی جاتیں۔یہ قوم کے لئے لڑی جاتی ہیں ۔یہ جنگ سکھ قوم کے نام کی جنگ ہے اس نام پر میری جان قربان ہو جائے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی۔۔۔۔۔؟'' اس نے پیار سے میرے گالوں کو تھپتھپایا اور واپس گھر کی طرف مُڑ گیا ۔

وہ مجھ سے عمر میں سات سال چھوٹا تھا میں ستر 70 کلو کے قریب ورزشی جسم کا مالک تھا جبکہ میرے مقابلے میں وہ پچاس کلو کا سنگل پسلی لڑکا تھا۔میرے مقابلے میں وہ بالکل بچہ تھا لیکن آج

جس انداز میں اس نے میرے گالوں کو چھو کر جواب دیا تھا مجھے اپنا آپ اس چھوٹا نظر آ رہا تھا۔ مجھے اس کے اندر ایک بڑے لیڈر کی جھلک نظر آنے لگی تھی۔ میں وہیں دریا کے کنارے کھڑا اسے گھر کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

دوسرے دن وہ فیکٹری جانے کی بجائے دارلحکومت واشنگٹن ڈی سی چلا گیا۔ وہ کمرے میں بتائے بغیر چلا گیا تھا میں نے اُسے گھر میں نہ دیکھا تو پارک میں چلا گیا۔ وہ وہاں بھی نہیں تھا میں کچھ دیر تک اُسے وہیں تلاش کرتا رہا اور پھر واپس فیکٹری آ گیا۔ میں نے فیکٹری میں بھی لڑکوں سے پوچھا لیکن کسی کو بھی نہیں پتہ تھا کہ وہ کہاں چلا گیا ہے۔ اُس زمانے میں موبائل فون اتنے عام نہیں ہوتے تھے۔ میرے پاس موبائل فون تھا لیکن اس نے ابھی تک موبائل نہیں لیا۔ میں فیکٹری میں ہی اس کا انتظار کرنے لگا۔ دوپہر کے کھانے وقفے کے دوران میں ایک چکر گھر کا بھی لگا کر آ گیا کہ شاید وہ گھر آ گیا ہو لیکن وہ واپس نہیں آیا تھا۔ مجھے اس کے متعلق اطلاع کوئی تین بجے کے قریب ملی۔ میں ایک مشین پر کام کر رہا تھا جب فیکٹری کا مالک مجھے بلا کر دفتر لے آیا اس کے دفتر میں ٹی وی لگا ہوا تھا اور دیپ ٹی وی میں آ رہا تھا۔

پنجابی شلوار قمیض میں ملبوس سر پر سکھ مذہب کی نشانی قیصری رنگ کی پگ ماتھے پر سرخ رنگ کا لمبا ٹیکا اور ہاتھ خالصتان کا جھنڈا پکڑے وہ خالصتان کے نعرے لگا رہا تھا۔ وہ اس وقت واشنگٹن میں وائٹ ہاؤس کے سامنے کھڑا تھا اُس کے پیچھے چالیس پچاس کے قریب سکھ سردار اور کوئی ہزار سے اُوپر دوسرے لوگ بھی موجود تھے۔ اُس نے وائٹ ہاؤس کے سامنے کھڑے ہو کر خالصتان کا نعرہ لگا دیا تھا۔ وہ صبح چھ بجے اُدھر پہنچ گیا تھا لوگ ایک ایک کر کے اُس کے پیچھے کھڑے ہونے لگے۔ پانچ چھ گھنٹوں تک عوام کی تعداد بڑھنا شروع ہوئی تو وہاں میڈیا بھی پہنچ گیا۔ یہ وائٹ ہاؤس تھا دنیا کا مرکز ایک ٹی وی چینل نے خبر چلائی تو پورا انٹرنیشنل میڈیا وہاں پہنچ گیا۔ وہ انجینئرنگ کا سٹوڈنٹ تھا اس کی انگلش ہائی کلاس تھی اور اُسے تقریر کا فن بھی آتا تھا۔ انٹرنیشنل میڈیا کے سامنے اُس نے خالصتان اور سکھوں کی آزادی کی بات کی تو دنیا چینل تبدیل کرنا بھول گئی۔

''آزادی سب کا حق ہے۔مسلمان آزاد ہیں،عیسائی آزاد ہیں،بدھ مت،ہندو سب آزاد ہیں یہودیوں کا بھی اپنا الگ آزاد ملک ہے تو پھر ہم سکھوں کا کیوں نہیں۔۔۔۔۔۔؟ دوسو سے زائد آزاد ملک دس دس ہزار کی آبادی یہاں آزاد اور خود مختار ملک بنا کر بیٹھی ہوئی ہے لیکن ہم دنیا کا پانچواں بڑا مذہب غلامی کی زندگی گزار رہا ہے۔آزادی سب کا حق ہے تو ہم کیوں غلام ہیں۔۔۔۔؟'' ٹی وی پر اس کی درد بھری آواز گونج رہی تھی۔

''میں خالصتان تحریک کے لئے اپنی آواز اُٹھا رہا ہوں۔یہ آواز پہلے میرے باپ نے بلند کی تھی انہیں شہید کر دیا گیا اب میں اُٹھا رہا ہوں یہ مجھے بھی مار دیں گے لیکن اس آواز کو نہیں دبا سکیں گے۔میرے بعد کوئی اور آجائے گا۔ہم تین کروڑ سکھ ہیں یہ کس کس کی آواز بند کریں گے۔۔۔۔۔۔؟'' وہ پُر جوش انداز میں بول رہا تھا۔

''اوہ۔۔۔۔۔مائی گاڈ! یہ لڑکا تو۔۔۔۔۔۔'' میرے منہ سے صرف اتنا ہی نکلا اور میں جلدی سے دفتر سے باہر آ گیا۔

''راضی! کدھر جا رہے ہو۔۔۔۔؟'' فیکٹری مالک مجھے پیچھے سے پکارنے لگا لیکن میں اُس کی بات ان سنی کرتے ہوئے فیکٹری سے باہر نکل گیا۔

گھر آ کر جلدی سے میں نے کپڑے تبدیل کیے اور واشنگٹن جانے کی بس پکڑ لی۔میں چھ بجے کے قریب وائٹ ہاؤس پہنچا تو وہ ابھی تک وہیں کھڑا احتجاج کر رہا تھا۔وہاں عوام کی تعداد دس ہزار کے قریب پہنچ چکی تھی اُن میں کافی تعداد میں پاکستانی اور انڈین بھی موجود تھے۔دیپ میں تقریر کرنے کی قدرتی صلاحیت تھی۔اُس کی آواز میں ایک کڑک تھی۔خدا نے اسے صورت شکل بھی اچھی دی تھی وہ بالکل معصوم سا لڑکا نظر آتا تھا جو سامنے والے کو اپنی بات سے متاثر کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا تھا۔

میں جو انٹیلی جنس کا ایک حساس ترین آفیسر تھا میں دنیا کے انتہائی خطرناک ترین ٹاپ ایجنٹوں میں سے ایک تھا۔دیپ کی شخصیت نے مجھے متاثر کر دیا تھا۔تو باقی تو عام لوگ تھے۔میں

مسلمان تھا میرا ملک میرا مذہب میرا کچھ بھی دیپ سے نہیں ملتا تھا لیکن پھر بھی اس کی شخصیت کے سحر میں گرفتار ہو گیا تھا۔ میں غیر ہو کر یہ سب کچھ کر رہا تھا تو جو اس کے اپنے تھے۔ وہ تو اس پر جان دینے پر تل رہے تھے۔ وہ صبح سے لیکر شام تک مسلسل بولا تھا۔ اردو، ہندی، پنجابی، انگلش اس نے سبھی زبانوں میں خالصتان کا پیغام دیا تھا۔ اس دن پوری دنیا کے میڈیا نے اسے لائیو دکھایا تھا۔

چار زبانوں میں دیا گیا اس کا پیغام 400 زبانوں میں ترجمہ ہوا تھا وہ خالصتان جو انڈیا، پاکستان، امریکہ، کینڈہ اور کچھ یورپی مما لک سے آگے نہیں گیا تھا اسے ایک دن میں ہی پوری دنیا تک دیپ نے پہنچا دیا تھا۔ میں وائٹ ہاؤس پہنچا تو وہ لوگوں کے ایک جم غضیر کے سامنے کھڑا تقریر کر رہا تھا۔ دیپ وائٹ ہاؤس کے پارک میں بنے ایک اونچے چبوترے پر کھڑا تھا۔ چبوتر کے سامنے پہنچنے میں آدھا گھنٹہ لگ گیا میں لوگوں کو دھکے مار مار کر آگے بڑھ رہا تھا چبوتر کے سامنے میڈیا کے کیمرے اور پولیس والے کھڑے تھے۔ میں آگے بڑھنے لگا تو پولیس والوں نے مجھے روک لیا وہ کسی کو بھی آگے دیپ تک نہیں جانے دے رہے رہے تھے۔

پولیس والے دیپ کو روک یا گرفتار نہیں کر سکتے تھے یہ امریکی قانون کے خلاف تھا یہاں سبھی کو احتجاج کرنے کا حق حاصل تھا۔ چبوترے تک جانے کی کوشش کرتے ہوئے پولیس والے مجھے روکنے لگے تو میں ان سے الجھنے لگا میں سٹیج کے بالکل سامنے پولیس والوں سے لڑ رہا تھا۔ دیپ نے مجھے اوپر سے دیکھ تو اس نے تقریر کرنا بند کی اور میرے پاس آ گیا۔

''راضی صاحب! لڑائی طاقت سے نہیں جذبے سے لڑی جاتی ہے۔ ہم گروگھو بند صاحب کا نام لینے والے سکھ سردار ہیں۔ گروگھو بند صاحب۔۔۔۔ ایک بار تاریخ پڑھ لینا ہم جب کھڑے ہو جاتے ہیں تو پھر دشمن ایک ہو یا ایک لاکھ ہم کبھی بھی پیچھے نہیں ہٹتے۔۔۔۔۔'' میں نے اس کا بازو پکڑا اور ہجوم سے باہر لے جانے لگا تبھی پولیس والوں نے ہمیں روک لیا۔

''سوری مسٹر دیپ سنگھ! سکیورٹی وجوہات کی بنا پر ہمیں آپ کو حراست میں لینا ہو گا۔۔۔۔۔ آپ ہمارے ساتھ پولیس سٹیشن چل رہے ہیں۔'' پولیس والوں نے جلدی سے اسے

گاڑی میں بیٹھایا اور وہاں سے نکل گئے میں ساتھ جانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ اسے اکیلے ہی لیکر گئے یہاں میرے علاوہ اور بھی درجنوں لوگ تھے۔ جو دیپ کے ساتھ ملنا چاہتے تھے۔ میں ادھر سے ناکام ہونے کے بعد پارک سے باہر آیا اور قریبی پولیس سٹیشن چلا گیا میں نے وہاں سے دیپ کا پتہ کیا لیکن وہ ادھر نہیں آیا تھا۔ میں نے پولیس سٹیشن سے معلومات لینے کی کوشش کی لیکن انہوں نے کوئی بھی خبر دینے سے انکار کر دیا۔ میں وہاں سے باہر نکلا اور وائٹ ہاؤس کی دوسری طرف ایک اور پولیس سٹیشن پر آ گیا دیپ یہاں بھی نہیں تھا۔ میں نے یکے بعد دیگر واشنگٹن کے پانچ پولیس سٹیشنوں پر گیا لیکن مجھے کہیں سے بھی کامیابی نہ ملی پانچویں پولیس سٹیشن پر ایک سکھ پولیس والے نے میری مدد کی۔ اس پولیس والے نے مجھے بتایا کہ دیپ کو پولیس سٹیشن کی بجائے ہوم لینڈ سکیورٹی کے آفس میں رکھا گیا ہے۔

اس نے مجھے آفس کا پتہ بھی دیا اور میں اس کا شکریہ ادا کر کے ہوم لینڈ سکیورٹی آفس آ گیا ۔ یہاں کا منظر میرے لئے کسی سرپرائیز سے کم نہیں تھا۔ آفس کے اندر چالیس پچاس کے قریب مقامی (امریکن) سکھ سردار دیپ سے ملنے اور اس کی ضمانت کروانے آئے ہوئے تھے۔ یہ سب امریکی نیشنل (شہری) تھے۔ اُن میں وکیل بھی تھے اور مقامی بزنس مین بھی مجھے سب سے زیادہ حیرانی امریکی سینٹر سردار بلراج سنگھ کو دیکھ کر ہو رہی تھی۔ امریکہ میں صدر کے بعد سینٹر کا رتبہ سب سے اوپر ہوتا ہے۔ یہ ووٹ لیکر منتخب ہوتے ہیں (یعنی عوامی نمائیدے ہوتے ہیں) اور امریکی کانگر س کا حصہ ہوتے ہیں۔

امریکہ میں ہونے والی تمام قانون سازی اور فیصلے یہی سینٹرز اپنی رائے شماری سے کرتے ہیں۔ سردار بلراج سنگھ امریکی سینٹر تھے ان کا یہاں دیپ کے لئے آنا کسی قیامت سے نہیں لگ رہا تھا۔ مجھے خطرے کی گھنٹی نظر آنا شروع ہو گئی تھی۔ مجھے محسوس ہو گیا تھا دیپ کو خالصتان تحریک کے لئے کسی نئے چہرے کی تلاش تھی سردار بلراج سنگھ کو یہاں دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گیا کہ اب خالصتان تحریک کے لئے دیپ منتخب ہونے والا تھا۔ اپنے گرو گھوبند صاحب کی مثال دینے والے اس

لڑکے نے ایک دن میں ہی کمال کر دیا تھا۔

’’ست سری اکال۔۔۔۔۔ پاہ جی! میں راضی ہوں۔۔۔۔دیپ کے ساتھ فیکٹری میں کام کرتا ہوں۔‘‘ میں نے سردار بلراج سنگھ کو دونوں ہاتھ باندھ کر سلام کیا اور اپنا تعارف کروانے لگا۔

’’اوہ۔۔۔۔رضوان صاحب! آپ کے بارے میں مجھے دیپ نے بتایا تھا میری ابھی اس سے بات ہوئی ہے۔چلو! میں تمہاری بھی بات کرواتا ہوں۔‘‘ وہ مجھے لیکر اندر بلڈنگ میں چلے گئے۔

وہ سینئر تھے اس لئے کوئی بھی سیکورٹی گارڈ انہیں نہیں روک رہا تھا۔وہ مجھے لیکر ایک چھوٹے سے دفتر میں آ گئے۔یہاں دیپ بیٹھا ہوا تھا۔

’’شکر ہے یار! تم مل گئے۔۔۔۔۔صبح سے پریشان ہو رہا ہوں۔‘‘ میں نے اگے بڑھ کر اسے گلے سے لگایا۔اور اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

’’راضی! اب پریشان ہونا چھوڑ دو۔۔۔۔۔اب پریشان ہونے کی باری ہماری نہیں ہندوستان کی ہے۔‘‘ وہ میرا کندھا تھپتھپانے لگا تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

’’دیپ! یہ کیا بے وقوفی ہے۔۔۔۔؟ تم نے صبح سے تماشہ لگا کر رکھا ہوا ہے۔‘‘ میں سخت لہجے میں اس کو سرزنش کرنے لگا۔

’’کونسا تماشہ۔۔۔۔؟ بچے! تم ہماری جدوجہد کو تماشہ کہہ رہے ہو۔۔۔۔؟‘‘ سینئر بلراج سنگھ میری بات سن کر غصہ کرنے لگا۔

’’سوری پاہ جی! میری بات بُری لگی ہو۔۔۔میں یہ بات دیپ کو سمجھا رہا ہوں یہ ابھی بچہ ہے اسے زمانے کے گرم سرد کا پتہ نہیں ہے۔‘‘ میں نے فوراً معذرت کی اور دیپ کا ہاتھ پکڑ کر پیار سے سہلانے لگا۔

’’راضی! میں بڑا بھائی مانتا ہوں آپ کو میں چاہتا ہوں تم میرا ساتھ دو تمہاری ایجنسی ہمارا

ساتھ دے۔۔۔۔آزادی انشاءاللہ ہمیں ضرور ملے گی۔'' وہ دھیمے مگر پُر اعتماد لہجے میں بول رہا تھا۔

''دیپ! پلیز۔۔۔۔خدا کے لئے تم ۔۔۔۔۔۔تم ابھی بہت چھوٹے ہو۔تمہیں ان ایجنسیوں کی لڑائی کا پتہ نہیں یقین کرو یار تم ۔۔۔۔۔۔۔تم بہت چھوٹے ہوتم یہ لڑائی نہیں لڑسکو گے۔تم ۔۔۔۔۔تم ایک دن بھی نہیں نکال سکو گے۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھامے رو رہا تھا ۔دنیا کی نمبرون ایجنسی کا نمبرون ایجنٹ ایک چھوٹے سے لڑکے سامنے رو رہا تھا۔

''پاہ جی! آپ اس کی ضمانت کروا دیں۔میں اسے لیکر واپس چلا جاؤں گا۔۔۔۔۔۔۔ ابھی بھی حالات زیادہ خراب نہیں ہوئے ہیں۔'' میں نے سینٹر سے درخواست کرتے ہوئے کہا۔

''راضی! تم واپس پاکستان چلے جاؤ یہ ہماری جنگ ہے اور ہم اسے لڑنا بھی جانتے ہیں۔'' اس نے اپنا ہاتھ چھڑوایا اور سردار بلراج کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا۔

''اسلام ُعلیکم۔۔۔۔سر! کیپٹن راضی بول رہا ہوں۔'' میں نے جیب سے موبائل نکالا اور جنرل ندیم سے بات کرنے لگا۔

''راضی! میں صبح سے ٹی وی پر خالصتان کی خبریں ہی سن رہا ہوں میری ابھی وزیرِ عظیم اور آرمی چیف سے میٹنگ ہوئی ہے۔پاکستانی حکومت کسی بھی قسم کی کوئی سپورٹ اس لڑکے کی نہیں کرے گی۔۔۔۔۔'' میرے بولنے سے پہلے ہی جنرل ندیم نے صاف انکار کر دیا۔

''ہماری پاکستان سے بڑی امیدیں واسطہ ہیں آپ کو ہماری مدد کرنی چاہیے۔۔۔۔۔'' دیپ نے براہِ راست جنرل ندیم سے بات کرتے ہوئے کہا۔

موبائل کا لاؤڈ سپیکر چونکہ آن تھا۔اس لئے اسے جنرل ندیم کی آواز آ رہی تھی وہ سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

''بچے! تم بہت بہادر ہو بالکل اپنے باپ کی طرح بہادر اور نڈر ہو لیکن بحر حال یہ ناممکن ہے اس میں سوائے تباہی اور بربادی کے اور کچھ نہیں ہے۔ہماری حکومت ایسے کسی بھی ایڈوانچر میں

حصہ نہیں لے گی ہم نہیں چاہتے کہ یہ خونی ایڈوانچر ہو اور اس میں معصوم سکھوں کی جان جائے۔''
جنرل ندیم پیارا سے سے سمجھانے کی کوشش کرتے رہے لیکن دیپ کا ارادہ اٹل تھا۔

اسے اب کوئی بھی روک نہیں سکتا تھا۔میں بھی کافی دیر تک جنرل ندیم کو منانے کی کوشش کرتا رہا لیکن وہ اپنی بات پر بضد تھے۔

''کیپٹن راضی! پاکستان ایک ذمہ دار ملک ہے۔ہم نے اقوامِ متحدہ کو جواب دینا ہوتا ہے ۔ہم کسی بچے کے پیچھے لگ کر دوایٹمی ملکوں کو لڑا نہیں سکتے۔۔۔۔یہ کوئی مذاق نہیں ہے تم ابھی اور اسی وقت پہلی دستیاب فلائیٹ سے واپس پاکستان آجاؤ یہ میرا آرڈر ہے۔'' جنرل ندیم نے دو ٹوک لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔

''دیپ! چھوڑ دو یار! چھوڑ دو۔۔۔۔یہ سب کچھ یہ ناممکن ہے۔'' میں بے بسی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیپٹن رضوان علی گھمن۔۔۔۔۔کپتان صاحب! مسلمان ہو ناں۔۔۔۔آپ کو ایک سکھ کے درد کا کیسے احساس ہوگا۔۔۔۔؟ آزاد ہو غلامی کا درد کیسے جان سکتے ہو؟ راضی صاحب! 'بندے ماترم' میں وہ مزا کہاں جو ''اکو او مکار'' میں ہے۔صبح صبح سکول کی اسمبلیوں میں خالصتان کا کیسری رنگ کا جھنڈا لہرا رہا ہوں۔گرونانک صاحب کی تصویر لگی ہوئی ہو اور سامنے سکول کے سینکڑوں معصوم بچے اپنی توتلی زبانوں سے اکو او مکار کا ورد کر رہے ہوں۔یہ ہمارا خواب ہے اور اس خواب کے لئے میں کیا تین کڑور سکھ بھی قربان ہونے کے لئے تیار ہیں۔'' اس نے پیار سے میری گالوں کو تھپتھپایا اور مجھے کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کرنے لگا۔میں نے دوبارہ جنرل ندیم کو فون ملایا۔

''جنرل صاحب! میں آرمی سے استعفیٰ دے رہا ہوں۔۔۔۔۔آج سے میرا جینا مرنا سب ہردیپ سنگھ رندھاوا کے پیچھے خالصتان کے لئے ہوگا۔ست نام شری واہے گروجی کا خالصہ شری واہے گروجی کی فتح۔'' میں نے گرو کی فتح بلائی اور فون بند کر دیا۔

''ہر دیپ سنگھ جی! اٹھارویں صدی میں مسلمان مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ ملے تھے اور انہوں نے افغانستان کو اپنی دھرتی سے بھگا دیا تھا۔آج یہ مسلمان تمہارے لشکر میں آیا ہے اور انشااللہ ہم ہندوستان کو پنجابی دھرتی سے نکال کر رہے گے۔امرتسر کی گلیوں میں نانک شاہی اور سکولوں میں اکواومکار کی آواز ضرور گھونجے گی۔'' میں نے موبائل ٹیبل پر رکھا اور ہر دیپ کو فوجی انداز میں سلیوٹ کرنے لگا۔

''انشاءاللہ راضی! خالصتان کا خواب ایک دن ضرور پورا ہوگا۔۔۔ہم رہیں نہ رہیں ہمارا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔اس نے واپسی مجھے فوجی انداز میں سلیوٹ کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس کے پیچھے پیچھے سینٹر بلراج سنگھ بھی چلے گئے۔انہوں نے دیپ کی ضمانت کروائی اور ہمیں لیکر اپنے گھر آ گئے ہم نے رات وہیں سینٹر صاحب کے بنگلے میں ہی گزاری۔دوسرے دن انہوں نے دیپ کے لئے پرس کانفرنس کا اہتمام کروایا۔یہ پرس کانفرنس دس بجے قریب شروع ہوئی اور مسلسل شام چھ بجے تک چلتی رہی میں پرس کانفرس کے دوران وہیں موجود تھا۔دیپ صبح دس بجے سے شام چھ بجے تک مسلسل صحافیوں کے جوابات دیتا رہا وہ صحافیوں کے انتہائی چبھتے ہوئے اور غیر ضروری سوالات کے جواب بھی خندہ پیشانی سے دے رہا تھا۔پچاس سے زائد صحافیوں کو وہ اکیلا لڑ کا سنبھال رہا تھا۔میں دیپ کی شخصیت سے متاثر ضرور تھا لیکن اس کی خداداد صلاحیتوں کا بھی مجھے پہلی بار اندازہ ہوا تھا۔خدا نے اسے ایک لیڈر ایک رہنما کی تمام خصوصیات عطا کی ہوئی تھیں۔وہ لگاتار بولتا تھا اور بولتا چلا جاتا تھا۔

''دنیا آج مجھے موت سے ڈراتی ہے۔مجھے ایٹمی جنگ کی ہولنا کیوں سے ڈراتی ہے۔۔۔؟ارے! ڈرنا مجھے نہیں اس دنیا کو چاہیے دنیا کی پانچویں بڑے مذہب کو آپ کیسے غلام بنا کر امن اور سکون کی بات کر سکتے ہو۔۔۔؟ ہم تین کڑور سکھوں نے تو سر پر کفن باندھ لیا ہے اب آپ بھی باندھ لیجئے۔خالصتان ہوگا تو دنیا کے دوسو آزاد ملک ہوں گے۔ورنہ کچھ نہیں ہوگا۔رہے نام اللہ کا واہے گرو جی کا خالصہ واہے گرو جی فتح۔'' اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر سلام کیا اور پرس

کانفرس ختم ہوگئی۔

دیپ کل کی طرح آج بھی انٹرنیشنل میڈیا پر چھایا ہوا تھا۔اس نے آج آخر میں واضح الفاظ میں جنگ کی دھمکی دے دی تھی ۔اس نے ایٹمی جنگ کی دھمکی دی تھی ۔ یہ غلط تھا اس نے جوش جذبات میں ایک غلط بات کر دی تھی ۔اس کی آخری دھمکی آمیز بات میڈیا میں لائیونشر ہوئی اور ایک بار پھراس کی گررفتاری کے آرڈر جاری ہو گئے پولیس نے اسے گررفتار کیا اوراس بار CIA کے ہیڈ کواٹر منتقل کر دیا گیا۔اس باراس کے ساتھ ساتھ مجھے بھی گررفتار کرلیا گیا۔ہم دونوں کوا کھٹے ایک ہی سیل میں رکھا گیا دو دن تک ہمیں وہاں رکھا گیا اس دوران ہم سے کسی نے بھی کوئی رابطہ یا بات نہیں کی ۔ پہریدار خاموشی سے کھانا دیتے اور چلے جاتے ۔

’’راضی بھائی! یہ کیا کریں گے اب۔۔۔؟ کیا مجھ پر عدالت میں مقدمہ چلے گا۔۔۔۔؟‘‘ دیپ دوسرے دن مجھ سے پوچھنے لگا وہ آگے کے حالات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

’’نہیں دیپ! یہ عدالت کا معاملہ نہیں ہے یہ سی آئی اے ہے(CIA) اُن کا طریقہ مختلف ہوتا ہے۔‘‘

’’کونسا طریقہ کار۔۔۔؟‘‘ دیپ میری بات سن کرالجھ گیا۔

’’یہ لوگ پلان بنا رہے ہیں (CIA) پلان بنا رہی کہ کیسے وہ تمہیں اپنے مقصد کے لئے استعمال کرسکتی ہے۔۔۔۔؟ یہ لوگ اب تمہیں انڈیا کے خلاف استعمال کریں گے۔ بھائی! یہ دنیا بڑی ظالم ہے یہ سیاست بڑی ظالم چیز ہے یہ لوگ تمہارے نام سے انڈیا کو ڈرائیں گے اور پھر اُن سے مراعات حاصل کریں گے۔امریکی منصوعات کے لئے انڈین مارکیٹ حاصل کریں گے انڈین بیوروکرسی میں اپنے مطلب کے آفیسر لگوائیں گے اور بدلے میں پھر تمہیں ماردیں گے یہ لوگ تمہیں استعمال کر کے خالصتان تحریک کو اوپر لیکر جائیں گے انڈیا کو بلیک میل کریں گے اور پھر اپنا مطلب پورا ہونے کے بعد خالصتان تحریک اور تم کو ختم کر دیں گے یہی ہوتا ہے دنیا میں تمہارے اور میرے جیسے عام لوگ ان ایجنسیوں سے نہیں لڑ سکتے یہ ملکوں سے بھی زیادہ طاقت ور

ہوتی ہیں۔'' میں نے سلاخوں کی دوسری طرف کھڑے پہریدار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ سادہ کپڑوں میں ملبوس بظاہر لاپروہ مگر پوری طرح چوکنا کھڑا ہوا تھا۔ہمیں ایک ہفتے تک مسلسل یہاں بغیر کسی پوچھ گچھ کے رکھا گیا ایک ہفتے تک ہم مختلف اندازے لگاتے اور رد کرتے رہے آخر ایک ہفتے کے بعد ہمیں وہاں سے نکالا گیا اور انکوائیری روم میں منتقل کردایا گیا۔تفتیشی کمرے میں ایک لمبی میز کے گرد پانچ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ سبھی سیاہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس سی آئی اے (CIA) کے آفیسر تھے اور سبھی کی عمریں چالیس سال سے اوپر تھیں۔ان میں سے ایک بھی چالیس سے کم عمر نہیں تھا۔ پہردار ہمیں وہاں چھوڑ کر چلے گئے۔

''کیپٹن اضوان علی گھمن! آپ پاکستان آرمی کے حاضر سروس آفیسر ہیں۔آٹھ سال کی آرمی سروس میں چار سال آپ نے آئی ایس آئی (ISI) اور دو سال انٹیلی جنس میں گزارے ہیں جبکہ دو سال کی ملٹری ٹرننگ کی ہے کیا میں صحیح کہہ رہا ہوں۔۔۔۔؟'' ایک آفیسر نے اپنے سامنے رکھے کاغذ کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

میں نے اس سوال پر اثبات میں سر ہلا دیا

''اور آپ کو اچھی کارگردی پر تین بار صدارتی ایواڈ سے بھی نوازہ جا چکا ہے۔آپ صدارتی ایوڈ یافتہ ایجنٹ ہیں۔'' اسی افیسر نے دوبارہ سوال کیا تو میں نے پھر اثبات میں سر ہلا کر اس کی تصدیق کردی۔

''اچھا تو کیپٹن راضی صاحب! آپ یہاں کیوں ہیں۔۔۔۔؟ پاکستان گورنمنٹ نے ہر دیپ سنگھ اور کی خالصتان تحریک سے مکمل لاتعلیمی کا اعلان کیا ہے۔یہ اعلان پاکستانی دفتر خارجہ کی طرف سے کیا گیا تھا۔کیا پاکستان یا انٹیلی جنس ایجنسی خیفہ طور پر ہر دیپ سنگھ کی مدد کر رہی ہے۔۔۔۔۔۔؟'' اس نے پھر سے سوال کیا۔اس بار میں نے انکار کردیا۔

''اچھا۔۔۔اگر مدد نہیں کر رہی تو آپ یہاں اس کے ساتھ کیوں ہو۔۔۔۔؟ پاکستانی ٹاپ سیکرٹ ایجنٹ اس کے ساتھ کیوں ہے اور پچھلے ایک ہفتے سے آپ کے چیف جنرل ندیم

کیوں سی آئی اے(CIA) فون کررہے ہیں۔۔۔۔۔؟'' ایک دوسرے افسر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''مسٹر گھمن صاحب! آپ کی انٹیلی جنس نے ہمارے پانچ ایجنٹ ایک ہفتے میں پکڑ لے ہیں جنرل ندیم آپ کی رہائی کی بارگیننگ کررہے ہیں۔وہ آپ کے بدلے میں ہمارے ایجنٹ چھوڑیں گے۔'' اسی افسر نے اپنی بات مکمل کی اور میری طرف دیکھنے لگا۔

''سر! مجھے اس بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے۔۔۔۔میں پچھلے ایک ہفتے سے ادھر سی آئی اے (CIA) کی تحویل میں ہوں۔۔۔میں نے آرمی سے استعفیٰ دے دیا ہے اور اب بلکل مکمل طور پر خالصتان تحریک اور ہر دیپ سنگھ کے ساتھ ہوں۔میں اکیلا ہوں میرے پیچھے اور کوئی نہیں ہے ۔۔۔۔'' میں نے ایک ایک الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا اور خاموش ہو گیا۔

''چلیں !کوئی بات نہیں آہستہ آہستہ پتہ چل جائے گا کہ آپ خالصتان کے ساتھ ہو یا پاکستان کے ساتھ۔۔۔۔۔'' افسر کی بات سیدھی آ کر میرے دل پر لگی۔

اس بات نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔پاکستان اور خالصتان اگر ان دونوں میں سے مجھے کسی ایک کو چننا پڑ گیا تو میں کس کو چنوں گا۔۔۔؟میں نے بے اختیار نظر اٹھا کر ساتھ بیٹھے دیپ کی طرف دیکھا۔

''راضی بھائی!ایسا موقع کبھی نہیں آئے گا اور اگر کبھی آیا بھی تو یقین کرو یہ دیپ سنگھ تمہارے ساتھ پاکستان پر قربان ہونے میں کبھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔پاکستان اور خالصتان پر بات آئی تو تمہارا بھائی تمہارے ملک پر مر مٹے گا۔'' دیپ نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا ۔اس نے میرے دل کی بات سمجھ لی تھی۔

''میرا ملک مہاراجہ صاحب!میرا ملک تو اب خالصتان ہے۔میرا جینا مرنا تو اب صرف اور صرف خالصتان کے لئے ہی ہوگا۔'' میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا اور سامنے بیٹھے سی آئی اے(CIA) آفیسرز کی طرف دیکھنے لگا۔

''مسٹر ہردیپ سنگھ !ہماری حکومت نے آپ کی خالصتان تحریک کے معاملے میں غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔یونائیٹڈ سٹیٹ آف امریکہ USA میں آزادی اظہار پر کوئی پابندی نہیں ہے۔آپ کی تنظیم غیر عسکری جدوجہد کرتی رہے تو اس پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔''

''ٹھیک ہے اگر ہماری تنظیم پر کوئی پابندی نہیں ہے تو پھر مجھے یہاں کیوں رکھا ہوا ہے ۔۔۔۔۔؟ جب آزادی اظہار کوئی جرم نہیں ہے تو پھر آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' دیپ نے آفیسر کی بات درمیان سے کاٹتے ہوئے کہا اس کی آواز میں وہی روایتی کھنک اور اعتماد تھا۔

''سر! ہم یہاں آپ کے ساتھ ڈیل کرنے آئے ہیں۔۔۔۔۔سی آئی اے(CIA) خالصتان کی تحریکِ آزادی کے ساتھ ہے۔ہم خالصتان کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے خفیہ مدد بھی کریں گے۔''

''سی آئی اے(CIA) ہماری کیسے مدد کرے گی۔۔۔۔۔؟ آپ کیا کر سکتے ہیں ہمارے لئے؟'' دیپ نے ایک بار پھر سے درمیان سے ٹوکتے ہوئے سوال کیا۔

''سر ہم آپ کو مکمل فول پروف سکیورٹی دیں گے۔ہم آپ کے تمام پروگرام سیٹ کریں گے اور آپ کو نیشنل اور انٹرنیشنل میڈیا پر لائیں گے۔آپ کی آواز دنیا کے کونے کونے تک پہنچتی رہے گی اس کے علاوہ ہم مالی امداد بھی کریں گے۔خالصتان تحریک کا تمام بجٹ ہماری ایجنسی بنائے گی ۔آپ کو پیسے کی کمی نہیں ہوگی۔'' وہ آفیسر اب بات مکمل کر کے خاموش ہوگیا۔پانچوں افسر اب دیپ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''بدلے میں ہمیں کیا کرنا پڑے گا۔۔۔۔۔؟ مطلب یہ تمام سہولیات لینے کی قیمت کیا ہوگی۔۔۔۔۔؟ ظاہر ہے آپ یہ سب کچھ فری میں تو نہیں کریں گے۔'' دیپ نے قدرے طنزیہ انداز میں کہا۔

''سر قیمت کچھ نہیں ہے۔۔۔۔۔۔آپ کو صرف ہمارے ساتھ تعاون کرنا ہوگا اور کچھ بھی ہم سے چھپانا نہیں ہوگا۔ہم ایک دوسرے پر اعتماد کریں گے تو ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔''

ایک افسر نے مختصر جواب دیا۔

''ہمیں آپ کی شرائط منظور نہیں ہیں ہم سی آئی اے(CIA) کی مدد کے بغیر ہی اپنی پُر امن جدوجہد جاری رکھ سکتے ہیں۔'' میں نے دیپ کے بولنے سے پہلے ہی انکار کر دیا۔

مجھے ایجنسی کی ذہنیت کا پتہ تھا وہ صرف دیپ کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ مجھے معلوم تھا سی آئی اے(CIA) دیپ کو دو تین سال اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتی اور پھر مروا دیتی۔ یہ ایسے ہی کرتے تھے انہیں کسی سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

''سر! آپ کا بہت شکریہ۔۔۔۔۔لیکن بحر حال ہم یہ جدوجہد سی آئی اے(CIA) کی مدد کے بغیر ہی کریں گے ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں انکار کر رہا تھا دیپ نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے روکا اور سامنے بیٹھے افسران سے بات کرنے لگا۔

''سر! ہماری ایجنسی اگلے سو سال کا دیکھتی ہے اگر ہماری مدد سے خالصتان آزاد ہو جائے گا تو مستقبل میں وہ امریکہ کا ایک دوست ملک ہوگا۔۔۔۔'' ایک نسبتاً بڑی عمر کے افسر نے سنجیدگی سے کہا۔

''ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔۔۔۔۔ میں آپ کے ساتھ مل کر کام کرنے پر تیار ہوں۔'' دیپ نے اسی افسر کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

میں دیپ کو روکنے لگا اسے سمجھانے کی کوشش کرتا رہا لیکن اس نے میری بات ماننے کی بجائے ان سے ہاتھ ملا لیا۔اسی دن سی آئی اے(CIA) نے دیپ کو رہا کر دیا۔دارلحکومت کے میئر نے پریس کانفرنس کے ذریعے بیان دے دیا کہ ان کی شہری حکومت کسی بھی پُر امن احتجاج کو نہیں روکے گی۔دیپ کو واشنگٹن میں مکمل فری ہینڈ دے دیا گیا۔ایجنسی نے اسے سیف ہاؤس بھی دے دیا اور سکیورٹی پیسہ بھی مل گیا۔وہ اب ہر دوسرے ٹی وی چینل پر بیٹھا خالصتان کی بات کر رہا تھا ۔ایجنسی اس کے پیچھے تھی۔ان کے پاس پیسہ طاقت اور اقتدار سب کچھ تھا۔اگلے ایک سال میں ہی خالصتان تحریک ایک طاقتور ترین تنظیم بن چکی تھی۔

دیپ نے اس کے لئے بہت محنت کی تھی۔ وہ بیس بیس گھنٹے کام کرتا تھا۔ پڑھتا تھا نوٹس تیار کرتا تھا۔ تقریریں میڈیا پر بیان اس کے علاوہ خالصتان تحریک کی تشکیل اس کی تنظیم سازی ممبران سے ملاقات فنڈ نگ وہ سب کچھ کرتا تھا۔ میں اس کا فیصلہ غلط سمجھتا تھا لیکن میں خود ہی غلط تھا۔ اس کا فیصلہ بالکل صحیح تھا۔ اس نے خالصتان تحریک کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا تھا۔ یہ تحریک اب پنجاب کے اندر ضلع کارروائیاں بھی کرنے لگ گئی تھی۔

پنجاب کے اندر حالات اب خراب ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ہندوستان اب نیچے گرنا شروع ہو گیا تھا۔ کشمیر اور پنجاب کے علاوہ اب ساؤتھ انڈیا اور اوپر شمال میں بھی حالت خراب ہونا شروع ہو گئے تھے۔ انڈین وزیراعظم نے پچھلے ایک مہینے میں امریکہ کے تین چکر لگا لیتے تھے۔ امریکہ اور انڈیا دونوں قریب آنا شروع ہو گئے تھے۔ انڈیا اور امریکی مصنوعات پر ڈیوٹی ٹیکس بھی کم ہونا شروع ہو گیا تھا۔

''دیپ! حالات اب خراب ہو رہے ہیں تمہاری جان کو خطرہ ہے۔۔۔۔۔۔'' میں پریشانی کے عالم میں کہہ رہا تھا وہ آفس میں سر جھکائے کچھ کاغذات کا مطالعہ کر رہا تھا۔

''راضی بھائی! مجھے معلوم ہے سی آئی اے والوں نے مجھ پر جتنا خرچہ کیا ہے وہ اب اسے کیش کروانے والے ہیں۔'' وہ مجھے لیکر بنگلے سے باہر آ گیا۔

ہم دونوں پیدل چلتے ہوئے پوٹومیک (POTOMAC) دریا پر آ گئے۔ یہ دریا پوٹومیک دارلحکومت واشنگٹن کو ورجینیا ریاست سے الگ کرتا تھا۔

''راضی بھائی! مجھے حالات کا علم ہے ایجنسی کے اندر مجھے مارنے کی پلاننگ ہو رہی ہے۔'' میں اس کی بات سن کر حیران رہ گیا۔ وہ بالکل پرسکون انداز میں اپنی موت کی بات کر رہا تھا۔

''تو اب کیا کر رہے ہیں۔۔۔۔۔؟ ہمیں جلد سے جلد ادھر سے نکل جانا چاہتے۔'' میں پریشان ہو رہا تھا۔

''ارے۔۔۔۔ کپتان صاحب! کیوں پریشان ہو رہے ہو۔۔۔۔۔؟ آپ کا بھائی اتنا

آسان شکار نہیں ہے۔میری موت کی خواہش کرنے والے خود مٹی میں مل جائیں گے۔'' وہ پُر اعتماد لہجے بول رہا تھا۔

''میں نے ایک سال میں سی آئی اے کے اندر اپنا بھی ایک نیٹ ورک بنالیا ہے جو مجھے اندر کی ایک ایک بات بتا دیتے ہیں۔میں پچھلے ایک سال سے کام کر رہا ہوں میں نے عیاشی نہیں کام کیا ہے۔مجھے معلوم تھا سی آئی اے والے مجھے برائیلر مرغی سمجھ کر خوراک دے رہے ہیں وہ مرغی کی طرح مجھے ہٹا کٹا کر رہے تھے تاکہ میں زیادہ سے زیادہ منافع دے سکوں یہ میں پہلے دن سے جانتا تھا اور اسی لئے ڈبل نیٹ ورک بنا رہا تھا۔آج میں جتنا پردے کے سامنے ہوں اس سے زیادہ پردے کے پیچھے ہوں۔راضی صاحب! میرے پاس اس وقت ایک لاکھ سے زائد سکھ جانثار ہیں جو میرے ایک اشارے پر ابھی اپنی جان دے سکتے ہیں۔''

یہ بات میں جانتا تھا ہر دیپ کے پاس لاکھوں کارکن موجود تھے۔جو اس کے ایک اشارے پر کچھ بھی کر سکتے تھے۔میں نے قرونِ وسطی کی فلموں میں ایسے جانثار سپاہی دیکھتے تھے جو بادشاہ کے اشارے پر اپنا گلہ بھی کاٹ لیتے تھے۔دیپ کے پاس بھی ایسے جانثاروں کی فوج تھی جو واقعی اس کے اشارے پر اپنا گلہ کاٹ سکتے تھے۔

''اچھا اب زیادہ حیران مت ہوں۔۔۔۔۔ہمیں ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔''اس نے مذاق سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مجھے لے کر آگے بڑھ گیا۔

ہم دونوں دریا کے کنارے کنارے کوئی دس منٹ تک چلتے رہے۔آگے ایک سفید رنگ کی وین کھڑی تھی اس نے وین کا پچھلے والا دروازہ کھٹکھٹایا اور اسے کھول کر ہم دونوں اندر چلے گئے۔وین اندر سے کسی لیباٹری کی طرح نظر آ رہی تھی۔اس کے اندر لاتعداد مشینیں لگی ہوئی تھیں۔اندر وین میں تین آدمی تھے جن میں دو سردار اور ایک امریکی تھا۔

''ست سری اکال! کیا پوزیشن ہے۔۔۔۔۔؟'' اس نے اندر بیٹھے لوگوں کے سلام کا جواب دیا اور پوچھنے لگا۔

''پاہ جی! ہماری تیاریاں مکمل ہیں لیفٹیننٹ جنرل آدیش کمار کل صبح دہلی سے پٹھان کوٹ (PATHAN KOT) جائیں گے۔ وہ شام چار بجے تک وہاں کور ہیڈ کواٹر میں رہیں گے اور پھر آگے جموں کی طرف نکل جائیں گے۔ انہوں نے پٹھان کوٹ میں ہی اینٹی ٹیریرسٹ سکاڈ کے ٹریننگ سینٹر کا بھی دورہ کرنا ہے یہ ٹریننگ سینٹر کور ہیڈ کواٹر کے اندر ہی بنا ہوا ہے۔ جہاں آٹھ سو کے قریب پولیس کمانڈوز کو تربیت دی جا رہی ہے کل ان کی پاسنگ آوٹ پریڈ ہے۔ وہ اس تقریب کے مہمان خصوصی ہیں۔'' ان دو سرداروں میں سے ایک سردار نے بریفنگ کے انداز میں جنرل آدیش کمار کے دورے کی تفصیلات بتائیں۔

جنرل آدیش کمار ساٹھ سال کے قریب عمر کے لیفٹیننٹ جنرل تھے۔ یہ را کے چیف تھے اور انہوں نے دیپ کے والد کرنل سندیپ سنگھ کو مروایا تھا۔ پنجاب میں ابھرتی ہوئی خالصتان تحریک کو دیکھتے ہوئے جنرل آدیش نے ہی پولیس کا اینٹی ٹریرسٹ سکاڈ بنایا تھا۔ جنرل آدیش پنجاب کے اندر آپریشن کرنا چاہتا تھا تا کہ خالصتان تحریک جو کہ پنجاب میں پھر سے سر اٹھا چکی تھی وہ ختم ہو جائے۔ جنرل آدیش اپنی فوجی سروس کے آخری سالوں میں تھا۔ وہ کوئی بڑا کارنامہ انجام دینا چاہتا تھا تا کہ ہندوستانی لوگ اسے ایک ہیرو کی طرح یاد رکھ سکیں وہ آخری سالوں میں ہیرو بننا چاہتا تھا۔

''پاہ جی! ہماری تیاریاں بالکل مکمل ہیں ہم نے بہت سادہ پلان بنایا ہوا ہے۔ جنرل آدیش کل مارا جائے گا۔۔۔۔'' اس بار دوسرے سردار نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

وہ چالیس سے پینتالیس سال کی عمر کا تھا لیکن دیپ کو پاہ جی کہہ رہا تھا۔ ایک اٹھارہ سال کا چھوٹا سا بچہ جب کسی پینتالیس سال کے آدمی سے بڑا ہو جائے تو کامیابی بھی ملنا شروع ہو جاتی ہے دیپ لوگوں کی محبت اور عقیدت جیت چکا تھا۔ ستر ستر سال کے سردار بھی اسے پاہ جی کہہ کر بلاتے تھے۔

''راضی بھائی! پریشان مت ہوں اس وین کے اندر ایسی مشینری لگی ہوئی جو کسی بھی قسم کے ٹرانسمیٹر کو بند کر دیتی ہے۔ میرے جسم میں سی آئی اے نے ٹرانسمیٹر لگائے ہوئے ہیں وہ میری

لوکیشن اور باتیں سنتے ہیں۔لیکن اس وین میں ہونے والی گفتگوریکا ڈنہیں ہوسکتی۔'' اس نے مجھے تسلی دی ان لوگوں کومزید احکامات دیے اور ہم گھر واپس آ گئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

انڈیا کے دارلحکومت نیو دہلی میں لیفٹینینٹ جنرل آدیش کمار صبح سات بجے کے قریب اٹھے نہا دھو کر ناشتہ کیا اور وردی پہن کر تیار ہوئے اور ٹی وی آن کر کے خبریں دیکھنے لگے ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔تینوں بچے آرمی میں ہی تھے۔بڑا بیٹا میجر، چھوٹا بیٹا کیپٹن جبکہ بیٹی بھی کیپٹن رینک پر تھی۔وہ آرمی میڈیکل کور میں ڈاکٹر تھی۔ان کی بیٹی تو ادھر دلی میں ہی ملٹری ہسپتال میں ڈیوٹی دیتی تھی جبکہ بیٹے دارلحکومت دلی سے باہر ہوتے تھے۔ایک بیٹا آسام میں تھا جبکہ دوسرا بیٹا راجستان میں ڈیوٹی دے رہا تھا۔جنرل آدیش کی بیوی دوسال پہلے فوت ہوگئی تھی۔وہ گھر میں اپنی بیٹی کے ساتھ ہوتا تھا۔

''جے ہند سر! گاڑی آ گئی ہے۔۔۔۔۔'' ٹھیک آٹھ بجے ایک اردلی نے آکر اسے سلیوٹ کرتے ہوئے اطلاع دی۔

''ٹھیک ہے۔۔۔۔میں آ رہا ہوں۔'' جنرل نے اسے واپس بھیجا اور ٹی وی بند کر کے اٹھ کھڑا ہوا اس نے ایک چکر اپنی بیٹی کے کمرے کا لگایا۔وہ ابھی تک سو رہی تھی۔اس نے ایک نظر بیٹی کو دیکھا اور باہر آ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

''سر! سیدھا ائیر پورٹ کی طرف جانا ہے یا ہیڈ کواٹر بھی جانا ہے۔۔۔۔؟'' ڈرائیور نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں سیدھا ائیر پورٹ ہی چلو۔۔۔۔۔میں چار بجے سے پہلے پٹھان کورٹ کی پاسنگ آؤٹ پریڈ ختم کر کے سری نگر جانا چاہتا ہوں دو تین گھنٹے کا وہاں کام ہوگا میں آج رات ہی واپس دلی بھی آنا چاہتا ہوں کل میری وزیراعظم صاحب سے بھی میٹنگ ہے۔'' اُس نے ڈرائیور کو ائیر پورٹ جانے کا حکم دیا تو ڈرائیور نے یس سر کہہ کر سر ہلایا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

؎ آرمی ائیر پورٹ دلی کینٹ کے اندر ہی بنا ہوا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا ہوائی اڈا تھا جہاں چھوٹے فوجی طیارے اترتے اور پرواز کرتے تھے۔ یہ ائیرفورس کی بجائے ایوی ایشن کے فوکر طیارے ہوتے ہیں جو زیادہ تر فوجی افسروں کے استعمال کے لئے ہوتے ہیں۔ ڈرائیور ملٹری ہوائی اڈے پر جیپ لے گیا۔ وہاں سے جنرل ادیش ایک فوکر طیارے میں بیٹھے اور پٹھان کوٹ کی طرف پرواز کر گئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سکھویندر سنگھ کی عمر بیس (20) سال کے قریب تھی وہ سترہ (17) سال کی عمر میں پولیس میں بھرتی ہوا تھا۔ پولیس ٹریننگ کے بعد اس نے دو سال امرتسر میں ہرمیندر صاحب گولڈن ٹیمپل میں ڈیوٹی دی تھی۔ وہ ایک عام سکھ نوجوان تھا۔ اُس کے والد پولیس میں حوالدار تھے انہیں کی کوششوں سے سکھویندر سنگھ (سکھا) پولیس میں سپاہی بھرتی ہو گیا تھا۔ ہرمیندر صاحب میں دو سال ڈیوٹی کے دوران وہ مذہب کے بہت قریب آ گیا تھا وہ سکھوں کے لئے ایک آزاد ملک خالصتان کا حامی تھا۔ سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے وہ اس کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ دیپ سنگھ رندھاوا کے آنے سے خالصتان تحریک نے زور پکڑ لیا تھا۔ پنجاب میں لوگ اب دیپ کو اپنا لیڈر مان رہے تھے۔ سکھا بھی دیپ کا بہت بڑا فین تھا۔ جنرل ادیش کمار نے اینٹی ٹیررسٹ سکاڈ بنایا تو سکھا اس میں سلیکٹ ہو گیا۔ اُس نے چار مہینے کی ٹریننگ کی تھی اور آج اس کی پاسنگ آؤٹ پریڈ تھی۔ جنرل ادیش آج پاسنگ آؤٹ پریڈ میں آ رہے تھے۔ سکھویندر سنگھ انہیں ٹارگٹ کرنے والا تھا وہ آج صبح صبح چھ بجے کے قریب اُٹھ گیا۔ اُس نے نہا دھو کر صاف کپڑے پہنے اور جاپ جی (JAP ji) کا ورد کرنے لگا۔

"آپ سچ جگاد سچ ہے بِی سچ نانک ہیوسی بِی سچ سوچے سوچ نہ ہووی جے سوچیں لاکھ وار چپے جاپ نہ ہوی جے لائے لا پنگ اوتار۔" (JAP ji) (جاپ جی صاحب کی وڈیو یوٹیوب پر مل جائے گی) اُس نے آدھے گھنٹے تک جاپ جی صاحب ورد کیا اور پھر پولیس کی یونیفارم پہن

لی۔

''سکھے ! تیار ہوگئے ہو۔۔۔۔۔۔؟'' وہ کمرے سے بار آیا تو اس کا اُستاد انسپیکٹر گروپال پوچھنے لگا۔وہ باہر کھڑا اسی کا انتظار کرر ہا تھا۔

''جی سر! میں تیار ہوں۔۔۔۔واہے گرو نے چاہا تو آج سب کچھ ہمارے پلان کے مطابق ہی ہوگا۔'' سکھویندر نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

'' بالکل واہے گرو جی ہمارے ساتھ ہیں خالصتان کا خواب ایک دن ضرور پورا ہوگا۔۔۔۔۔واہے گرو جی فتح۔'' اُس نے خاموشی سے رائفل کی ایک لمبی گولی اُسے پکڑائی اور آگے بڑھ گیا۔

سکھویندر نے گولی پکڑ کر جیب میں ڈالی اور پریڈ گراؤنڈ میں چلا گیا۔ وہاں لڑکوں کی حاضری لگائی گئی اور پھر تمام لڑکے ایک ایک کر کے اپنی رائفل لینے لگے۔ پاسنگ آؤٹ رائفل کے ساتھ ہوتی تھی۔سکھویندر نے اپن رائفل لے کر رجسٹر میں اندراج کیا اور باتھ روم کی طرف چلا گیا۔اُس نے باتھ روم میں جا کر رائفل کے میگزین میں گولی ڈالی اور باہر آ گیا پاسنگ آؤٹ پریڈ بارہ بجے شروع ہونی تھی ابھی آدھا گھنٹہ رہتا تھا تمام لڑکے گراؤنڈ میں ٹولیوں کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے۔

اُس نے بھی آدھا گھنٹہ گراؤنڈ میں ہی گزارہ اور پھر فالن ہونے پر تمام لڑکے اکھٹے ہوگئے جنرل ادیش گراؤنڈ میں آ چکے تھے انہوں نے پریڈ کا معائنہ کیا اور سامنے بنے چبوترے پر چلے گئے اب پریڈ شروع ہوگئی تھی یہ آدھے گھنٹے کی پریڈ تھی جو مکمل ہوئی اور لڑکے بیس لائنوں میں بالکل سیدھے کھڑے ہوگئے۔آخری مرحلے میں جنرل کو رائفل سلام دیا جانا تھا۔جنرل صاحب اسٹیج پر سامنے آ گئے۔انسپیکٹر گروپال سامنے آئے اُس نے لڑکوں کو رائفل کاک کرنے کا حکم دیا تمام لڑکوں نے رائفل کاک کر کے اُوپر آسمان کی کی طرف کر لی گراؤنڈ میں اب بندت ماترم کا ترانہ گونج رہا تھا۔

تمام لوگ ترانے کے احترام کے لئے کھڑے تھے۔سکھویندر سنگھ سامنے تیسری لائن میں کھڑا تھا۔وہ بندے ماترم کی بجائے اکواومکار کا ورد کر رہا تھا۔اس کے دل میں صرف اومکار کی آواز سنائی دے رہی تھی۔اس کے لیڈر دیپ سنگھ رندھاواہ نے سچ کہا تھا۔جو مزہ اومکار میں ہے وہ بندے ماترم میں کہا۔ترانہ ختم ہوا تو انسپیکٹر گروپال نے جے ہند کا نعرہ لگایا اور فائیر کا حکم دیا۔آٹھ سو رائفلیں جو آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ان سے ٹھک کی آواز آئی جبکہ رائفل آسمان کی بجائے سامنے اسٹیج کی طرف ہوگئی تھی۔

''واہے گرو۔۔۔۔۔۔واہے گرو۔۔۔۔۔۔'' سکھویندر سنگھ نے کہا اور نشانہ باندھ کر ٹریگر دبا دیا۔

تمام رائفل کے ساتھ ہی اس کی رائفل سے گولی نکل کر سیدھی جنرل آدیش کمار کے ماتھے میں سوراخ کرتے ہوئے نکل گئی۔جنرل آدیش کمار کے مرتے ہی وہاں بھگڈر مچ گئی۔یہ بھگڈر پلان کا حصہ تھی۔لڑکے ایک دوسرے سے لڑنے اور رائفلیں گراؤنڈ میں پھینکنے لگے۔ایک لڑکے نے اونچی آواز میں رائفلیں گرؤنڈ میں پھینکنے اور خالی ہاتھ باہر جانے کے لئے چیختے ہوئے کہا۔یہ پیغام ایک کے بعد دوسرا دہراتا رہا اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام رائفلیں گرؤنڈ میں پھینک دی گئیں۔انہی میں سے ایک رائفل سکھویندر کی بھی تھی تمام لڑکوں نے ہاتھوں میں سفید رنگ کے دستان پہنے ہوئے تھے۔

اس لئے کسی بھی رائفل پر انگلیوں کے نشان نہیں تھے۔صرف اسلحہ خانے کے رجسٹر سپاہیوں کے نام سے رائفلیں نمبر کے ساتھ اشو کئے گئے تھیں۔وہ رجسٹر وہاں سے غائب کردا گیا۔جو بعد میں لنگر خانے کے تندرو میں جلا ہوا ملا۔اس کے تمام کاغذ جل چکے تھے اور وہاں سے کچھ بھی نہیں ملا تھا۔اسی دن آسام اور راجستان جنرل آدیش کے دونوں بیٹوں کا قتل کردیا گیا۔

دوسرے دن صبح صبح CNN،BBC اور انڈیا کے سرکاری چینل کو ایک ویڈیو ملی۔یہ خالصتان تحریک کے ایک خفیہ کارکن نے بنائی تھی۔سفید رنگ کی دیوار پر کیسری رنگ کے خالصتان

جھنڈے کے سامنے ایک نقاب پوش آدمی کھڑا کہہ رہا تھا۔ہم سکھ قوم گورگھو بند صاحب کے ماننے والے ہیں۔ہم سکھوں کی تاریخ ہے۔ہم ہمیشہ اوپر سے ہاتھ ڈالتے ہیں چھوٹے اور عام لوگوں کو مارنا ہماری توہین ہے۔

جنرل آدیش کمار نے ہمارے لیڈر ہردیپ سنگھ کے والد کرنل سندیپ سنگھ کو مروایا تھا آج ہم نے اسے اور اس کے دونوں بیٹوں کو مار کر اپنا بدلہ لے لیا ہے۔ہم خالصتان کے راستے میں آنے والے ایک ایک شخص کو اس کی نسلوں سمیت نرکھ میں پہنچائیں گے۔جو راسی (1984) میں ہماری تحریک ناکام ضرور ہوئی تھی۔ہمارے لاکھوں سردار شہید ہوئے تھے۔ہم نے قربانیاں دی تھیں اور بدلہ بھی لیا تھا۔ڈی آئی جی DIG سے لیکر وزیر اعلیٰ پنجاب تک اور آرمی چیف سے لیکر وزیر اعظیم تک ہم نے کسی ایک کو بھی نہیں بخشا تھا آپریشن بلیو سٹار ہوا تو اس کے پیچھے چھپے ایک ایک شخص کو ہم نے ڈھنڈ ڈھنڈھ کر مارہ تھا آج صرف نام زندہ ہے ہم نے تو اس آپریشن کی فائل پو دستخط کرنے والے لیڈر تک کو مار دیا تھا یہ ہم سکھوں کی تاریخ ہے۔

جو آج بھی اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔خالصتان تحریک کے سامنے جو بھی خو بی جنرل یا سیاست دان آئے گا ہم اس کی نسلیں مٹا کر رکھ دیں گے۔واہے گرو جی کا خالصہ واہے گرو جی نے ایک بار پھر بھونچال مچا کر رکھ دیا۔پنجاب میں دھنگے ہوئے اور ان دھنگوں میں دو ہزار کے قریب لوگ مارے گئے۔ایک ہفتے کے دھنگوں کے بعد پنجاب میں اہمرجنسی نافذ کر کے فوج طلب کر لی گئی۔پٹھان کوٹ کے ٹریننگ کیمپ میں انکوائیری ہوئی لیکن 800 پولیس والوں میں سے کسی ایک کو ڈھنڈنا ناممکن تھا۔سکھوہیندر کو کوئی بھی تلاش نہ کر سکا آرمی چیف جنرل وجے سنگھ بہادر نے طاقت کے زور پر خالصتان تحریک کو کچلنے کی کوشش کی لیکن حالات خراب سے خراب تر ہوتے چلے گئے۔انڈین حکومت ہردیپ سنگھ کا نام انٹرنیشنل دہشت گردوں کی فہرست میں ڈالنے اور اسے گررفتار کرنے پر زور دینے لگی۔

جنرل وجے سنگھ سی آئی اے (CIA) کے ساتھ براہِ راست بات کرنے لگے۔دونوں

پارٹیوں میں مزاکرات ہوئے اور معاملات طے پا گئے ۔ یہ ڈیل پانچ ارب ڈالر انڈیا میں سی آئی اے کا ایک آفس اور راء کے چائنا اور پاکستان ڈیسک کی مکمل خفیہ معلومات تھیں ۔ جنرل وجے سنگھ اپنے ایک دن کے دورے پر امریکہ پہنچ گئے ۔(انڈیا میں سنگھ نام سکھوں کے علاوہ ہندو بھی رکھتے ہیں جنرل وجے سنگھ بہادر سکھ نہیں تھے وہ ہریانہ کے رہنے والے تھے ہریانہ سنگھ سر نام ہندوں اور سکھوں دونوں میں مقبولا تھا) جنرل وجے نے واشنگٹن میں پریس کانفرس کی تو میں اور دیپ وہاں پہنچ گئے ۔

''جنرل صاحب! آپ کو ہماری تحریکِ آزادی دہشت گرد تحریک کیوں لگتی ہے؟ کیا آزاد خالصتان کا خواب دیکھنا دہشت گردی ہے۔۔۔۔۔؟'' بریفنگ کے دوران اچانک دیپ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور سوال کر دیا۔

''ہر دیپ سنگھ رندھاوا بچے! تمہارے دن اب پورے ہوگئے ہیں ۔۔۔۔خالصتان تحریک کے دن پورے ہوگئے ہیں تم لوگوں نے ہندوستان کو بہت کمزور سمجھ لیا تھا۔'' جنرل وجے نے طنزیہ لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔ان کی آنکھوں میں فتح کی چمک نظر آرہی تھی ۔

''جنرل صاحب! بڑے بہادر ہو۔۔۔آپ پنجاب میں خون کی ہولی کھیل کر بلاخوف پھر رہے ہو آپ کو ویسے تھوڑا ڈرنا چاہئے۔'' دیپ نے اسی کے انداز میں جواب دیا۔

''بچے! تم کیا پوری دنیا بھی مل کر ہندوستان کو نہیں ڈرا سکتی ۔۔۔۔تمہاری یہ دہشت گرد تنظیم کیا ڈرائے گی۔'' جنرل اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''چلیں! دیکھتے ہیں۔۔۔کون کس کو ڈراتا ہے۔۔۔؟ ویسے ایک مشورہ ضرور دوں گا کبھی بھی مذہب کے نام پر ہونے والی جدوجہد کو ہلکے میں نہیں لینا چاہیے یہ اٹم بم سے زیادہ طاقت ور ہوتی ہے اور اس کا اثر صدیوں تک قائم رہتا ہے اس دنیا کے دوسو آزاد ملکوں میں تین کروڑ سکھ رہتے ہیں یہ تین کروڑ اٹم بم ہیں کون، کہاں، کدھر، کس وقت پھٹ جائے کچھ نہیں کہہ سکتے۔۔۔۔ ہمارے سامنے آؤ گے تو مٹ جاؤ گے ۔دیپ نے پھنکارتے ہوئے کیا اور وہاں

سے نکل گیا۔

''راضی بھائی! تیار ہوناں۔۔۔؟ اصل جدوجہد اب شروع ہونے والی ہم اب خالصتان کے لئے ہتھیار اُٹھانے لگے ہیں۔'' دیپ نے پیار سے میرے گالوں کو تھپتھپاتے ہوئے سوال کیا
۔

''تیار ہوں۔۔۔۔دیپ! میں نے سر پر کفن باندھا لیا ہے۔'' میں نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

ہر دیپ کو صرف میں ہی دیپ بھائی بولتا تھا باقی تمام چھوٹے بڑے اسے ہمیشہ پاہ جی ہی کہتے تھے۔

''چلو! پھر آج رات دنیا کی تاریخ بدلتے ہیں۔۔۔۔۔آج رات دلی ہیڈ کواٹر میں میری موت کا جشن منانے کی تیاریاں ہو رہی تھی میری موت کا کنٹریکٹ ہو چکا ہے ایجنسی آج رات مجھے مارنے والی ہے لیکن آج رات ہم نہیں وہ مریں گے وہ سب جو خالصتان کے دشمن ہیں۔''
اس نے دور آسمان میں سیدھے گھر چلے گئے۔

دیپ گھر آنے کے بعد سیدھا نیچے تہہ خانے میں چلا گیا وہ رات بارہ بجے تک وہیں تہہ خانے میں کام کرتا رہا۔ یہ تہہ خانہ ہی اس کا آپریشن روم تھا وہ وہاں سے ہی اپنی تحریک کے ممبران اور دوسرے لوگوں سے رابطہ کرتا تھا۔احکامات دیتا تھا۔ یہ اس کا ہیڈ کواٹر تھا رات سوا بارہ بجے کے قریب بنگلے کے باہر تین گاڑیاں آ کر رکیں تو میں جلدی سے اس کی اطلاح دینے تہہ خانے چلا گیا دیپ وہاں سے باہر نکل رہا تھا اسے گاڑیوں کے آنے کی اطلاح پہلے سے ہی مل چکی تھی۔

''راضی بھائی! آجاؤ اب ایکشن کرنے کی باری ہے۔۔۔۔۔'' اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور بنگلے سے باہر آ گیا۔

''گڈ ایوننگ مسٹر دیپ سنگھ!'' ایک امریکی اہلکار نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا۔

''گود ایوننگ مائیک! (MIKE) کیا رپوٹ ہے۔۔۔۔۔؟'' اس نے مائیک کے

سلام کا جواب دیا اور اس کے ساتھ گاڑی کے پچھلے حصے میں چلا گیا۔

دیپ کے پیچھے پیچھے میں بھی وین میں چلا گیا یہ وہی وین تھی جیسے میں پہلے بھی کئی بار دیکھ چکا تھا۔

''سر! سی آئی اے (CIA) کے دس اہلکار اس میں ملبوث ہیں پانچ ارب ڈالر کی ڈیل ہوئی ہے۔ جنرل وجے سنگھ اس ڈیل کو لیڈ کر رہے ہیں یہ پارٹی آپ کو مارنے آئی ہے جیسے ہی آپ کی ٹارگٹ کلنک ہو جائے گی آپ کے مرنے کی اطلاح ملتے ہی جنرل وجے سنگھ سی آئی اے (CIA) کے ایشین چیف کے بینک اکاونٹ میں پانچ ارب ڈالر ٹرانسفر کر دے گا وہ یہاں اسی کام کے لئے آیا ہے۔'' مائیک نے اسے پوری تفصیلات بتاتے ہوئی کہا۔

''ٹھیک ہے تو اب دیر کس بات کی ہے۔۔۔۔۔؟ مارو اور اپنے پیسے کھرے کرو۔'' دیپ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''سر! کیوں شرمندہ کرتے ہیں۔۔۔۔؟ آپ کے لئے پانچ ارب کیا پانچ سو کھرب بھی ہوں تو تب بھی ہم غداری نہیں کر سکتے۔'' مائیک نے دیپ کا ہاتھ پکڑ کر اسے آنکھوں سے لگا لیا۔ وہ دیپ سے اپنی عقیدت کا اظہار کر رہا تھا۔

''دیکھ لو راضی! تمہارے بھائی کی اتنی ویلیو ہے۔۔۔۔۔ یہ مائیک سکھ مزہب قبول کر چکا ہے ان کی سی آئی اے کے اندر بھی گرونانک صاحب کے ماننے والے پہنچ چکے ہیں۔ ہم اب ہر جگہ پر موجود ہیں ہندوستان کا مقابلہ اب دوسو ملکوں میں پھیلے ہوئے سکھوں سے ہے۔'' اس نے فخریہ لہجے میں کہا اور دوبارہ مائیک سے گفتگو کرنے لگا۔

مائیک سی آئی اے کا ایک سینئر ترین افسر تھا۔ واشنگٹن میں دیپ کا کیس وہی سنبھال رہا تھا دیپ کا کیس دیکھتے دیکھتے وہ دیپ سے ہی متاثر ہو گیا تھا۔ اس نے دیپ کے ہاتھ پر سکھ مذہب بھی خفیہ طور پر قبول کر لیا تھا۔ جانی دشمن دیپ کی شخصیت سے متاثر ہو کر اب جان نچھاور کرنے والا بن گیا تھا۔ دیپ اسے کوئی ایک گھنٹے تک مختلف ہدایات دیتا رہا اور پھر اسے واپس بھیج دیا۔ جبکہ

باقی گاڑیوں کے ساتھ ہم اب جنرل وجے سنگھ کے پاس جا رہے تھے وہ ایک سیون سٹار ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ مائیک نے اُسے وہاں سے اغواہ کر کے سی آئی اے (CIA) کے ایک خفیہ سیف ہاؤس میں منتقل کر دیا تھا۔ گاڑیاں ہمیں لیکر سیدھی وہاں چلی گئی۔ ہم اندر گئے تو سامنے ٹارچنگ سیل میں جنرل وجے سنگھ کرسی پر بندھا ہوا نظر آ گیا۔

''جنرل صاحب! کہا تھا ناں۔۔۔۔ آپ کو کہ کبھی بھی مذہب سے پنگا نہیں لیتے۔ مشورہ دیا تھا لیکن آپ نے عمل نہیں کیا۔ اب دیکھ لو دنیا کے محفوظ ترین ملک کے محفوظ ترین شہر میں بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔ دنیا کی سب سے طاقت ور ایجنسی بھی آپ کو نہیں بچا سکی۔ سکھ مذہب سے پنگا لو گے تو دنیا کے کسی بھی کونے میں جگہ نہیں ملے گی۔'' دیپ اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

میں دیپ کے پیچھے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ جنرل وجے غصے سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا

۔

''اچھا شاباش! اب پانچ ارب ڈالر کا بتاؤ۔ وہ کیسے ہمارے اکاونٹ میں ٹرانسفر کرو گے ۔۔۔۔؟'' دیپ اس سے پانچ ارب ڈالروں کا پوچھنے لگا یہ وہ رقم تھی جو ڈیل کے مطابق دیپ کے مرنے کے بعد جنرل وجے نے ادا کرنی تھی۔

''کونسی رقم۔۔۔۔؟ میرے پاس کوئی رقم نہیں ہے۔'' جنرل وجی نے فوراً انکار کرتے ہوئے کہا۔

''دیکھ لو جنرل صاحب! پیسے ہندوستان کے ہیں جان آپ کی اپنی ہے۔ پیسے ٹرانسفر کرو اور جان بچا لو ورنہ پیسے تو ہم لے لیں گے اور ساتھ میں آپ کی جان بھی لے لیں گے۔'' دیپ اسے دھمکی دینے لگا۔

''بچے! تم نے جو کرنا ہو کر لو۔۔۔۔۔ پیسے میرے پاس نہیں ہیں۔'' جنرل وجے نے اس بار بہادری دکھائی۔

''راضی بھائی! ابھی بھی جرنیلی ذہن میں بیٹھا کر بیٹھے ہوئے ہیں ان کو تھوڑا پروٹوکول تو

دے کر دکھاؤ۔‘‘ میں نے ایک ہاتھ سے جنرل وجے کا چہرہ پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے ایک زور دار تھپڑ ان کے منہ پر رسید کر دیا۔

چٹاخ کی آواز آئی اور اس کی گال پھٹ گئی۔ جنرل وجے کی ایک زوردار چیخ بھی کمرے کی خاموش فضاؤں کو چیرتی ہوئی کافی دور تک گئی۔

’’جنرل صاحب! کہا ہے ناں پیسے ہندرستان کے ہیں اور جان آپ کی ہے۔ کیوں ضد کر رہے ہو۔۔۔۔؟ ویسے یہ رقم ہندوستان کی بھی نہیں پنجاب کی ہے۔ ہمارے ٹیکس کے پیسے ہیں اور اس کے حقدار بھی تو ہم ہیں ناں۔۔۔۔‘‘ دیپ اسے پھر سمجھانے لگا۔

’’راضی بھائی! یہ اتنی جلدی نہیں مانے گا تھوری محنت کرنی پڑے گی۔‘‘ اس نے پھر مجھے اشارہ کیا تو میں ایک بار پھر جنرل وجے کی طرف بڑھ گیا۔

’’ارے! تھپڑ مت مارنا جنرل صاحب ہیں پروٹوکول بھی ان کے رینک کے مطابق دو۔‘‘ دیپ نے مجھے مسکراتے ہوئے حکم دیا تو سائیڈ پر پڑے ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں تشدد کرنے کے اوزار پڑے ہوئے تھے۔

’’پہلے اسے طاقت کا ایک انجکشن لگا دینا۔ بوڑھا آدمی ہے۔ کہیں مر ہی نہ جائے۔ دیپ نے طاقت کا انجکشن لگانے کا کہا تو میں نے ایک سرنج میں انجکشن لیا اور جنرل وجی سنگھ کے بازو میں لگا دیا۔

’’جنرل صاحب! آخری موقع ہے پیسے دے دو بچ جاؤ گے۔۔۔۔‘‘ دیپ نے پھر پوچھا لیکن آگے سے انکار ہی ملا۔

میں نے ایک پلاس اٹھایا اور جنرل وجے کی ایک انگلی پکڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ خوف سے کانپنے لگا تھا۔ میں نے ایک لمحے کا توقف کیا اور پلاس کا دباؤ بڑھا کر انگلی کا ناخن اتھاڑ دیا۔ اس کی فلک شگاف چیخ سنائی دی میں نے تیزی سے دوسری انگلی پکڑی اور اس کا ناخن بھی اکھاڑ دیا۔ کمرہ جنرل کی چیخوں سے گونج رہا تھا۔ میں نے تیسری سے چوتھی انگلی کا ناخن بھی اکھاڑا

اور اٹھ کر ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔میں نے وہاں سے سپرٹ کی بوتل لی اور اسے زخمی انگلیوں پر چھڑک دیا۔

جنرل وجے اب کرسی پر کسی ذبح ہوئی بکری کی طرح تڑپ رہا تھا۔اس کی چیخیں کمرے کی چھت پھاڑ رہی تھی۔میں نے سپرٹ چھڑکنے کے بعد ایک کریم لگائی اور تیزی سے مرہم پٹی کردی ۔اب اُن کا خون بہنا رک گیا تھا جنرل ابھی تک چلا رہا تھا۔میں نے ایک زوردار تھپڑ اُن کے منہ پہ مارا اور اسے بالوں سے پکڑ کر سیدھا کیا اور اس کا منہ بند کر دیا۔کچھ سیکنڈ بعد میں نے منہ چھوڑ دیا وہ ایک بار پھر چلانے لگا۔دیپ نے منہ پر انگلی رکھ کر اسے خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔

''پھر پوچھ رہا ہوں پیسے دے دو بچ جاؤ گے۔۔۔ورنہ صرف تم ہی نہیں تمہاری نسلوں کو بھی ختم کریں گے۔'' دیپ نے پھنکارتے ہوئے اسے دھمکی۔

''آپ۔۔۔۔آپ! پیسے دینے کے بعد بھی مجھے ماردو گے۔'' وہ اٹک اٹک کر بولنے لگا

۔

''ارے! نہیں آپ کو مار کر ہمیں کیا ملے گا آپ زندہ رہو گے تو اچھا ہوگا ہمارے لئے۔انڈیا جا کر ہمارے خلاف الیکشن تو نہیں لو گے ناں۔۔۔۔؟'' دیپ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔۔۔۔نہیں تم مجھے چھوڑ دو کچھ نہیں کروں گا۔پنجاب سے ایمرجنسی بھی ختم کردوں گا۔'' وہ منتیں کرنے لگا۔

دیپ نے اپنے پیچھے کھڑے ایک لڑکے کو اشارہ کیا۔تو وہ جلدی سے ایک لیپ ٹاپ لیکر آ گیا۔

''جنرل صاحب! پانچ ارب ڈالر دے دو اور آرام سے گھر جاؤ اگر اپنے وعدے سے مکرو گے تو پھر ہم پکڑ لیں گے۔'' دیپ نے اسے پھر دھمکی دی۔

لڑکے نے لیپ ٹاپ آن کیا اور جنرل کا اکاوٹ اوپن کرنے لگا اس نے سکینر کی مدد سے

جنرل کی انگلیوں کے نشانات اور آنکھ کی پتلی کو سکین کیا اور پاسورڈ پوچھنے لگا۔

''بتا دو جنرل صاحب! نہیں ماریں گے آپ کو۔۔۔۔۔'' اس نے دیپ کی طرف دیکھا تو وہ اسے تسلی دینے لگا۔

جنرل نے پاسورڈ بتا دیا لڑکے نے اکاونٹ اوپن کیا اس کے اندر دس ارب ڈالر موجود تھے۔

''پاہ جی! دس ارب ڈالر ہیں کیا کرنا ہے۔۔۔۔۔؟'' لڑکا پوچھنے لگا۔

''کرنا کیا ہے۔۔۔۔ ہمارے پیسے ہیں سب لے لو ویسے بھی باقی پانچ ارب کرپشن کے ہیں اس نے پانچ دینے تھے اور پانچ اپنے پاس رکھ لینے ہیں۔'' دیپ نے پورے دس ارب لینے کا کہا اور لڑکے نے تمام پیسے دیپ کے اکاونٹ میں ٹرانسفر کر دیے۔

''دھنے واد جنرل صاحب! آپ کا یہ پیسے اب ہمارے خالصتان کے کام آئے گے۔'' دیپ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''راضی! اس کے سارے ناخن اکھاڑ کر انگلیاں کاٹو اور ماردو۔'' اس نے مجھے حکم دیا اور باہر جانے لگا۔

''دیپ! یہ غلط ہے تم نے وعدہ کیا تھا یہ زندہ ہمارے لئے فائدہ مند رہے گا۔'' میں اس کے پیچھے جانے لگا۔

''راضی بھائی! میں نے وعدہ صرف اس سچے باشادہ واہے گرو سے خالصتان کے لئے کیا ہے اور بس۔۔۔۔اس کے بعد سب جھوٹ ہے۔اس کی کٹی ہوئی لاش کل دنیا کے سامنے جائے گی۔تو دنیا کو ہماری سکھوں کی دہشت کا پتہ چلے گا۔'' دیپ نے مجھے پیچھے کی طرف دھکیلا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

''سوری سر جی! حکم ہے اور میں صرف حکم کا غلام ہوں۔'' میں نے ایک بار پھر پلاس اٹھایا اور باقی کے ناخن بھی اکھاڑنے لگا دیپ باہر کھڑا میرا انتظار کر رہا تھا۔میں نے پانچ منٹ میں اپنا

کام مکمل کیا اوراس کے پاس چلا گیا۔

''واہے گرو۔۔۔۔۔۔۔واہے گرو سچے بادشاہ مہر کریں۔'' اس نے اوپر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ کر مجھے گلے سے لگا لیا۔

''راضی بھائی! آپ نے ہری سنگھ نلوا کا نام سنا ہوا ہے۔۔۔۔۔؟''

''جی پاہ جی! سنا ہوا ہے۔۔۔۔وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے کمانڈر تھے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

مجھے دیپ کا جنرل کو مارنے کا حکم ٹھیک نہیں لگا تھا۔اسی لئے میں نے ناراضگی کے طور پر اسے پاہ جی کہا تھا۔

''راضی بھائی! آپ بھی میرے ہری سنگھ نلوا ہو۔آنے والی دنیا میں جب خالصتان دنیا کے نقشے پر چمک رہا ہوگا۔راضی بھائی!اس چمک میں آپ کا بھی عکس نظر آئے گا دنیا جیسے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ ہری سنگھ نلوا کو یاد کرتی ہے ایسے ہی میرے نام کے ساتھ تمہارا نام بھی تاریخ کا حصہ بن جائے گا۔'' اس نے میرا بازو پکڑا اور گاڑی میں بیٹھا لیا۔

''پاہ جی! آپ کو کچھ دن چھپ کر رہنا پڑے گا۔یہاں دارالحکومت میں حالات ساز نہیں ہیں سی آئی اے کے دس اہلکار اور جنرل وجے سنگھ کی ہلاکت یہ بہت زیادہ ہے پاہ جی۔''

ہم واپس گھر آئے تو مائیک باہر ہی کھڑا ہمارا انتظار کر رہا تھا۔

''اُن سب کی ہلاکت کی انکوئری ہوتی ہے تو مجھے کیا فرق پڑے گا۔۔۔۔؟ میرے خلاف تو کوئی بھی ثبوت ان کے پاس نہیں ہے۔'' دیپ اس سے پوچھنے لگا۔

''پاہ جی! آپ کے خلاف کوئی ثبوت ہم نے نہیں چھوڑا آپ بالکل کلین ہو لیکن پھر بھی آپ کے خلاف انکوائری ضرور ہوگی اور ہوسکتا ہے آپ کو گرفتار بھی کر لیا جائے۔'' مائیک کی آواز کافی گھبرائی ہوئی تھی۔

''کیا کہتے ہو۔۔۔۔؟ راضی! تمہارا کیا مشورہ ہے۔۔۔۔؟'' دیپ نے مجھ سے سوال

کیا۔

''میرے خیال سے ہمیں چھپنا نہیں چاہیے یہیں دنیا کے سامنے رک کر انکوائیری کا سامنا کرتے ہیں اگر تمہیں گرر گتار کرلیا جائے گا تو یہ بھی ہماری خالصتان کے لئے اچھا ہوگا۔ ہماری تحریک آزادی کو لوگ زیادہ سیریس لیں گے۔'' میں نے اپنی رائے دی۔

''راضی بھائی! اگر دیپ پاہ گرر فتار ہو گئے تو ہماری خالصتان تحریک بھی ختم ہو جائے گی ۔۔۔اُن کے بعد کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اس تحریک کو سنبھال سکے۔'' اس بار ابھی جیت نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

ابھی جیت سنگھ کو ہم ابھی سنگھ یا ابھی کہتے تھے۔ وہ بھی سی آئی اے (CIA) میں تھا۔ تیس سال (30) کے بعد ابھی سنگھ کی والدہ امریکی تھیں جبکہ والد پنجابی تھے۔ وہ اٹھارہ سال کی عمر میں پولیس میں بھرتی ہوا تھا۔ اس نے پانچ سال پولیس میں سروس کی تھی اور پھر سی آئی اے میں چلا گیا ۔ ہردیپ سنگھ سے متاثر ہو کر اس نے خالصتان تحریک خفیہ طور پر جوائین کی تھی اور اسی کی محنت سے سی آئی اے کے مزید سکھ آفیسرز بھی تحریک میں آ گئے تھے۔ اس کے پاس سی آئی اے کے تمام خفیہ معلومات ہوتی تھیں۔

''ابھی! تم کہتے ہو ایجنسی کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہیں وہ شک کی بنیاد پر گرر فتار کریں گے دو تین مہینے انکوائیری ہو گی اور پھر نا کافی ثبوت کی بناہ پر رہا کر دیں گے۔ ان کے جیل جانے سے عام لوگوں کے جذبات بھڑک اٹھیں گے خالصتان تحریک میں زیادہ شدت آ جائے گی۔ عام امریکی بھی ان سے ہمدردی دکھائیں گے دو تین مہینے بعد جب یہ جیل سے رہا ہوں گے تو ان کی مقبولیت آسمان کو چھو رہی ہو گی۔'' میں نے تصدیق کے لئے دیپ کی طرف دیکھا تو وہ مسکرانے لگا۔

''صحیح کہتے ہو۔۔۔۔۔ راضی بھائی! دو تین مہینے جیل کاٹوں گا تو یہ خالصتان تحریک کے لئے فائدہ مند ہو گی ویسے بھی مجھے اس وقت سیکورٹی کی ضرورت ہے اور جیل سے زیادہ سکیورٹی مجھے کہاں ملے گی۔'' اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور اندر چلا گیا۔ ابھی صبح کے چھ بج چکے تھے۔

''راضی بھائی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے کہیں یہ غلط فیصلہ نہ ہو۔ یہاں ایجنسی میں بھی کئی ایسے افسر ہیں جو عدالتوں کے چکر میں پڑنے کی بجائے باہر باہر ہی انکاؤنٹر کروا دیتے ہیں۔ واہے گرو رحم کرے اگر ایسا کچھ ہو گیا تو کیا کریں گے۔۔۔۔۔؟''

''ایسا مت بولو۔۔۔۔۔ ابھی سنگھ! ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔'' میں نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور اندر چلا گیا۔

اپنے کمرے میں جا کر وضو کیا اور فجر کی نماز پڑھنے لگا۔ نماز پڑھنے کے میں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور مانگنا ہی بھول گیا۔ میرے پاس مانگنے کے لئے الفاظ ہی نہیں تھے۔ میں کتنی ہی دیر خاموش اپنی ہتھیلیوں کو دیکھتا رہا۔ میری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔

''یا اللہ! یا سچے بادشاہ! اے میرے پیدا کرنے والے۔۔۔۔۔۔۔'' مجھے اپنے پیچھے دیپ کی آواز سنائی دی۔ وہ میرے پیچھے بیٹھا دعا مانگ رہا تھا۔

''یا اللہ! تو پوری دنیا کا بنانے والا ہے۔ مسلمان، سکھ، عیسائی سب تیری ہی بادشاہی ہے سب تیرے بندے ہیں۔ ہم سکھ بھی تیری مخلوق ہیں۔ مظلوم ہیں، دُکھی ہیں، غلام ہیں آزادی چاہتے ہیں۔ تو سب کی سنتا ہے سب کی دُعائیں قبول کرتا ہے ہم سکھوں کی دُعا بھی قبول فرما لیجئے۔ ہم کچھ نہیں چاہتے۔۔۔۔۔ کچھ نہیں مانگتے صرف ایک خالصتان مانگتے ہیں۔ تیری اتنی بڑی خدائی میں ایک چھوٹا سا خالصتان مانگتے ہیں تو دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے ہم مظلوم سکھوں کی دعا بھی قبول کر لیجئے۔۔۔۔۔ آمین'' میں نے اُس کی دعا کے جواب میں آمین کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

''دیپ! وہ اُوپر نیلی چھت والا سب دیکھتا ہے۔۔۔۔۔۔ سب سمجھتا ہے۔ جو جدجہد تم کر رہے ہو سکھ بھائیوں کے لئے کر رہے ہو وہ اس کا صلہ ضرور تمہیں دے گا۔'' میں نے اس کے سر پر رکھے رومال کو اتارہ اور اپنے سر پر باندھ لیا۔

(سکھ مذہب کے لوگ ہمیشہ اپنی عبادات سر ڈھانپ کر کرتے ہیں اُن کی عورتیں بھی گرو جی کا نام سنتے ہی سر ڈھانپ لیتی ہیں)

اسی دوران باہر شور کی آواز آئی اور سیاہ وردیوں میں ملبوس ایف بی آئی (FBI) اہلکار اندر گھس آئے یہ دس بارہ گاڑیوں میں کوئی پچاس سے اُوپر اہلکار تھے جنہوں نے پورے بنگلے کو اپنے حصار میں لے لیا۔

''مسٹر دیپ سنگھ! آپ کو انڈین جنرل کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے۔'' ایک اہلکار آگے بڑھا اور اس نے دیپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔

اندر کمرے میں کوئی درجن بھر اہلکار آ گئے تھے باقی اہلکاروں نے بنگلے میں موجود دوسرے سیکورٹی ملازمین (گارڈز) کو قابو کر لیا تھا۔ ابھی جیت سنگھ وہاں سے اسی وقت نکل گیا تھا وہ پولیس اہلکاروں کے سامنے نہیں آنا چاہتا تھا وہ CIA میں تھا اور ہماری خفیہ مدد کرتا تھا۔

''سر! کیا میں ان کا وارنٹ گرفتاری دیکھ سکتا ہوں۔۔۔۔۔؟'' میں نے ایک سینئر سٹاف افسر سے کہا۔

''اوہ۔۔۔۔سوری مسٹر رضوان صاحب! یہ خفیہ آپریشن ہے۔ ہمیں براہِ راست اسسٹنٹ ڈائریکٹر واشنگٹن سٹی سے احکامات ملے ہیں۔ آپ معلومات کے لئے ہیڈ کواٹر سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ شاید آپ کو وہاں سے معلوم ہو جائے۔'' وہ دیپ کو باہر لے جانے لگا۔

''آفیسر! اگر اسے کچھ ہو گیا تو تم لوگ مجھے بخوبی جانتے ہو۔۔۔۔۔'' میں نے اس افسر کا بازو پکڑ کہا۔

''مسٹر رضوان! آپ مجھے دھمکی دے رہے ہو۔۔۔؟ ایک پولیس افسر کو دھمکی دینے کا انجام جانتے ہو؟'' سٹاف افسر سن کر غصے میں آ گیا۔

''سال۔۔۔۔ دو سال کتنے سال کی جیل ہو گی پروا نہیں ہے۔ ہم تو جان ہتھیلی پر رکھ کر گھومتے ہیں۔ یہ لیڈر رہے ہمارا اس کی انگلی پر خراش بھی آئی تو لاشیں بچھا دیں گے دھمکی اسے کہتے ہیں اپنے اُس اوپر بیٹھے افسر سے کہہ دینا یہ لڑائی ہماری اور ہندستان کی ہے۔۔۔۔ امریکہ مدد نہیں کر سکتا نہ کرے لیکن درمیان میں بھی مت آئے ورنہ نام ونشان مٹا کر رکھ دیں گے۔'' میں نے

اس کی وردی پر لگی نیم پلیٹ کو جھٹکے سے اکھاڑا اور دیپ کے پاس چلا گیا۔

''دیپ بھائی! اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو یہ دنیا ہلا کو خان کو بھول جائے گی۔'' میں نے سٹاف کی نیم پلیٹ دیپ کے سامنے رکھ دی۔

''شہزادے ہو راضی! شہزادے۔۔۔۔'' اس نے میرا کندھا تھپتھپایا اور افسر کی طرف دیکھنے لگا۔

''چلو افسر! چلتے ہیں واہے گرو جی کا خالصہ واہے گرو جی کی فتح۔'' وہ افسر کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا بنگلے کے باہر لوگوں کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا تھا۔ FBI کے اہلکار انہیں بنگلے کی طرف آنے سے رک رہے تھے۔

''واہے گرو جی سچے بادشاہ مہر کریں۔۔۔۔'' دیپ نے دونوں ہاتھ ماتھے کے قریب لائے اور FBI کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

پیچھے جو بولے سونہال ست سری اکال نعرہ آسمان کی بلندیوں تک جا رہا تھا۔ فضا ست سری اکال کے نعروں سے گونج رہی تھی۔ FBI کی گاڑی دیپ کو لئے کر چلی گئی تو میں گھر سے باہر آیا اور لوگوں کے ہجوم کو دیکھنے لگا۔

''نعرۂ تکبیر۔۔۔۔۔'' سامنے کھڑے ہجوم میں سے ایک دس سالہ بچے نے پوری طاقت سے چیختے ہوئے کہا اور پیچھے کھڑا ہجوم اللہ اکبر کا نعرہ لگانے لگا۔

دس گیارہ سال کے بچے نے کیسری رنگ کی پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پیتل کا کڑا تھا۔ میں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس بچے کے پاس آیا اور گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیا نام ہے بیٹا! آپ کا۔۔۔۔۔؟'' میں نے اس کی نرم گالوں کو ہاتھ لگایا۔

''گیری سنگھ۔۔۔۔'' بچے نے اپنا نام بتایا۔ وہ سکھ تھا لیکن اللہ اکبر کا نعرہ لگا رہا تھا۔

''بیٹا! یہ نعرہ کس نے سکھایا ہے۔۔۔۔؟'' میری آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے تھے۔

''ماں نے سکھایا ہے وہ کہتی ہیں آپ مسلمان ہو اور ہمارے خالصتان کے لئے لڑ رہے ہو ۔مسلمان لڑائی کے وقت اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہیں ناں تو میں آپ کے لئے یہ نعرہ لگا رہا ہوں ۔''
بچے کی معصوم آواز سیدھی میرے دل میں لگ رہی تھی ۔

''راضی بھائی! آپ ہمارے خالصتان کو آزاد کرواؤ گے ناں ۔۔۔۔۔؟'' بچے کے سوال نے مجھے رونے پر مجبور کر دیا۔

میں نے اپنی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوں اپنے ہاتھ سے پونچھا اور بچے کو گلے سے لگایا میرے پاس بچے کے سوال کا جواب دینے کے لئے الفاظ ہی نہیں تھے ۔

دوپہر بارہ بجے کے قریب میں سینٹر بلراج سنگھ کے پاس چلا گیا۔

''راضی! دیپ کی کوئی خیر خبر نہیں ہے ۔۔۔۔۔میں صبح سے FBI کے آفس میں بیٹھا ہوا تھا وہاں کسی کو کوئی خبر نہیں ہے ۔حالات بہت خراب ہیں انڈین جنرل اور دس اہلکاروں کی موت کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے ۔یہ امریکہ ہے یہاں تو کتا مر جائے تو انکوائیری شروع ہو جاتی ہے ۔یہ تو پھر بھی گیارہ لوگوں کی موت ہے ۔گیارہ لوگ اور گیارہ کے گیارہ ہی اعلیٰ عہدوں پر فائیز تھے ۔مجھے خود سمجھ نہیں آ رہی کیا کروں ۔۔۔۔۔؟'' سینٹر بلراج پریشانی کے عالم میں ٹہلتے رہے۔

ہم تین دن تک ناکام کوشش کرتے رہے چوتھے دن ہمیں دیپ کا پتہ چل گیا۔FBI اسے خفیہ سیل سے فیڈرل جیل میں لے آئی ۔ایک سازش تھی ۔دیپ کو جیل کے اندر مارنے کا پروگرام بنالیا گیا تھا میرا اندازہ غلط ہو گیا تھا ۔مجھے لگا FBI گررفتار کرگی اور پھر دیپ پر مقدمہ چلے گا دو تین مہینے تک مقدمہ چلتا اور پھر عدم ثبوتوں کی بنیاد پر دیپ کی ضمانت ہو جاتی میں نے یہ اندازہ لگایا تھا اور دیپ کو گررفتاری دینے کا مشورہ دیا تھا ۔میرا مشورہ غلط ہو گیا تھا وہ لوگ مقدمہ چلانے کی بجائے ہی جیل کے اندر ہی مار دینا چاہتے تھے ۔

''راضی بھائی! ہم سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ۔۔۔۔۔دیپ جیل میں مارا جائے گا ہم کچھ نہیں کر سکتے ۔'' ابھی جیت سنگھ نے مجھے پلان بتایا اور صوفے سے ٹیک لگا کر نیچے زمین پو بیٹھ گیا۔

’’کب کا پلان ہے۔۔۔۔؟‘‘ میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو پکڑ لیا۔

’’کوئی فکس تاریخ نہیں ہے جیل میں ان کے پاس وقت ہی وقت ہے وہ کسی بھی دن چھوٹی سی بھگڈر پیدا کریں گے اور اسے بھگڈر کی آڑ میں کوئی قیدی دیپ کو زہر میں بجھا خنجر مار دے گا۔

’’راضی بھائی! بہت سادہ لیکن بالکل پرفیکٹ پلان ہے۔جیل میں دس ہزار سے زائد قیدی ہیں۔کونسا قیدی کب کس وقت خنجر مارے گا کوئی پتہ نہیں ہے۔راضی بھائی! ہم کچھ نہیں کر سکتے۔‘‘ اس نے اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوں کو پونچھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ باہر دل کھول کر رونا چاہتا تھا رونا مجھے بھی آرہا تھا دنیا نے صرف دیپ کو دور سے دیکھا تھا اور اس پر جان دیتی تھی جبکہ میں نے اپنے دن رات دیپ کے ساتھ گزارے تھے۔مجھے چھوٹے سے خالصتانی لیڈر سے محبت ہوگئی تھی۔

’’واہے گرو واہے گرو سچے بادشاہ مہر کریں۔‘‘ مجھے دیپ کے آخری الفاظ یاد آ گئے۔

’’راضی! دیپ بہت پیارہ لڑکا ہے بہت معصوم تم ایک بار اسے دیکھو گے تو بکل ہی دیکھتے رہ جاؤ گے۔۔۔۔تمھیں اس سے محبت ہو جائے گی۔‘‘ مجھے دیپ کے کے والد کرنل سندیپ کے الفاظ یاد آ گئے وہ صحیح کہتے ہیں۔

دیپ کی معصوم شخصیت میں وہ اثر تھا جو مخالف کو محبت پر مجبور کر دیتا تھا۔مجھے اس سے محبت تھی اور میں اس محبت کو اتنی آسانی سے مرنے نہیں دے سکتا تھا۔میں نے کہا تھا دیپ اگر تمھیں کچھ ہوا تو یہ دنیا ہلاکو خان کو بھول جائے گی

’’ابھی سنگھ! مجھے فیڈرل جیل کا مکمل نقشہ چاہیے دیپ کا سیل کہاں ہے اُسے کہاں رکھا گیا ہے وہ صبح سے شام تک کیا کرتا ہے اور جیل کے کس کس حصے میں جاتا ہے مجھے مکمل معلومات چائیں۔وشنگٹن سٹی میں کتنے تھانے ہیں؟ شہر کے کس کس حصے میں ہیں؟ پولیس کی کتنی گاڑیاں گشت پر ہوتی ہیں کتنی ریزرو ہوتی ہیں؟ ان پولیس اہلکاروں کے پاس کون سا اسلحہ ہوتا ہے اور کتنی گولیاں ہوتی ہیں؟ مجھے ان سب کی تفصیل چاہیے پیسہ بہت ہے ہمارے پاس جس کو جتنا چاہیے اس کو اتنا

دے دو لیکن مجھے ایک ایک چیز کی تفصیل چاہیے۔'' میں نے دروازے کے باہر سیڑھیوں پر بیٹھے ابھی جیت کو کندھے سے پکڑ کر اُوپر اٹھایا۔

''راضی بھائی!۔۔۔۔۔آپ۔۔۔۔۔آپ کیا کرنا چاہتے ہو۔۔۔؟'' وہ اٹک اٹک کر بول رہا تھا۔

''میں ہلاکو خان بننے جا رہا ہوں۔۔۔۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور اندر چلا گیا۔

میں نے کمرے میں آکر مائیک کو بلانے کے لئے فون کیا اور اسے فوراً پہنچنے کا کہا ایک گھنٹے تک مائیک آیا تو اس کے ساتھ سینیٹر بلراج سنگھ بھی تھے مزید آدھے گھنٹے تک ابھی جیت اور اس کے بعد ایک ایک کر کے مزید پانچ اور بھی لوگ آ گئے۔ ہم اب ٹوٹل نو لوگ ہو گئے تھے۔ میں ان سب کو لیکر میٹنگ روم میں آ گیا۔ دیپ کے ساتھ ہم ٹوٹل دس افراد ہوتے تھے۔ امریکہ کے اندر ہم یہی دس لوگ تھے جو خالصتان تحریک کو چلا رہی تھی۔ ان میں سینیٹر بلراج سنگھ کانگرس میں سینٹر تھے۔ ابھی جیت اور مائیک سی آئی اے جبکہ باقی لوگ بھی بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔

''آپ! سب کو معلوم ہو چکا ہے کہ دیپ کو فیڈرل جیل کے اندر مارنے کا پلان بن گیا ہے۔ آنے والے دو دن کے اندر اندر جیل میں چھوٹا سا دنگا فساد ہو گا اور اس فساد کی اڑ میں دیپ کو خنجر مار کر شہید کر دیا جائے گا۔'' میں نے اپنے سامنے بیٹھی چھوٹی سے خالصہ فوج کی طرف دیکھا۔

دیپ ہم دس لوگوں کے گروپ کو خالصہ پنتھ کہتا تھا۔ میرے سامنے بیٹھے سبھی چہرے آنسوؤں سے بھیگے ہوئے تھے وہ سبھی دیپ سے محبت کرتے تھے۔ دیپ خالصتان تحریک کی آخری اُمید تھی۔ وہ شہید ہو جاتا تو خالصتان کی امید بھی دم توڑ جاتی۔

ہمارے سامنے پورا امریکہ اور اس کی فورسز ہیں۔ CIA.FBI پولیس آرمی ائیر فورس ہم ان سب سے لڑ کر دیپ کو نہیں بچا سکتے ہمارے سامنے ہندوستان اور اس کی فوج بھی ہے۔ میرے پاس اس وقت خالصہ فوج کے چالیس سکھ جانثار موجود ہیں ہمارے چالیس کا مقابلہ چالیس لاکھ

سے ہوگا۔ جنگ ہوئی تو ہم میں سے کوئی ایک بھی زندہ رہے گا۔ زندگی اور جیت کی امید زیرو فیصد ہے لیکن پھر بھی میں لڑنا چاہتا ہوں آپ میں سے جو میرا ساتھ دینا چاہتا ہے وہ دے اور جو جانا چاہتا ہے وہ چلا جائے مجھے کوئی شکوہ نہیں ہوگا۔'' میں رک کر اس کا فیصلہ دیکھنے لگا۔ وہ سب بدستور اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔

''دروازہ کھلا ہے جو جانا چاہتا ہے وہ چلا جائے باقی لڑیں گے اور مر جائیں گے۔۔۔۔۔''

میں نے باہر کی طرف اشارہ کیا لیکن کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹا۔ میں کوئی دو منٹ تک ان کو خاموش دیکھتا رہا۔

''راضی بھائی! یہ زندگی تو دیپ پاہ جی کے نام لکھ دی ہے۔۔۔۔۔ وہ شہید ہوگا تو اس کے نام پر ہم بھی شہید ہو جائیں گے۔'' سنٹر بلراج سنگھ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''راضی بھائی! آپ جنگ کا اعلان کرو ہم اپنے خون کے آخری قطرے تک لڑیں گے ۔۔۔۔۔ یہ جنم تو خالصتان کے لئے جدوجہد میں گزار گیا۔ واہے گرو سچا بادشاہ مہر کرے گا اور اگلے جنم آزاد خالصتان کی آزاد فضاؤں میں آنکھ کھولیں گے۔ اک اومکار ست نام کا جپت کرتے سکول جائیں گے۔ یہ جنم نہیں تو اگلے جنم صحیح آزادی کی جنگ تو چلتی رہے گی۔'' ابھی سنگھ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اس کے ساتھ ساتھ باقی بھی سبھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''جو بولے سو نہال ست سری اکال۔۔۔۔'' میں نے نعرے کا جواب دیا اور باقی اُنیس سکھ جانثاروں کو بھی کمرے میں بلا لیا۔ وہ بھی اپنی جان ہردیپ سنگھ رندھاوا پر نچھاور کرنے پر تیار ہو چکے تھے۔ ہم ستمبر 1897ء کی تاریخ ایک بار پھر دہرانے والے تھے۔

سو 100 سال پہلے اکیس 21 سکھوں نے دس ہزار 10,000 افغانیوں کا مقابلہ کیا تھا۔ کوھات کے سرحدی علاقے میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بنائے گئے سارا گڑھی قلعے کی حفاظت کے لئے 21 سکھ فوجی دس ہزار افغانیوں سے لڑے تھے۔ 24 گھنٹے جاری اپنے والی اس جنگ میں اسلحہ ختم ہوا تو ستر تلواروں سے لڑائی لری گئی۔ سکھوں نے اپنی کرپانوں اور کچن میں موجود چھری

چاقوؤں سے بھی لڑائی جاری رکھی ۔ یہ جنگ دنیا کی جدید تاریخ کی سب سے بڑی جنگ تھی جس میں اکیس کا مقابلہ دس ہزار سے تھا۔سکھ فوجی اپنے خون کے آخری قطرے تک لڑے لیکن افغانیوں کو قلعے میں نہیں آنے دیا۔

حوالدار اشعر سنگھ جو قلعے کا کمانڈر تھا۔اس کا جسم تلواروں سے پرو دیا گیا تھا۔یہ تاریخ تھی سکھوں کی جن کو ہندوستان غلام بنانے کی کوشش کررہا تھا۔سب کمرے میں آ گئے تو میں نے ایک بار پھر سب سے کہا کہ وہ اگر جانا چاہتے ہیں تو چلے جائیں لیکن ان میں سے کوئی بھی باہر نہ گیا میں نے ابھی جیت کو کہا کہ وہ اوپر آ کر دور الحکومت واشنگٹن میں پولیس اور دوسری فورسز کی لوکیشن اور تعداد بتائے۔ابھی سامنے آیا اور اس نے آدھے گھنٹے کے اندر اندر تمام تفصیلات بنا دیں اس کے بعد مائیک کی باری تھی وہ ہمیں اسلحہ اور گاڑیاں فراہم کررہا تھا۔ہم فیڈرل جیل پر حملہ کر کے اسے توڑنے اور دیپ کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

فیڈرل جیل امریکہ کی سب سے محفوظ ترین جیل تھی۔اسے توڑنا ناممکنات میں سے تھا ہمیں معلوم تھا اس کوشش میں ہم سب مارے جائیں گے لیکن ہم پھر بھی فیڈرل جیل توڑنے جارہے تھے ابھی سنگھ کہہ رہا تھا یہ جنم جدوجہد میں گزرے گا اور دوسرے جنم آزاد خالصتان میں اک اومکار ست نام گرو کی بانڑی (BANI) کے ساتھ ملے گا۔یہ سات جنم پر یقین کرنے والے سکھ تھے۔جو دوسرے جنم کی آس میں پہلا جنم قربان کررہے تھے۔میں تو مسلمان تھا میرے پاس ایک ہی زندگی تھی اور یہ زندگی میں مظلوم غلام کے نام کر چکا تھا یہ زندگی ہردیپ سنگھ رندھاوا ایک چھوٹے سے خالصہ لیڈر کے نام ہو چکی تھی جنگ شروع ہو چکی تھی۔

''سکھ قوم کے نام کی جنگ جو جیتنے کیلئے نہیں تھی قوم کے لئے لڑی جانے والی جنگیں کبھی جیت کے لئے نہیں لڑی جاتیں یہ صرف نام کے لئے لڑی جاتی ہیں۔'' یہ دیپ کہا کرتا تھا اور بالکل سچ کہا کرتا تھا۔

مائیک کے بعد میں آگے آیا اور مشن کی مکمل تفصیلات بتانے لگا۔میں نے بیس لوگوں کو جیل

پر حملہ کرنے دس لوگوں کو شہر کے مختلف حصوں میں انفرادی حملہ کرنے جبکہ نو لوگوں کو اسکیپ (ESCAPE) پلان کے لئے تقسیم کرلیا یہ نو لوگ وہ تھے جو ہر دیپ کو واشنگٹن شہر سے با حفاظت باہر نکالنے کے جواب دار تھے دیپ کی شہادت کی صورت میں وہ بھی سیکنڈ پلان (دوسرے پلان) کے تحت جیل پر حملہ کرنے والی ٹیم میں شامل ہو جاتے اور آخری سانس تک وہیں لڑتے ہوئے شہید ہو جاتے۔ سینٹر براج سنگھ کو ان سب سے علیحدہ رکھا گیا تھا۔ ان کا کام جیل کے اندر تھا۔

ہم نے صبح آٹھ بجے حملہ کرنے کا پلان بنایا اس وقت تمام قیدی سپورٹس گراونڈ میں ہوتے ۔دیپ بھی ان قیدیوں میں ہوتا اور حملے کی صورت میں جیل میں موجود سکھ قیدی اسے اپنی حفاظتی تحویل میں لے لیتے۔ رات کو سیل کے اندر خطرہ زیادہ تھا کسی دستی بم سے عمارت کی چھت گرنے کا خطرہ تھا۔ سینٹر بلراج کل سات بجے سے پہلے جیل چلے جاتے اور دیپ کو مکمل پلان سے آگاہ کرنے بعد اُدھر گرونڈ میں دیپ کے ساتھ رہتے ان کے پاس ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر بھی ہوتا جو وہ حملے کے فوراً بعد دیپ کو دے دیتے ہم اسی ٹرانسمیٹر کی مدد سے دیپ کے پاس پہنچ سکتے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

دوسرے دن صبح سات بجے کے قریب سینٹر بلراج فیڈرل جیل میں پہنچ گئے جیلر انہیں دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

''سر! آپ اندر نہیں جا سکتے ۔۔۔۔ ہمارے پاس کوئی ایسا آرڈر نہیں ہے۔'' جیلر نے انہیں اندر دفتر میں بیٹھاتے ہوئے کہا۔

''کیپٹن رونی صاحب! میں امریکی کانگرس کا سینٹر ہوں۔ مجھے کسی کے آرڈر کی ضرورت نہیں ہے۔'' سینٹر بلراج سنگھ نے جیلر پر چلاتے ہوئے کہا۔

''سر! پھر بھی جیل کی ایک SOP ایس او پی ہوتی ہے۔۔۔۔۔ آپ کے دورے سے پہلے ہمیں آپ کو مطلع کرنا چاہیے تھا۔ SOP ایسی SOP کو میں اپنی جوتے کی نوک پر رکھتا ہوں۔ مجھے اطلاع ملی ہے یہاں جیل میں دنگے ہونے والے ہیں اور دنگوں کی آڑ میں دیپ سنگھ کا

قتل ہوجائے گا۔''

''سر! ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔۔آپ کو غلط اطلاع ملی ہے۔'' جیلر نے جلدی سے سینٹر کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''اگر ایسا کچھ نہیں ہے تو پھر مجھے دیکھنے کے لئے اندر کیوں نہیں جانے دیا جارہا ۔۔۔۔۔؟ جیلر صاحب اگر دیپ کو کچھ ہوگیا تو میں آپ کی نوکری کھا جاؤں گا۔''

''سر! آپ دھمکی دے رہے ہیں۔۔۔۔۔'' جیلر نے قدرے غصے سے کہا۔

''جیلر صاحب! تمہاری اتنی اقاوت ہی نہیں کہ میں تمہیں دھمکی دوں۔تم ایک چھوٹی سی چونٹی ہو جو ہاتھیوں کی لڑائی کے درمیان آنے کی کوشش کر رہی ہے۔۔۔۔تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم خاموشی سے ایک سائیڈ پر ہو جاؤ۔'' سینٹر بلراج نے پھنکارتے ہوئے کہا جیلر اس کی بات سن کر کانپ گیا اسے سینٹر بلراج کی طاقت کا اندازہ تھا۔

''سر! پلیز۔۔۔۔آپ آرڈر لے کے آئیں بغیر اجازت آپ کو دورے کی اجازت دی تو میری نوکری خطرے میں پڑھ جائے گی۔'' جیلر اب معذرت پر اتر آیا۔

''اجازت ۔۔۔۔۔مجھے کس سے اجازت لینی ہے۔۔۔؟ میں سینٹر ہوں مجھ سے سینئر صرف جارج بش ہے (امریکی صدر) اب کیا صدر بش سے اجازت لیکر آؤں۔۔۔؟'' سینٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے سر! پھر آپ مجھے لکھ کر دیں کہ آپ دورے پر آئے ہیں۔۔۔۔'' جیلر نے جیل کی لاگ بک ان کی طرف بڑھائی تو سینٹر وہاں اپنے نام کا اندراج کرنے لگا اندراج کرنے کے بعد وہ جیل کے اندر چلا گیا۔

آٹھ بج چکے تھے قیدیوں کے باہر آنے کا وقت ہوگیا تھا۔سبھی قیدی اب سپورٹس گرونڈ کی طرف جارہے تھے۔

''ست سری اکال! پاہ جی۔۔۔۔۔'' سینٹر کو کچھ سکھ قیدیوں کے درمیان دیپ نظر آیا تو وہ

فوراً وہاں پہنچ گیا۔

اس نے عقیدت سے دیپ کے گھٹنوں کو چھوکر سلام کیا۔

''کیسے ہو۔۔۔۔۔؟ سینٹر صاحب! باہر کے حالات کیسے ہیں۔۔۔۔۔؟'' دیپ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سوال کیا۔

''پاہ جی! حالات ٹھیک نہیں ہیں آپ کو شہید کرنے کی سازش تیار ہو چکی ہے یہ لوگ کسی بھی وقت آپ کو ادھر جیل میں شہید کر سکتے ہیں۔'' سینٹر اسے دوسروں سے الگ ایک سائیڈ پر لے گیا۔

''چلیں! اچھا ہے۔۔۔۔۔زندگی کا انت ایک خالصتانی مجاہد پر ہو جائے میرے بعد راضی کو خالصتان تحریک کا سربراہ بنا دیجئے گا۔ وہ بہت قابل نوجوان ہے۔ میرے بعد خالصتان تحریک کو بہت اچھی طرح سنبھالے گا۔۔۔۔واہے گرو مہر کرے گا۔'' دیپ نے اوپر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کی آواز عاجزی اور انکساری سے بھری ہوئی تھی۔ وہ اپنی موت کی خبر سن کر بھی ڈرا نہیں تھا۔ اس کے قدم لڑکھڑائے نہیں تھے۔

''سینٹر! راضی بے شک مسلمان ہے۔۔۔۔وہ ہمارا ہم مذہب نہیں ہے لیکن وہ خالصتان کیلئے مخلص ہے وہ ہمارے لئے اپنی جان دے سکتا ہے۔'' دیپ انہیں میرے بارے میں بتانے لگا۔

''پاہ جی! آپ صحیح کہتے ہو۔۔۔۔۔وہ جان دینے ہی جارہا ہے راضی بھائی ادھر فیڈرل جیل پر حملہ کرنے جارہے ہیں۔'' سینٹر نے اپنی گھڑی پر ٹائم دیکھا اور وہی گھڑی دیپ کے بازو پر باندھ دی۔

''یہ ٹرانسمیٹر ہے۔۔۔۔پاہ جی! راضی بھائی کو آپ کی لوکیشن معلوم ہوتی رہے گی۔'' وہ دیپ کے بازو پر گھڑی باندھنے کے بعد دوسرے سکھ قیدیوں کو سمجھانے لگ گئے کہ انہیں حملے کے

دوران دیپ کو مکمل طور پر کور رکھنا تھا تاکہ حملے کے دوران اُن کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

''مترو۔۔۔۔دوستو! ڈیڑھ سو سال کے بعد ہمیں دیپ کی شکل میں ایک بہترین لیڈر ملا ہے جو خالصتان بنا سکتا ہے یہ گرو جی کی ہم پر مہر ہے اس کی حفاظت کرنا جان چلی جائے تو چلی جائے دیپ پاہ جی کو خراش بھی نہیں آنی چاہیے۔ یہ ہے تو ہم ہیں یہ نہیں تو کوئی بھی نہیں۔ واہے گرو جی کا خالصہ واہے گرو جی کی فتح۔۔۔۔۔'' اس نے گرو جی کی فتح بلائی اسی وقت ایک راکٹ لانچر اُڑتا ہوا آیا اور جیل کی دیوار کے اُوپر بنے ٹاور سے ٹکرا گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

لڑکے کا نام ستیا سنگھ (SATYA) تھا اور وہ پچیس سال کے قریب عمر کا تھا۔ ستیا کے ساتھ دو اور لڑکے تھے یہ تینوں لڑکے ایئر فورس کے ہوائی اڈے کے سامنے بنی ایک کینٹین میں کافی پی رہے تھے۔

''ستیا! کیا ہم کامیاب ہو جائیں گے۔۔۔۔۔؟'' ایک لڑکے نے قدرے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہوائی اڈے کی بیرونی دیوار کے ساتھ ایک ایموٹ کنٹرول بم لگا چکے تھے۔ انہیں ایئر پورٹ پر حملہ کرنے اور وہاں قبضہ کرنے کا مشن سونپا گیا تھا۔ وہ یہاں اپنی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے۔ سامنے پارکنگ لاٹ میں اسلحے سے بھری ہوئی گاڑی بھی موجود تھی جس میں رائفل سے لے کر چھوٹے سائز کے راکٹ لانچر اور دستی بم موجود تھے۔ مائیک نے اسلحے کا بندوبست کیا تھا وہ CIA میں تھا۔ اس نے مشن کے لئے اسلحے کے انبار لگا کر رکھ دیئے تھے۔

''ستیا! کیا راضی بھائی دیپ پاہ جی کو بچانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔۔۔۔۔۔؟'' اسی لڑکے نے دوبارہ نیا سوال کر دیا۔ اسے پہلے سوال کا جواب بھی نہیں ملا تھا۔

''یار! پتہ نہیں۔۔۔۔۔واہے گرو مہر کرے گا۔ ہمیں یہ کام دیا گیا ہے اور ہم یہ کر کے دکھائیں گے۔'' ستیا نے پر عزم لہجے میں کہا اور سر جھکا کر کافی پینے لگا۔۔۔۔۔۔

☆ ☆ ☆

☆

اُس آدمی کا پورا نام تو جسویندر سنگھ تھا لیکن سب اسے جسی کہہ کر ہی بلاتے تھے۔ وہ چالیس سال کے قریب عمر کا تھا۔ وہ بیس سال کی عمر میں امریکہ آیا تھا اُس نے ادھر میں امریکہ میں ہی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور ایک کار ساز ادارے میں ملازمت کر لی۔ اُس نے شادی بھی امریکہ میں ہی کی تھی۔ وہ دیپ کی خالصتان تحریک سے متاثر ہو کر ہم سے مل گیا تھا۔ وہ ہمارے اُن چالیس لوگوں میں شامل تھا جو آج اپنی جان دیپ پر نچھاور کرنے والے تھے۔ جسی نے اس وقت تھری پیس سوٹ پہنا ہوا تھا اور وہ ایک پرائیویٹ ہیلی کاپٹر کمپنی کے پاس آیا ہوا تھا۔

''سر! آپ کو چار گھنٹوں کے لئے ہیلی کاپٹر چاہیے۔۔۔۔۔؟ آپ کتنے لوگ ہوں گے؟'' دفتر میں آفس ٹیبل کے پیچھے بیٹھے ایک نوجوان نے اس سے سوال کیا۔

وہ ہیلی کاپٹر کمپنی کے مالک کا بیٹا تھا۔ وہ اس کمپنی کے تمام کاغذات اور ٹیکس وغیرہ دیکھتا تھا۔ اُن کے پاس تین ہیلی کاپٹر تھے جبکہ وہ اور اس کا والد پائلٹ بھی تھے دونوں کے پاس پائلٹ کا لائسنس بھی تھا۔ زیادہ تر اس کے والد ہی ہیلی کاپٹر اُڑاتے تھے اور وہی سیاحوں کو لے کر جاتے تھے ۔نوجوان دفتر کا کام ہی سنبھالتا تھا۔

''جی مجھے چار گھنٹوں کے لئے ہیلی کاپٹر چاہیے۔۔۔۔۔ہم دو لوگ ہوں گے میں اور میرا دوست وہ بالٹی مور میں ہوتا ہے۔ مجھے یہاں سے بالٹی میں جانا ہے میں وہاں سے اپنے دوست کو لوں گا اس کے بعد فلاڈیلفیا شہر کی طرف جائیں گے اور پھر وہاں سے واپسی خلیج ڈیلاور میں ڈیلاور ریاست کی سرحد کے ساتھ ساتھ اُڑتے ہوئے واپس آجائیں گے۔'' جسی نے اپنے سفر کی تمام تفصیلات بتائیں۔

نوجوان نے اس سے چار گھنٹے کے حساب سے پیسے وصول کئے جسے جسی نے کیش ادا کر دیئے۔ اس کے بعد نوجوان نے اس کا آئی ڈی کارڈ پاسپورٹ اور میڈیکل کارڈ لیے اور اس کی فوٹو کاپیاں کر کے اسے واپس کر دیئے۔ اس نے آدھے گھنٹے تک تمام کاغذات مکمل کئے اور جسی

کے ان پر دستخط کروانے کے بعد اُسے گیراج میں لے گیا۔

''ہائے! میرا نام ولیم (WILLIAM) ہے میں آپ کا پائلٹ ہوں۔''

''میرا نام جسی ہے جسویندر سنگھ۔۔۔۔۔'' جسی نے اپنا تعارف کروایا اور اس سے ہاتھ ملانے لگا۔

''ویلکم سر! آپ کا ہیلی کا پٹر تیار ہے۔۔۔۔۔ہم پرواز کریں گے۔'' ولیم اُسے ہیلی کا پٹر میں بیٹھانے لگا۔

''ہیپی جرنی سر! آپ کا سفر شاندار ہو۔۔۔۔'' ولیم کے بیٹے نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا اور واپس دفتر چلا گیا۔

''ویلکم ٹو آوور ہیلی کا پٹر سر۔'' ولیم نے اُسے خوش آمدید کہاا اور ہیلی کا پٹر سٹارٹ کرنے لگا۔

واشنگٹن سے بالٹی مور یہ ساٹھ 60 کلومیٹر شمال کی طرف تھا۔رقبے کے اعتبار سے امریکہ کی سب سے چھوٹی اور آمدن کے حساب سے سب سے بڑی ریاست میری لینڈ کا سب سے بڑا شہر ہے۔شہر کی آبادی آٹھ لاکھ کے قریب ہے۔جسی کا دوست شہر کے باہر مضافات میں رہتا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا ولا تھا جس کے اندر ہیلی پیڈ بھی بنا ہوا تھا۔ولیم ہیلی کا پٹر وہاں اُتار دیا۔

''سوری سر! آپ ہیلی کا پٹر کے اندر کوئی سامان نہیں لے جا سکتے۔'' ولیم نے آنے والے آدمی کے ہاتھ میں دو بڑے بڑے بیگ دیکھے تو فوراً انکار کر دیا۔

اس نے ہیلی کا پٹر بند کر دیا تھا اور ہیلی کا پٹر سے نیچے اُتر کر آ گیا تھا۔

'' آپ کو سامان کی ترسیل سے پہلے اینٹی نارکوٹکس سے بیگ کو سیل کروانا پڑھتا ہے اور اجازت نامہ بھی چاہیے ہوتا ہے۔'' ولیم نے انہیں سامان کی ترسیل کا طریقہ کار بتایا۔

''ویسے اس بیگ میں کیا ہے۔۔۔۔؟'' اس نے سرسری انداز میں سوال کیا۔

''اس میں خالصتان کا مستقبل رکھا ہوا ہے۔'' جسی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور ایک بیگ کھول کر دکھا دیا۔

ہلکے سرمئی رنگ کے دستی بموں کے ساتھ کالی سیاہ مشین گن کسی سانپ کی طرح نظر آرہی تھی ۔ بارود سے بھرے ہوئے بیگ کو دیکھ کر ولیم کی ٹانگیں کانپنے لگیں ۔ وہ اپنے ہیلی کاپٹر سمیت اغوا ہو چکا تھا۔

''ابھی ! تیار ہوناں جنگ کے لئے ۔۔۔۔۔؟'' میں نے گاڑی کی ڈگی میں پڑے ہوئے اسلحے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بالکل تیار ہوں بھائی ! آج امریکیوں کو بھی پتہ چلے گا کہ ہم سکھوں میں کتنی طاقت ہوتی ہے اور ہم اپنے لیڈر دیپ پاہ جی کے لئے کیا کیا کر سکتے ہیں ۔۔۔۔۔؟'' ابھی جیت نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

''سچ کہتے ہو ابھی ! یہ دنیا ابھی ہم سکھوں کی طاقت سے آشنا ہی نہیں ہے ۔۔۔ آج دنیا کو بھی پتہ چل جائے گا کہ ہم میں کتنی طاقت ہے ۔'' میں نے ڈگی بند کی اور کار میں بیٹھ گیا۔

ابھی جیت بھی دوسری طرف ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور اس نے کار سٹارٹ کر لی۔

''راضی بھائی ! آپ تو مسلمان ہو پھر ۔۔۔۔۔۔؟'' اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی ۔ وہ اپنی بات کو مکمل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''ابھی جیت صاحب ! یہ بہت گہری بات ہے آپ کو سمجھ نہیں آئے گی ۔۔۔۔۔ ویسے میں گورونانک صاحب کو اتنا ہی مانتا ہوں جتنا آپ سکھ مانتے ہو ۔ اُن کی تعلیمات خالص انسانیت کی بھلائی کے لئے تھیں اور میں اُن کی تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتا ہوں ۔ باقی انہوں نے ایک خدا کو ماننے اور اس کی عبادت کرنے کی تعلیم دی ہے ۔ آپ ایک خدا کو مانتے ہو اس کی عبادت کرتے ہو اس لئے سکھ ہو جبکہ ہم مسلمان اپنے نبی محمد ﷺ کی بتائی ہوئی تعلیمات کے مطابق اپنے خدا کی عبادت کرتے ہیں ہمارا ایمان ایک خدا اور اس کے آخری نبی ﷺ کو ماننا ہے ۔ ہم اپنے نبی ﷺ کے ساتھ ساتھ عیسائیوں اور یہودیوں کے نبی کو بھی مانتے ہیں ۔ ہم گرونانک صاحب کو بھی مانتے ہیں کہ وہ گرو تھے جو دنیا کو انسانیت کا سبق سکھا رہے تھے ۔ ہم ہندوؤں کو نہیں

مان سکتے بدھ مت پارسیوں کونہیں مان سکتے اس کے بعد مرزائی اور کیمیونسٹ ہیں یہ ہمارے اسلام کی بنیادی تعلیمات سے میل نہیں کھاتے یہ ایک خدا اور آخری نبی ﷺ کے آخری نظریے کونہیں مانتے اس لئے ہم مسلمان کبھی بھی ان مذہب کونہیں مان سکتے باقی گرونانک صاحب تو خدا اور اس کے آخری رسول کو نا صرف مانتے تھے بلکہ وہ پیدل مکے خانہ کعبہ میں عبادت کرنے کے لئے بھی گئے تھے۔ میرا مذہب گرونانک صاحب کو گرو ماننے سے نہیں روکتا آپ بھی اگر میرے نبی محمد ﷺ کا مان لیں تو سکھ اور مسلمان کا فرق ہی ختم ہو جائے۔''

''راضی بھائی! آپ کی باتیں سیدھی دل پر آ کر لگی ہیں اگر آج کی جنگ میں بچ گیا تو وعدہ کرتا ہوں آپ کے اسلام کا ضرور مطالعہ کروں گا۔'' ابھی جیت نے ایک گہری سانس لیکر کہا اور گاڑی آگے بڑھا دی ہمارا رُخ فیڈرل جیل کی طرف تھا۔

ہم ہردیپ سنگھ رندھاوا کو بچانے کے لئے اپنی زندگی کی سب سے بڑی جنگ لڑنے جا رہے تھے۔ فیڈرل جیل واشنگٹن شہر کے مشرقی جانب مین شہر سے تھوڑا ہٹ کر بنی ہوئی تھی۔ ہم وہاں پہنچے تو تو ہمارے استقبال کے لئے مائیک پہلے ہی وہاں تیار کھڑا ہوا تھا۔

''راضی بھائی! تمام تیاریاں مکمل ہیں۔ ہم راکٹ لانچروں کی مدد سے پہلے وارچنگ ٹاورز کو تباہ کریں گے۔ یہ ٹوٹل دس ٹاورز تھے۔ ان کو تباہ کرنے کے بعد ہم سپورٹس گراؤنڈ کی طرف والی دیوار گرائیں گے اور اس کی ساتھ ہی پیچھے باقی بلڈنگز پر بھی راکٹ لانچروں اور دستی بموں سے حملہ کیا جائے گا۔ ہم یہ پوری بلڈنگ ہی زمین بوس کر دیں گے۔ اس کے علاوہ فیڈرل جیل کو جیل اطراف سے راستے لگتے ہیں ہمارے لڑکے اس طرف بھی موجود ہیں ان کی مدد کے لئے زمینی راستے سے جو بھی پولیس یا آرمی آئے گی وہ لڑکے انہیں راستے میں روک لیں گی۔ ان کے پاس کافی اسلحہ ہے اور وہ اس اسلحے کے ساتھ کم از کم ایک گھنٹے تک ان کو ادھر ہی مقابلے پر روک کر رکھ سکتے ہیں ہمارے پاس ایک گھنٹہ ہوگا۔ اس سے آگے لڑکے نہیں روک سکیں گے۔'' مائیک نے مجھے تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

''راضی بھائی! ائیر اٹیک کا کیا کریں گے۔۔۔۔؟ یہاں حملے کے پندرہ منٹ کے اندر اندر امریکی گن شپ ہیلی کاپٹر آ جائیں گے۔'' اس بار سوال ابھی جیت کی طرف سے تھا۔

''گن شپ ہیلی کاپٹر کی فکر نہیں ہے۔ان کو ہم سنبھال لیں گے۔ ہمارے پاس راکٹ لانچر ہیں اور راکٹ لانچر کی مدد سے ہیلی کاپٹر نشانہ بنانا انتہائی آسان ہوتا ہے۔ہمیں صرف ائیر کرافٹ کی فکر ہے۔ وہ آئے تو جنگ کا پانسا بدل جائے گا۔ہم اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ائیر کرافٹ کی مشین گن اور چھوٹے مزائل یہاں سب کو ادھیڑ کر رکھ دیں گے۔'' میں نے قدرے فکر مندی سے کہا اور ایک راکٹ لانچر آٹھا لیا۔

''اوہ۔۔۔۔ یہ تو بہت ہول ناک ہو جائے گا جنگی ائیر کرافٹ تو بجلی کی رفتار سے بھی تیز ہوتے ہیں۔ ہم تو ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔'' ابھی جیت نے پریشان لہجے میں کہا۔

''یہ بات تو ہے یہ کافی ڈرنے والی بات ہے تو ٹھیک ہے ڈرتے رہو۔۔۔۔ میں تو جنگ کا آغاز کرنے لگا ہوں۔'' میں نے شرارتاً کہا اور راکٹ لانچر سے لیکر ٹاور کا نشان لے کر فائیر کر دیا

۔

میرے فائیر کرتے ہی زوردار دھماکوں کی آواز آئی اور ساتھ کئی راکٹ اڑتے ہوئے ٹاورز سے ٹکراتے اور دس کے دس ٹاورز دھماکوں سے لرز اُٹھے۔ میں نے لانچر کو دوبارہ لوڈ کرنے کے لئے ابھی جیت کو پکڑایا اور دوسرا راکٹ لانچر پکڑ کر پھر اسی ٹاور پر فائیر کر دیا ایک منٹ کے اندر اندر ہم نے کوئی تیس کے قریب راکٹ لانچر فائیر کئے جنہوں نے تمام ٹاورز کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ جیل کی کافی دیواریں کافی مضبوط تھیں۔ یہ بیس 20 انچ موٹی کنکریٹ کی دیواریں تھیں۔ ہم کچھ دستی بم دیوار پر مارے لیکن اس دیوار کو بہت معمولی سا نقصان ہوا۔

''راضی بھائی! ہمیں وین ہی ٹکرانا پڑے گی۔'' ابھی جیت نے بارود سے بھری وین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے جلدی سے وین میں بیٹھ کر اسے سٹارٹ کیا اور روڈ پر

کافی پیچھے لے گیا۔کوئی 100 میٹر کے قریب پیچھے جانے کے بعد اس نے وین کا ٹاپ گیئر لگایا اور پوری رفتار سے دیوار کی طرف بڑھنے لگا۔میرا دل اچھل کر حلق تک آ گیا کوئی پچاس میٹر کے فاصلے پر ابھی جیت نے وین کا دروازہ کھولا اور باہر چھلانگ لگا دی۔وہ سڑک پر لڑھکتا ہوا دور تک چلا گیا۔ وین پوری رفتار سے دیوار کے ساتھ ٹکرائی اور دھماکے سے پھٹ گئی۔وین کے اندر کوئی 100 کلو کے قریب بارود تھا جس نے دیوار کے پرخچے اُڑا کر رکھ دیئے۔

دیور کے گرتے ہی ہم سب تیزی سے بھاگتے ہوئے جیل کے اندر چلے گئے۔سامنے جیل کے مسلح پہریدار عمارت کے اندر سے ہم پر فائیرنگ کررہے تھے۔ہم اُن سے بچتے بچاتے اندر گھسنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہاں کوئی دس منٹ تک مسلسل لڑائی چلتی رہی۔میرے پیچھے باہر کھڑے لڑکوں نے راکٹ لانچروں کی مدد سے عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی تھی۔ پولیس والے باہر نکلتے تو آگے ہماری گولیاں اُن کا استقبال کررہی تھیں۔جیل کے اندر قیدی بھی ہماری ساتھ دے رہے تھے ہم ٹوٹل بیس لڑکے یہاں آئے تھے۔اُن میں سے دس شہید ہو چکے تھے باقی ہم دس رہ گئے تھے۔ پولیس والے اگر تھوڑا ثابت قدم رہتے تو وہ ہمیں آسانی سے ٹارگٹ کر سکتے تھے لیکن پے در پے راکٹ لانچروں کے دھماکوں نے اُن کے حوصلے پست کر دیئے تھے۔

عمارت پوری تباہ ہوچکی تھی دس ہزار قیدی اب گری ہوئی دیوار سے باہر فرار ہو رہے تھے۔ سب سے زیادہ لڑائی دیپ کی جگہ پر ہوئی تھی۔ پولیس والوں نے حملہ کامیاب ہوتے دیکھا تو وہ دیپ کو مارنے کی کوشش کرنے لگے۔ وہاں کوئی پانچ سو کے قریب سکھ قیدی تھے یہ زیادہ تر غیر قانونی مہاجرین تھے جو امریکہ میں ڈنکی لگا کر آئے تھے۔سبھی بیس سے پچیس سال کے نوجوان لڑکے تھے اور اُن سب نے اپنی قربانی کا حق ادا کر دیا تھا۔وہ دیپ کو پوری لڑائی کے دوران اپنے حصار میں لیتے رہے۔ پانچ سو میں دو سو لڑکے وہیں شہید ہو گئے لیکن موت کے خوف سے کوئی بھی دیپ کو اکیلا چھوڑ کر نہ بھاگا۔

میں فائیرنگ کرتا ہوا وہاں پہنچا تو مجھے دیپ خون سے سرخ کپڑوں میں لتھڑا نظر آ گیا۔

وہاں قیدیوں کے سفید لباس تھے۔ دیپ نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے جو سرخ ہو چکے تھے۔

''دیپ! نکلو یہاں سے۔۔۔۔۔'' میں نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو وہ وہیں لاشوں کے اُوپر گر گیا۔

''دیپ! جلدی کرو ہمارے پاس ٹائم نہیں ہے یہاں کچھ ہی دیر میں ایئر سٹرائیک ہو جائے گی۔'' میں نے دوبارہ اس کا بازو پکڑا اور کھینچنے لگا۔

''راضی! یہ صحیح نہیں ہوا۔۔۔۔۔میری اکیلے کی جان بچانے کے لئے یہاں سینکڑوں سکھ نوجوان شہید ہو گئے۔'' وہ ایک بار پھر لڑکھڑایا اور دوبارہ گر گیا۔

''ابھی جیت! دیپ کو پکڑو ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔'' میں نے چیختے ہوئے ابھی جیت کو پکارا۔

وہ میرے پیچھے ہی کھڑا تھا اس نے ایک سائیڈ سے دیپ کو پکڑا تو میں نے دیپ کا دوسرا بازو پکڑا اور اُسے بھگاتا ہوا جیل سے باہر نکلنے لگا۔ اُوپر ابھی بھی پولیس والے موجود تھے جو ابھی بھی ہلکی ہلکی مزاحمت کر رہے تھے۔ انہیں میں سے ایک پولیس والے نے ہمیں بھاگتے دیکھا تو اس نے دیپ کا نشانہ لے کر فائیر کر دیا گولی سنساتی ہوئی آئی لیکن دیپ سے پہلے میں ایک جھٹکے سے آگے آ گیا۔ گولی میرے بازو کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ مجھے ایک زوردار جھٹکا لگا۔ میں نیچے گرنے لگا لیکن دیپ نے جلدی سے مجھے پکڑ لیا ابھی جیت نے اپنی رائفل کا رُخ عمارت کی طرف کیا اور پورا برسٹ مار دیا۔

ہمیں پولیس والے کی چیخ سنائی دی اور وہ عمارت سے نیچے گرتا ہوا نظر آ گیا۔ ہم سب تیز فائیرنگ کی بوچھاڑ میں جیل سے باہر آ گئے مائیک وہاں کی ایمبولینس لیئے پہلے سے کھڑا تھا ہم باہر نکلتے ہی ایمبولینس میں بیٹھے اور ایمبولینس شہر سے باہر جانے والے راستے پر فراٹے بھرنے لگی۔ ہم دیپ کو باحفاظت جیل سے باہر لیکر آ گئے تھے اب ہمیں امریکہ سے باہر جانا تھا۔ اس کام کے لئے ستیا اور جسویندر دو الگ الگ ٹیمیں تھیں۔ ستیا سنگھ اس وقت امریکی ہوئی اڈے کی بیرونی دیوار پر

ریموٹ کنٹرول بم لگاتے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا جبکہ مسویندر سنگھ کا ہیلی کاپٹر ہوائی اڈے سے محض دو کلومیٹر دور ایک پہاڑی کی روٹ میں کھڑا تھا۔

اس کے ساتھ چار اور لڑکے تھے۔ وہاں ہوائی اڈے والے میشن میں ٹوٹل سات لڑکے تھے جبکہ شہر میں ہنگامہ کرنے کے بعد دوسرے لڑکے بھی وہاں پہنچ رہے تھے۔ فیڈرل جیل پر حملہ کرنے والے بیس لڑکوں میں سے بارہ شہید ہو چکے تھے جبکہ باقی بچ جانے والے لڑکے اب ہمارے پیچھے پیچھے ہوائی اڈے کی طرف آ رہے تھے ہم اب دوسرا حملہ کرنے والے تھے۔ میرا سگنل ملتے ہی صبویندر سنگھ ہیلی کاپٹر ہوائی اڈے کی طرف لئے گیا۔ ستیا اور اس کا ساتھی اوپر آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں جیسے ہی ہیلی کاپٹر اپنی طرف آتا نظر آیا تو انہوں نے ریموٹ کا بٹن دبایا اور ہوائی اڈے کی بیرونی ایک دھماکے سے پھٹ گئی۔

اسی وقت ستیا اور اس کے ساتھی نے اسلحہ نکالا اور انہوں نے ہوائی اڈے کے مین گیٹ پر حملہ کر دیا۔ مین گیٹ پر لڑائی شروع ہوئی تو اسی وقت ہیلی کاپٹر ہوائی اڈے کے اندر آیا اور اس کے اندر موجود لڑکے چھلانگیں لگا کر نیچے اترے اور انہوں نے اندر سے فائیرنگ شروع کر دی۔ شہر کی طرف سے دوسرے لڑکوں نے دوسری طرف سے حملہ بول دیا۔ ہوائی اڈے کے اندر ملٹری کی بہت ٹائٹ سکیورٹی تھی۔ ملٹری کمانڈرز بڑی تیزی سے حرکت میں آئے اور ہمارا مقابلہ کرنے لگے جسویندر سنگھ نے تمام لڑکوں کو ہیلی کاپٹر سے اتار دیا تھا۔ خالی ہیلی کاپٹر کے اندر اب وہ بارود کے ایک بیگ کے ساتھ اکیلا تھا اس کا ہیلی کاپٹر ہوائی اڈے کے اوپر اُڑ رہا تھا۔

''واہے گرو۔۔۔۔۔ یا سچے بادشاہ! یہ جنم تو خالصتان پر قربان کر دیا اگلہ جنم آزاد خالصتان کی فضاؤں میں نصیب کرنا۔'' اس نے ہیلی کاپٹر کی کھڑکی سے باہر آزاد فضاؤں میں پرندوں کی طرف دیکھا اور اور ہیلی کاپٹر کو مین عمارت سے ٹکرا دیا۔

وہاں ملٹری کے کمانڈرز پوزیشن لیکر لڑ رہے تھے ہیلی کاپٹر عمارت سے ٹکرایا تو تیل کی ٹنکی میں آگ لگ گئی ور وہ دھماکے سے پھٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی بارود سے بھرا بیگ بھی پھٹا اور عمارت

کی پوری چھت ہی زمین بوس ہوگئی جسی کا خودکش حملہ عمارت میں موجود کمانڈوز کو ختم کر گیا ۔ ہمارے ہوائی اڈے تک پہنچے سے سے پہلے پہلے لڑکوں نے ہوائی اڈے پر قبضہ کر لیا تھا۔ ہماری ایمبولینس وہاں پہنچی تو ہمیں ہر چیز کلیئر مل گئی ۔ وہاں ہوائی اڈا مکمل تباہ ہو چکا تھا۔ انسانی لاش اور ان کے چیتھڑے ہوائی اڈے پر بکھرے پڑے تھے۔ دیپ کی حالت اتنی تباہی دیکھ کر پھر خراب ہونے لگی ۔ اس کے چہرے پر دُکھ اور درد کی پرچھائیں صاف نظر آ رہی تھیں۔

''راضی! واہے گرو مہر کرے ۔۔۔۔ تم نے بہت تباہی مچائی ہے۔'' ہر طرف تباہی اور بربادی دیکھ کر دیپ آنکھوں سے آنسوؤں جھلکنے لگے۔

''دیپ! خدا کے لئے جلدی نکلو ادھر سے ہم اب بھی خطرے میں ہیں ہمیں جلد سے جلد امریکہ سے باہر نکلنا ہے۔'' میں نے اسے بازو سے پکڑا اور تیزی سے بھگاتا ہوا ایک جہاز کی طرف لے جانے لگا۔

یہ امریکی F16 ایئر کرافٹ تھا۔ جو بالکل تیار حالت میں کھڑا تھا۔ یہ فیڈرل جیل پر ہونے والے حملے کو روکنے کے لئے تیار ہوا تھا لیکن اڑنے سے پہلے ہی ہمارے لڑکوں نے ہوائی اڈے پر حملہ کر دیا تھا۔ پائلٹ جہاز سے صرف دس منٹ کے فاصلے تک ہی پہنچا تھا اور مارا گیا تھا۔ یہ چھوٹا دو سیٹ والا جہاز تھا لیکن ہم تمام لڑکے اس کے اندر گھس گئے ۔ چالیس میں سے ہم صرف دس لڑکے ہی بچے تھے۔ باقی سب شہید ہو چکے تھے۔ ہوائی اڈے پر ہمارا زیادہ نقصان ہوا تھا۔ یہاں ملٹری کے تربیت یافتہ کمانڈوز تھے۔ اس لئے انہیں لڑائی کا زیادہ تجربہ تھا ہمارا بہت زیادہ نقصان ہوا تھا لیکن پھر بھی ہم کامیاب ہو چکے تھے۔ تمام لڑکے جہاز کے اندر گھس گئے تو میں نے جہاز سٹارٹ کیا اور رن وے پر دوڑانے کے بعد اوپر فضا میں لے آیا۔ فضا میں آتے ہی میں نے جہاز کو ایک غوطہ دیا اور طیارے کا رخ ایٹلانٹک اوشن کی طرف تھا۔ مشرقی سمندر ہم سے محض 80 کلومیٹر دور تھا۔ F16 طیارے کی سپیڈ ڈھائی ہزار کلومیٹر (2414/4) فی گھنٹہ تھی۔

ہم نے اسی کلومیٹر کا سفر پلک جھپکنے میں ہی کر لیا سمندر میں پہنچنے کے بعد میں نے طیارے کا

رُخ جنوب کی طرف کردیا۔ ہماری منزل اب دو ہزار کلومیٹر دور کیوبا (CUBA) تھا کیوبا امریکہ کے جنوب مشرق میں ایک لاکھ دس ہزار (109,884) مربع کلومیٹر رقبے پر پھیلا ایک آزاد ملک تھا۔ ہسپانوی زبان بولنے والے اس ملک کی امریکہ سے طویل عرصہ سے جنگ چل رہی تھی یہ دونوں ملک ایک دوسرے کے دشمن تھے میں نے اسی لئے کیوبا کا رُخ کیا تھا۔ سمندر کے سطح کے اُوپر میں طیارہ محض پچاس میٹر 50 کی بلندی پر چلا رہا تھا۔

یہ انتہائی خطرناک تھا اتنی سپیڈ پر جہاز کو کنٹرول کرنا ناممکنات میں سے تھا زمین کی گریوٹی جہاز کو نیچے کھینچ رہی تھی۔ جس کی وجہ سے پورا جہاز لڑکھڑا رہا تھا۔ اتنی سپیڈ پر طیارہ اگر نیچے پانی سے ٹکرا جاتا تو اس کے ہزاروں ٹکڑے ہو جانے تھے۔ مجھے سامنے سمندر میں موجود چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا بھی خیال رکھنا تھا دس لوگوں کے ساتھ جو طیارے کے کاک پٹ میں دھنسے ہوئے تھے۔ اتنے لوگوں کے ساتھ 50 میٹر کی بلندی پر F16 طیارے کو اپنی پوری رفتار سے چلانا ایک عالمی ریکارڈ ہی ہوسکتا تھا۔ یہ لڑائی نہ ہوتی تو میرا نام گینز بُک آف ورلڈ ریکارڈ میں ضرور لکھا جاتا۔

مجھے امریکی ریڈاروں سے بچنا تھا جو 50 میٹر سے اُوپر کسی بھی چیز کو پکڑ سکتے تھے۔ پچاس میٹر تک بحری جہاز اور چھوٹی پہاڑیاں بلند ہوتی ہیں اسی لئے ریڈار پچاس میٹر سے نیچے کام نہیں کرتا۔ ایک گھنٹے کی مسلسل پرواز کے بعد ہم کیوبا پہنچ گئے۔ کیوبا کے بیاموں (BAYAMO) شہر کے باہر جنگل میں ایک عارضی رن وے بنا ہوا تھا۔ جہاں ہمارے آدمی انتظار کررہے تھے میں نے جہاز کو جنگل میں بنے عارضی رن وے پر اُتار دیا۔

''روشن (ROSHAN) بھائی! تمام انتظامات مکمل ہیں ۔۔۔۔؟'' میں جہاز سے نیچے اُترا اور وہاں کھڑے آدمی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ میرے پیچھے دیپ اور دوسرے لڑکے بھی اُتر گئے۔

''جی بھائی! تمام انتظامات مکمل ہیں ۔۔۔۔ دونوں گاڑیاں تیار ہیں ہم ابھی ادھر سے نکلیں گے۔'' روشن ہمیں ایک طرف کھڑی گاڑیوں کی طرف لے گیا۔

روشن پاکستانی انٹیلی جنس کے لئے کام کرتا تھا۔ یہ کیوبا میں ہماری ایجنسی کا سیف انچارج تھا۔ میں نے جنرل ندیم کو درخواست کی تھی اور انہوں نے ہی یہ سارا انتظام کیا تھا۔

’’ راضی بھائی ! آپ دو گاڑیوں میں الگ الگ سیف ہاؤسز میں جائیں گے ناں ۔۔۔۔۔؟‘‘ گاڑیوں کے پاس پہنچنے کے بعد روشن رک کر مجھ سے پوچھنے لگا۔

’’جی ۔۔۔۔ میں دیپ اور ابھی جیت ایک گاڑی میں جائیں گے جبکہ باقی لڑکوں کو مائیک لے کر چلا جائے گا۔ یہ مہینہ دو مہینے تک ادھر سیف ہاؤس میں ہی چھپے رہیں گے اور ہمارے آرڈر کا انتظار کریں گے۔ جیسے ہی تھوڑے حالات ٹھیک ہوں گے ہم پھر تحریک کو منظّم کر لیں گے۔‘‘ میں نے مائیک کو دوسری وین میں بھیج دیا اور دیپ اور ابھی جیت کے ساتھ پہلی وین میں بیٹھ گیا۔

’’دیپ بھائی ! آپ ٹھیک ہوناں ۔۔۔۔۔؟‘‘ میں نے سیکنڈ سیٹ پر بیٹھے دیپ سے پوچھا لیکن وہ خاموشی سے دوسری طرف منہ کر کے بیٹھا رہا۔ وہ میری بات کا جواب ہی نہیں دینا چاہتا تھا۔

’’بھائی ! تمہارے والد کرنل سندیپ نے کہا تھا جو بھی تمہیں ایک نظر بھر کر دیکھے گا اُسے تم سے محبت ہو جائے گی ۔ ایک نظر کیا میں نے تو ایک زندگی تمہارے ساتھ گزار دی ہے اور محبت ۔۔۔۔۔ محبت تو اب بہت چھوٹا لفظ ہو گیا ہے ۔ یہ محبت ، یہ عقیدت ، یہ عشق آپ اور آپ کے خالصتان سے اس قدر ہو چکا ہے کہ اب اس کے لئے میں پوری دنیا کو آگ لگا سکتا ہوں ۔ کوئی مرتا ہے تو مر جائے لیکن آپ کو ایک خراش بھی نہیں آنی چاہیے۔‘‘ میں نے محبت سے اس ناراض لیڈر کے چہرے کو چھوا اور گاڑی آگے بڑھا دی ۔ بیامو (BAYAMO) کے جنگلات آگے جنوبی ساحل تک پھیلے ہوئے تھے۔

یہ جنگل کوئی پچاس کلومیٹر کے قریب چوڑا تھا جس سے آگے جنوبی اٹلانٹک سمندر (WEST .ATLANTAC.OCEAN) شروع ہو جاتا تھا۔ میں جنگل کے بیچوں بیچ ایک پتلی سی سڑک پر وین دوڑاتا ہوا آدھے گھنٹے میں ساحل پر پہنچ گیا۔ آگے ساحل پر ایک لانچ

تیار کھڑی ہمارا انتظار کر رہی تھی ہم وین وہیں چھوڑی اور لانچ میں بیٹھ گئے لانچ کے کپتان نے لانچ ہمارے حوالے کی اور خود وین لے کر نکل گیا۔ وہ بیاموشہر کی طرف جانے کی بجائے دوسری طرف منزانیلوشہر کی طرف جا رہا تھا۔ وہ وین کو وہیں منزانیلو میں چھوڑتا اور خود پبلک بس کے ذریعے کیوبا کے دارلحکومت ہوانا چلا جاتا یہ لانچ بھی ہوانا سے ہی یہاں آئی تھی۔ میں نے اس لانچ کی پوری قیمت سے سے تین گنا زیادہ رقم ادا کی تھی۔

کھلے سمندر میں پہنچنے کے بعد ہم جمیکا کو کراس کیا۔ یہ ویسٹ انڈیز کا ایک آزاد ملک ہے۔ ویسٹ انڈیز تیس 30 سے زائد چھوٹے بڑے آزاد جزاسٹر پر مشتمل ہے یہ سب خودمختار یا نیم خود مختار ممالک ہیں جو ویسٹ انڈیز کا حصہ ہیں۔ ہم جمیکا کو کراس کیا اور کولمبیا پہنچ گئے۔ یہ ساڑھے گیارہ لاکھ (11,41,748) مربع کلومیٹر پر محیط جنوبی امریکہ کا ایک بڑا اور طاقتور ملک تھا۔ یہاں ہسپانوی زبان بولی جاتی تھی لانچ سے اُتر کر ہم ایک بار کار میں بیٹھے اور مسلسل جنوب کی طرف سفر کرنے لگے۔ ہماری اصل منزل ایمزون کے جنگلات تھے۔

70 لاکھ مربع کلومیٹر پر پھیلے ہوئے دنیا کے سب سے بڑے جنگل میں چھپنا بہت آسان تھا یہاں گھنے جنگل میں ایسے لاکھوں قبائل موجود تھے جو بیرونی دنیا سے بالکل الگ تھلگ تھے۔ میں ایک مشن کے دوران یہاں آچکا تھا۔ یہاں ایمیزون میں ایک چھوٹا سا فشر قبیلہ تھا جوریو کا چوتا دریا کے کنارے انتہائی گھنے جنگلات میں آباد تھا۔ یہ لوگ دریا سے مچھلی کا شکار کرتے تھے اور یہی کھاتے تھے اُن کا بیرونی دنیا سے صرف دریا میں آنے والی کشتیوں سے ہی رابطہ تھا۔ یہ کشتیاں اُن سے شکار کیئے ہوئے جانور اور مچھلیاں لیتے تھے اور انہیں اُن کے بدلے دوسری ضروریات زندگی کی اشیا دے دیتے تھے۔

یہ صرف 100 افراد پر مشتمل چھوٹا سا قبیلہ تھا جن کی اپنی قبائلی دنیا تھی جن کی کسی کو بھی سمجھ نہیں آتی تھی یہ لوگ کشتیوں میں آنے والے سوداگروں سے بھی اشاروں سے بات کرتے تھے۔ میں ایک مشن کے دوران زخمی ہوگیا تھا۔ میرے پاس ایک چھوٹا فوکر طیارہ تھا جو ایمیزون جنگل

کے اُوپر پرواز کرتے ہوئے خراب ہوکر گر گیا تھا۔ میں زخمی حالت میں دریا میں گر گیا تھا۔ جہاں سے پانی کے تیز بہاؤ کے ساتھ بے ہوش تہرتا ہوا میں ان کے قبیلے کے پاس آ گیا تھا۔فشر قبیلے کے ایک نوجوان لوکس نے مجھے دریا سے نکالا تھا میری ایک ٹانگ بہت بری طرح سے زخمی ہوگئی تھی۔

میں نے چھ مہینے اس قبیلے میں گزارے تھے اور مکمل صحت یاب ہوکر وہاں سے گیا تھا۔ میں نے مہینوں میں نہ صرف دوستی کر لی تھے بلکہ ان کی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ یہ ایمیزون جنگل کے اندر ہمارا ایسا سیف ہاؤس تھا جیسے میرے اور جنرل ندیم کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ یہ جگہ ہمارے لئے بہترین تھی۔ہم یہاں بالکل محفوظ تھے چوبیس گھنٹے کا مسلسل سفر کرنے کے بعد ہم فشر قبیلے میں پہنچ گئے۔

''امل! دیکھوتو کون آیا ہے۔۔۔۔۔؟'' لوکس ہمیں لے کر گھر آیا اور اپنی بہن کو پکارنے لگا۔

وہ ہمیں دریا کے کنارے ہی مچھلیاں پکڑتا ہوا مل گیا تھا۔لوکس اور امل دو بہن، بھائی تھے۔لوکس کی عمر پچیس سال تھی جبکہ امل ابھی اٹھارہ سال کی ہوئی تھی۔ پانچ سال پہلے جب میں یہاں آیا تھا تو اس وقت امل تیرہ سال کی چھوٹی سی بچی تھی۔ ہلکے سانولے رنگ کی وہ چھوٹی سی بچی مجھے اچھی لگتی تھی۔ مجھے اس کی شرارتیں اور معصومیت بہت بھاتی تھیں۔ میری کوئی بہن نہیں تھی اس لئے میں نے امل کو اپنی بہن بنالیا تھا۔لوکس اور امل کے ماں باپ ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے تھے۔ان کا قبیلہ پہلے پہاڑی کے دوسری طرف ٹھٹھی جیل کے کنارے پر آباد تھا۔وہاں پہاڑی کے دوسری طرف بہت بڑی جھیل تھی۔

یہ جھیل کوئی دس ہزار مربع کلومیٹر پر پھیلی ہوئی تھی۔ یہ لمبائی کے رخ تھی جو آگے جا کر دریائے ریو کا چوتا سے مل جاتی تھی۔اس جھیل میں بہت زیادہ مچھلی تھی۔ دونوں کناروں پر دوسو جنگلی قبائل آباد تھے۔ جو مچھلی کا شکار کرتے تھے۔لوکس کا قبیلہ بھی پہلے جھیل کے کنارے پر آباد تھا اور مچھلی کا شکار کرتا تھا۔ یہاں جھیل میں مگر مچھ بھی بہت زیادہ تھے اور اژدھے جنہیں ہم ایناکونڈہ کہتے ہیں وہ

بھی زیادہ تھے۔لوکس کی ماں کوجھیل سے مچھلی پکڑتے وقت ایک مگرمچھ نے پکڑ لیا تھا۔لوکس کے والدانہیں بچانے کے لئے جھیل میں کودے اوروہ بھی مارے گئے۔

ایمیزون جنگل ایسے ہی عجوبوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہاں ایسے ایسے جاندار موجود تھے جنہیں ابھی تک سائنس جانتی ہی نہیں تھی۔ یہاں جنگل کی بیچوں بیچ ایسے اسرار تھے جہاں ابھی تک کوئی انسان پہنچا ہی نہیں تھا گھنے جنگل اور پہاڑی گھائیوں میں کئی ایسے قبیلے موجود تھے جہاں جدید دنیا پہنچ ہی نہیں سکتی تھی۔وہ اکیسویں صدی میں بھی پتے باندھتے اور کچا گوشت کھاتے تھے۔ یہ کسی بھی بین الاقوامی ایجنٹ یا جاسوس کے چھپنے کیے لئے بہترین جگہ تھی۔

میں مسلمان ہوں میں تو نعوذ باللہ یہ بات نہیں کہہ سکتا لیکن دنیا کے بڑے بڑے انٹیلی جنس اداروں میں یہ بات مشہور تھی کہ ایمیزون کے جنگلوں میں تو خدا بھی کسی آدمی کو تلاش نہیں کرسکتا۔ یہ ایسے جنگل تھے جہاں سورج کی روشنی زمین پر نہیں آتی تھی اور دن کے بارہ بجے بھی رات کا گمان ہوتا تھا ٹھٹھی جیل کے کنارے لوکس کے قبیلے والوں کے مچھلی اور دوسرا شکار بہت ملتا تھا لیکن وہ علاقہ خطرناک تھا۔وہاں ہروقت جان کوخطرہ لگا رہتا تھا۔وہ لوگ وہاں سے نقل مکانی کرکے اس طرف آ گئے تھے۔ یہ مشوہ میں نے ہی ان کو دیا تھا اور میرے ہوتے ہوتے ہی وہ ادھر آ کر بس گئے تھے یہ جگہ بہت محفوظ تھی۔

یہ پہاڑی کے دامن میں قدرے اونچی جگہ تھی ہم نے قبیلے کے چاروں طرف 5*5 فٹ کی گہری خندق کھودی ہوئی تھی۔جس سے ہم مگرمچھوں اور اژدھوں سے محفوظ ہو گئے تھے جبکہ اس خندق کی وجہ سے ہمیں چھوٹے جانور بھی مل جاتے تھے۔ یہ وہ چھوٹے بڑے جانور تھے جو درندوں سے بچنے کے لئے بھاگتے تھے اور خندق میں گر جاتے تھے۔ پاکستان میں جب فوجی باہر سکیم (ٹریننگ) پر جاتے تھے۔تو خیمہ لگانے سے پہلے خیمے کے چاروں طرف دو دو فٹ کی چوڑی خندق کھودتے ہیں۔ یہ سانپوں سے بچنے کے لئے ہوتی ہے میں نے وہی طریقہ یہاں پانچ پانچ فٹ سے زیادہ گہری خندق کھود کر استعمال کیا تھا۔کوئی بھی سانپ یا مگرمچھ اس طرف آتا تو وہ خندق

میں گر جاتا تھا اور پھر باہر نہیں نکل سکتے تھا۔

''بھیا! آ گئی آخر آپ کو ہماری یاد۔۔۔۔۔؟'' جھونپڑے کے دروازے پر ایک اٹھارہ سال کی لڑکی آ کر کھڑی ہوگئی تھی اور اس نے ہمارا راستہ روک لیا تھا۔

''امل! کتنی بڑی ہوگئی ہے تو۔۔۔۔۔'' میں اس کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھنے لگا۔

تیرہ سال کی چھوٹی سی بچی اب بڑی ہوگئی تھی ہلکا سانولا رنگ موٹی سیاہ آنکھ اور پتلے پتلے گلابی ہونٹوں کے ساتھ نازک لمبی صراحی نما گردن وہ چھوٹی سی شرارتی بچی اب ایک حور ایک اپسرا بن چکی تھی۔

''بھیا جی! میں تو بڑی ہوگئی ہوں لیکن آپ تو ابھی تک ویسے کے ویسے ہی ہو بالکل بھی نہیں بدلے۔'' میں نے اپنے بازو کھولے تو وہ جلدی سے میرے گلے لگ گئی۔

''بھیا! ویسے آپ سے زندگی بھر نہ بولنے کا عہد کیا ہوا تھا لیکن آپ کو دیکھتے ہی قسم ٹوٹ گئی۔ آپ بہت گندے ہو۔۔۔۔۔۔آپ کو ہماری یاد ہی نہیں آتی ہے۔'' وہ میرے گلے سے لگی شکوے کرنے لگی۔

''ارے! آپ تو ہمیشہ میرے ساتھ ہوتی تھیں میں جب بھی اپنی آنکھیں بند کرتا تھا آپ جھٹ سے میرے خیالوں میں آ جاتی تھیں۔ آپ تو ہمیشہ سے ہوتی تھیں میرے ساتھ سوتے جاگتے ہنستے مسکراتے روتے ہر پل ہر لمحہ اب میں آپ کے پاس کیوں نہیں تھا یہ تو مجھے نہیں پتہ شاید آپ مجھ سے اتنی محبت نہیں کرتیں جتنی میں کرتا ہوں۔'' میں نے شرارتی لہجے میں کہا تو وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔

''بھائی! اب ایسا تو مت بولو ناں۔۔۔۔۔ میں تو آپ سے بہت بہت زیادہ محبت کرتی ہوں۔'' وہ ایک بار پھر ناراض ہونے لگی لیکن میں نے جلدی سے اپنے کانوں کو ہاتھ لگایا اور اس معذرت کرنے لگا۔

کچھ دیر تک ایسے ہی نوک جھوک چلتی رہی اور ہم سب جھونپڑی کے اندر چلے گئے اندر لوکس

(LUCUS) کی بیوی اوراس کا دوسال کا بیٹا بیٹھے ہوئے تھے۔لوکس نے میرے جانے کے بعد شادی کر لی تھی اوراس کا ایک بیٹا بھی ہو گیا تھا۔

''ارے لوکس بھائی! اس چڑیل کی شادی نہیں کی ہے ابھی تک۔۔۔۔۔۔؟'' میں نے لوکس کے چھوٹے بیٹے کو گود میں اٹھا کر کہا۔

''دیکھو! کتنی بڑی ہوگئی ہے۔۔۔۔؟ اب اس کی شادی کرواور نکالو اپنے گھر سے۔۔۔۔'' میں نے امل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھائی! مجھے شادی نہیں کرنی میں ادھر بھائی کے ساتھ ہی ٹھیک ہوں۔'' وہ جلدی سے کہنے لگی۔

''راضی بھائی! اسی سال فصل اُٹھانے کے بعد اس کی شادی کا ارادہ ہے۔قبیلے کے دس لڑکے اس کے خواہشمند ہیں گندم کاٹنے کے بعد پورے چاند کی رات آرن میلا (ARN) ہے۔اس میلے میں مقابلہ ہوگا اور جولڑ کا جیت گیا وہ امل کو بیاہ کرلے جائے گا۔'' لوکس نے پیار سے اپنی بہن کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

یہاں سال میں دوبار آرن میلا ہوتا تھا۔جس میں لڑکے اپنی پسندیدہ لڑکی سے شادی کے لئے مقابلہ کرتے تھے۔گندم کی کاشت میرے ہی کہنے پراس قبیلے میں شروع ہوئی تھی۔ یہاں قبیلے میں گندم کے علاوہ سبزیاں وغیرہ بھی بیجی جاتی تھیں۔وہ گندم کو کاٹ کراس میں دانے الگ کرتے تھے اور پھر دانوں کو دودھ میں ابال کر دلیہ بنا کر کھالیتے تھے۔ یہاں گندم کو پیس کر آٹا تو نہیں بنایا جاسکتا تھا اس لئے وہ اسے ہی دودھ یا پانی میں ابال کر کھالیتے تھے۔

لوکس اس قبیلے کا سردار تھا۔وہ اپنے والد کے مرنے کے بعد سردار بنا تھا۔میں اور وہ لوگ کچھ دیر تک جھونپڑی میں ان سے باتیں کرتے رہے اور پھر لوکس نے آرام کے لئے دوسرے جھونپڑے میں بھیج دیا۔یہ کافی بڑا جھونپڑا تھا اوراس میں چیتے کی کھال کے بستر بھی لگے ہوئے تھے۔

''راضی! میں یہاں نہیں رہ سکتا ہمیں جلد سے جلد یہاں سے نکلنا ہوگا۔'' دیپ نے مجھے جھونپڑے کے دروازے پر روکا اور باہر لے آیا۔

''دیپ! باہر مہذب دنیا میں تمہاری جان کو خطرہ ہے یہ جگہ تمہارے لئے سیف ہے۔'' میں اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

''بھائی! میں یہاں چھپنے نہیں آیا ہوں۔۔۔۔۔باہر خالصتان تحریک کو میری ضرورت ہے میں یہاں چھپ کر نہیں بیٹھ سکتا۔'' دیپ نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔اس کی آواز میں غصہ تھا۔

''دیپ! تم یہاں سے بیٹھ کر خالصتان کو کنٹرول کر سکتے ہو۔۔۔۔۔۔یہاں تمام انتظامات موجود ہیں آپ لوگ آج آرام کرو میں صبح تمام سیٹ اپ مکمل کر دوں گا۔ہم یہاں خالصتان تحریک کا ہیڈکواٹر بنائیں گے اور یہاں سے ہی تحریک کو کنٹرول کریں گے۔'' میں نے پیچھے کھڑے ابھی کو دیکھتے کوئے کہا۔

وہ بھی ہمارے ساتھ یہاں آیا تھا۔میں ہردیپ اور ابھی جیت ہم تین یہاں ایمیزون میں آئے تھے جبکہ باقی لڑکے مائیک کو ساتھ چلے گئے تھے۔وہ اب کیوبا میں ہی وہ کر کام کر رہے تھے۔

''دیپ! ناراض ہوا ابھی تک۔۔۔۔۔؟'' میں نے اس کا چہرہ پکڑ کر اپنی طرف گھمایا۔

''ناراض نہیں یار! ناراض نہیں ہوں بس اداس ہوں بہت زیادہ اداس۔۔۔۔میری وجہ سے وہاں ہزاروں لوگوں کی جان گئی ہے اور اب لاکھوں کی زندگیاں مزید تباہ ہوں گی۔انڈیا اور امریکہ میں آپریشن ہوگا اور لاکھوں سکھ بے چارے جیل میں جائیں گے۔دنگے فساد ہوں گے ہماری ماؤں بہنوں کی عزتیں سر بازار آئیں گی۔راضی بھائی! آپ نے تو اپنا فرض پورا کیا تھا آپ سے کیا گلہ۔۔۔؟ کیا شکوہ۔۔۔؟غلطی تو میری تھی۔مجھے اس خالصتان تھریک کی طرف آنا ہی نہیں چاہیے تھا وہی پیکنگ فیکٹری ٹھیک تھی۔اچھا کام تھا اچھی تنخواہ تھی۔زندگی بہت سہولت سے گزر جاتی کیا ملا اس خالصتان زندہ باد کا نعرہ لگا۔'' کر اس نے اپنی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں کو

صاف کیا اور قبیلے سے باہر خندق کی طرف چلا گیا۔

خندق کے اندر ایک بہت بڑا مگر مچھ گرا ہوا تھا۔کوئی پندرہ فٹ کے قریب مگر مچھ ہرن کے پیچھے پیچھے خندق میں گر گیا تھا۔قبیلے کے نوجوان اوپر خندق کے کنارے کھڑے ہو کر مگر مچھ کو مار رہے تھے۔ان کے پاس لکڑی کے تیز بھالے تھے۔دیپ وہاں جا کر مگر مچھ کا شکار ہوتے دیکھنے لگا ۔

''راضی بھائی! یہ قدرت بھی کبھی کبھی بہت ظالم ہو جاتی ہے یہ اتنا درد دیتی ہے کہ برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔'' دیپ مگر مچھ کو زندگی کی آخری جدوجہد کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''یہی تو اصل زندگی ہے بھائی! یہ تو آزمائش ہے۔خدا نے یہ دنیا صرف آزمائش کے لئے بنائی ہے۔یہ امتحان ہے اور امتحان کبھی آسان نہیں ہوتا ہماری مختصر سے زندگی بڑی بڑی آزمائشوں کا ایک امتحان ہوتی ہے۔جو جتنا ثابت قدم رہتا ہے اتنے ہی زیادہ نمبر لیکر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کامیاب ہو جاتا ہے۔یہاں چند سال تکلیفیں اٹھائیں گے اور پھر ابدی زندگی لیکر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں چلے جائیں گے۔قدرت کی آزمائش دیکھ کر فیصلہ مت کرو بھائی قدرت کا انعام دیکھو گے تو ساری آزمائشیں بھول جاؤ گے۔'' میں نے آہستگی سے اس کے کندھے تھپتھپایا اور واپس مڑ گیا۔

''راضی ہم سکھوں کی آزمائشیں کب ختم ہوں گی ۔۔۔۔۔؟ صدیاں گزر گئی ہیں اس انتظار میں ۔۔۔۔'' اس نے ایک گہرا سانس لیا اور میرے ساتھ ساتھ جھونپڑے کی طرف آنے لگا۔

شام ہونے والی تھی۔ہم جھونپڑے میں آ کر کچھ دیر باتیں کرتے رہے اور پھر ایک ایک کر کے سو گئے۔ہم پچھلے تین دن سے مسلسل جاگ رہے تھے۔ابھی جھونپڑے میں نرم بستر ملا تو ساری رات ہی آرام سے سوتے رہے۔دوسرے دن دس بجے کے قریب میری آنکھ کھلی تو میں نے مڑ کر دیپ کے بستر کی طرف دیکھا اس کا بستر خالی تھا۔میں نے دوسری طرف ابھی جیت کا بستر دیکھا وہ

ابھی تک سو رہا تھا۔ میں نے جلدی سے بستر چھوڑا اور باہر آ گیا۔

''لوکس! دیپ کدھر ہے۔۔۔۔۔۔؟'' مجھے جھونپڑے کے باہر لوکس نظر آیا تو میں اس سے دیپ کے بارے میں پوچھنے لگا۔

''وہ تو دریا کی طرف گیا ہے۔ ہمارا علاقہ دیکھنا تھا اس کو۔۔۔۔۔'' لوکس نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔

''اوہ یار! تم قبیلے سے باہر کیوں جاتے ہو۔۔۔۔۔؟ تمہیں پتہ ہی نہیں ہے وہ لڑکا ہمارے لئے کتنا اہم ہے۔'' میں غصے سے لوکس کو کہا اور دریا کی طرف بھاگنے لگا۔

''ارے! میری بہن امل اس کے ساتھ ہے۔اس طرف کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' لوکس میرے ساتھ ساتھ بھاگنے لگا۔

دریائے ریو کا چوتا (RIO.CAQUETA) قبیلے کے مشرقی جانب کوئی تین کلومیٹر نشیب کی طرف تھا۔ قبیلے والے گھر سے آدھے گھنٹے میں یہاں پہنچ جاتے تھے۔ہم نے یہ فاصلہ بھاگتے ہوئے دس منٹ میں مکمل کیا اور دریا کے کنارے پر پہنچ گئے۔

''دیپ کہاں ہے۔۔۔۔؟'' میں نے کنارے پر مچھلیاں پکڑتے ہوئے ایک قبائلی سے پوچھا تو اس نے دریا کے نیچے کی طرف اشارہ کر دیا۔

یہاں کوئی بیس پچیس کے قریب قبائلی مچھلیاں پکڑنے میں لگے ہوئے تھے۔دریا کے نیچے کی طرف پانچ سال پہلے میں نے قبائلوں کے ساتھ مل کر ایک منصوعی جھیل بنائی تھی۔ یہاں ایک قدرتی گھاٹی تھی جو نشیب کی طرف کافی نیچے تھی۔ یہ دریا میں محض پانچ سو میٹر دور تھی۔ میں نے اس جگہ کو صاف کر کے کوئی تین فٹ کے قریب گڑھا کھودا اور پھر ایک پانچ سو میٹر کا ایک کھال کھود کر دریا کا پانی اس میں ڈال دیا۔

یہ کوئی دو مربع کلومیٹر پر پھیلی ہوئی قدرتی کھائی تھی جو اب جھیل میں تبدل ہو چکی تھی۔قبائلی جال میں پھنسنے والی چھوٹی مچھلیوں کو جھیل میں چھوڑ دیتے تھے۔ جہاں دو تین مہینے بعد یہی چھوٹی

مچھلیاں بڑی ہو جاتی تھیں تو پھر انہیں جھیل سے پکڑ لیا جاتا تھا۔جھیل میں سال میں دو بار ہی شکار کیا جاتا تھا اور اس دوران اس میں اتنی مچھلی اکھٹی ہو جاتی تھی جو دریا سے پورے سال میں اکھٹی نہیں ہوتی تھی جھیل کی ایک مچھلی دریا کی دس مچھلیوں کے برابر وزن رکھتی تھی۔قبائیلی نے جب نیچے کی طرف اشارہ کیا تو میں سمجھ گیا دیپ نیچے جھیل کی طرف گیا ہو گا میں لوکس کے ساتھ بھاگتا ہوا جھیل کی طرف آیا تو مجھے جھیل کے کنارے پر کھڑے دیپ اور امل نظر آ گئے۔

''دیپ۔۔۔۔۔۔دیپ!تم قبیلے سے باہر کیوں آ گئے۔۔۔۔؟تمہیں معلوم ہے یہاں کتنا خطرہ ہے۔۔۔؟'' میں نے سخت گھبراتی ہوئی آواز میں کہا۔

یہاں واقعی بہت خطرہ تھا۔یہ نشیبی علاقہ تھا اور یہاں خطرناک سانپوں کی بہتات تھی ۔سانپوں کے علاوہ جنگلی جانوروں شیر اور چیتے کا بھی ڈر لگا رہتا تھا۔جھیل کے کنارے چھوٹے جانور پانی پینے کے لئے آتے تھے تو ان کے پیچھے شیر اور چیتے بھی ان کا شکار کرنے کے لئے آ جاتے تھے۔

''راضی بھائی!میں بچہ نہیں ہوں آپ کو میری اتنی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' دیپ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یار!بچے کی بات نہیں یہ علاقہ واقعی بہت خطرناک ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''مجھے کچھ ہو گیا تو کیا ہو گا۔۔۔؟زیادہ سے زیادہ مر۔۔۔۔۔۔۔۔'' میں نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''دیپ!ایسی باتیں مت کرو تمہارے پیچھے تمہاری آس میں ایک پوری قوم امیدیں لگائی بیٹھی ہوئی ہے۔'' میرے لہجے میں گہری اداسی کی جھلک تھی۔

''امل!تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔۔۔۔۔؟جو یوں منہ اٹھائے اسے ادھر لیکر آ گئی اگر اسے کچھ ہو جاتا تو پھر۔۔۔۔۔'' میں نے اس بار امل کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''بھیا! یہ بچہ تھوڑی ہے جو آپ یوں گھبرا رہے ہیں یہ مرد ہے اور خطرے سے لڑ سکتا ہے۔''

امل نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہے۔۔۔۔؟'' دیپ نے اپنے سر کو کھجاتے ہوئے پوچھا۔

اسے امل کی قبائیلی زبان نہیں آتی تھی۔ میں چھ مہینے یہاں رہا تھا اور مجھے قبائیلی زبان آتی تھی میں امل سے اسی قبائیلی زبان میں بات کر رہا تھا جس کی دیپ کو ظاہر سے سمجھ نہیں آنی تھی۔

''یہ کہہ رہی ہے کہ آپ اب مرد بن گئے ہو اور اپنی حفاظت خود کر سکتے ہو۔'' میں نے مسکراتے ہوئے امل کی بات کا ترجمہ کیا تو دیپ بھی مسکرانے لگا۔

''صحیح کہتی ہے راضی بھائی! میں یہاں اپنی حفاظت خود کر سکتا ہوں۔۔۔'' دیپ نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''خود کر سکتے ہو۔۔۔۔؟ یہاں بیس بیس فٹ کے مگر مچھ اور اژدھے ہیں۔ یہ تمہیں کھانے کے بعد ڈکار بھی نہیں ماریں گے۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا اور اس کا بازو پکڑ کر قبیلے کی طرف لے جانے لگا۔

''بھائی! آپ تو ناراض ہو گئے ہو۔۔۔'' امل میری دوسری طرف آئی اور میرا بازو پکڑ کر چلنے لگی۔ لوکس بھی ہمارے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

''امل! یہ نوجوان دیپ ایک بہت بڑا سردار ہے ان جنگلوں سے باہر ایک بہت بڑی قوم رہتی ہے۔ جن کا یہ ہونے والا بادشاہ ہے اس کی جان بہت قیمتی ہے۔'' میں امل کو سمجھانے لگا۔

''اچھا! اگر یہ شہزادہ ہے تو یہاں کیوں آیا ہے۔۔۔۔۔؟ اسے تو اپنے ملک میں جانا چاہیے۔'' امل نے دوبارہ سوال کیا۔

''ارے میری چھوٹی بہن! اس کی سرداری دشمنوں نے چھین لی ہے اس کے ملک پر کسی اور نے قبضہ کر لیا ہے اور اب وہ لوگ اسے بھی مار دینا چاہتے ہیں۔ ہم یہاں اسی لئے چھپنے کے لئے آئے ہیں۔'' میں نے پیار سے اس کے سر پر چپت لگائی۔

''راضی بھائی! آپ اس سے کیا کہہ رہے ہو۔۔۔۔؟'' دیپ دوبارہ مجھ سے پوچھنے لگا۔
''میں اس سے کہہ رہا ہوں کہ آپ ایک شہزادے ہو جس کی ریاست دشمنوں نے چھین لی ہے۔'' میں نے قبائیل زبان کا ترجمہ کیا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔
''بھائی! میں کوئی شہزدہ نہیں ہوں۔۔۔۔''
''دیپ صاحب! آپ ایک شہزادے ہی ہو۔۔۔سکھ ریپبلک آف خالصتان اور ہماری سکھ قوم کے شہزادے۔'' ابھی جیت نے اس کے سامنے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔
ہم اب واپس قبیلے آ گئے تھے۔ابھی جیت کے سامنے ہی دیپ نے مجھے کہا تھا کہ وہ کوئی شہزادہ نہیں ہے۔
''ابھی! سکھ ریپبلک اور شہزادے کا میل نہیں بنتا۔عوامی جمہوری حکومت کوئی بادشاہ یا شہزادہ نہیں ہوتا۔'' میں نے شرارت سے دیپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
''اچھا! تو ہم سکھ کنگڈم آف خالصتان بنالیں گے۔(SKK) یہ نام بھی ٹھیک رہے گا۔'' اس نے سکھ کنگڈم آف خالصتان کا مخفف (SKK) ایس کے کے بناتے ہوئے کہا۔
''ارے۔۔۔ارے! مجھے بادشاہ بننے کا کوئی شوق نہیں ہے میں آزادی کا مجاہد ہوں اور خالصتان تحریک کا مجاہد لیڈر ہی رہنا پسند کروں گا۔آزادی کے بعد خالصتان میں جمہوری حکومت ہوگی۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔
''ویسے ایک میرا مشورہ بھی ہے آپ کنگڈم آف خالصتان کے بادشاہ بن جائیں اور اختیارات پارلیمنٹ کے ذریعے وزیراعظیم کو دے دیں۔جیسے انگلینڈ، ناروے اور جاپان میں ہوتا ہے۔وہاں بادشاہ کے تمام شاہی اختیارات وزیراعظیم کے پاس ہی ہوتے ہیں۔وہی ملک چلاتا ہے اور بادشاہ صرف ان پر نظر رکھتا ہے۔وہ وزیراعظیم کے کسی بھی کام میں مداخلت نہیں کرتا۔آپ بھی ایسے ہی بادشاہ بن جائیں۔'' میں نے ایک نئ تجویز دی تو اسے سن کر ابھی جیت خوش ہوگیا۔
''بالکل راضی بھائی! یہ بہترین ہے۔دیپ پاہ جی! اور اُن کی آنے والی نسلیں ہمیشہ

خالصتان میں شاہی خاندان بن کر رہیں۔'' ابھی جیت نے ایک بار پھر عقیدت سے اپنے دونوں ہاتھ دیپ کے سامنے باندھ لیئے۔

''اچھا! چھوڑ وان باتوں کو اور یہ بتاؤ کہ آگے کیا کرنا ہے۔۔۔؟ ہم یہاں چھپ کر نہیں بیٹھ سکتے۔خالصتان کو ہماری ضرورت ہے۔'' دیپ نے فوراً ہاتھ اٹھا کر ہمیں مزید بولنے سے روکا اور پوچھنے لگا۔

''ابھی تو آپ لوگوں کو آرام کرنا ہے آپ دونوں جھونپڑے میں آرام کریں۔میں کچھ انٹینے لیکر اُوپر پہاڑی کی چوٹی پر جا رہا ہوں۔وہاں میں انٹینے نصب کر کے اُن کا لنک سیٹلائٹ سے منسلک کروں گا اور پھر ایڈیو ٹرانسمیٹر کی مدد سے ہم بیرونی دنیا سے ایک محفوظ رابطہ قائم کونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔'' میں نے کوئی بیس کلومیٹر دور ایک اونچی پہاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

یہ اس پورے علاقے کی سب سے اونچی پہاڑی تھی۔یہ سات ہزار فٹ بلند ایک پہاڑی تھی جو اس کے قبیلے سے تقریباً کلومیٹر کے فاصلے پر تھی اور یہاں سے بالکل سامنے نظر آتی تھی یہ ہمارے پچاس کلومیٹر کے دائرے میں سب سے بڑی چوٹی تھی اور اس کے آس پاس کوئی دوسو کے قریب چھوٹے بڑے قبیلے آباد تھے۔اتنی دور اور اُوپر انٹینا لگانے کا قصہ بھی یہی تھا کہ اگر کبھی ہمارا کوئی سگنل پکڑا بھی جاتا تو تمام فورسز اسی پہاڑی پر حملہ کرتیں۔وہ سگنل کے ذریعے ہم تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔

''پہاڑی پر انٹینا نصب کرنے آپ اکیلے کیوں جاؤ گے۔۔۔؟ ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے۔'' دیپ نے تیز لہجے میں کہا۔وہ پہاڑی کی چوٹی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''ارے۔۔۔نہیں یار! میں اکیلا تو نہیں جا رہا ہوں میرے ساتھ دس قبائلی لڑکے بھی جا رہے ہیں۔ہم رات ہونے سے پہلے پہلے وہاں پہنچ جائیں گے۔وہاں انٹینے نصب کریں گے اس کے بعد رات وہیں چوٹی پر گزاریں گے اور صبح وہاں سے واپسی کا راستہ پکڑ لیں گے۔رات کو

جنگل میں سفر کرنا خطرناک ہوتا ہے اس لئے ہم رات وہیں گزار کر کل صبح وہاں سے نکلیں گے اور دوپہر بارہ بجے سے پہلے پہلے واپس آجائیں گے۔'' میں نے پوری تفصیل سے اسے بتاتے ہوئے کہا۔

''پھر بھی ہم تمہارے ساتھ جائیں گے وہاں خطرہ ہوگا تو سب مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔'' دیپ نے وہاں جانے کی اپنی بات پھر سے دہرائی۔

''تمہاری بات ٹھیک ہے دیپ! لیکن مجھے یہاں آپ دونوں کی ضرورت ہے آپ یہاں بھی ایک چھوٹا انٹینا نصب کریں گے جس کے ساتھ ہم ٹرانسمیٹر لگا کر اُوپر پہاڑی والے انٹینا کی فریکونسی پکڑیں گے۔ اس فریکونسی سے آگے ہم اپنے لیپ ٹاپ کو انٹرنیٹ سے منسلک کریں گے آپ کا کام یہاں انٹینا لگا کر اس پر ٹرانسمیٹر فکس کرنا ہے باقی لیپ ٹاپ کا کام میں آ کر دیکھ لوں گا۔'' میں نے انہیں چھوٹا انٹینا اور ٹرانسمیٹر دیا اور اس کی تین مختلف فریکونسیاں بتانے لگا۔

میں اُوپر ٹرانسمیٹر لگانے تھے جن کی فریکونسیاں وہ یہاں چیک کراو کے کرتے تو پھر میں واپس آتا۔ یہ مشکل کام نہیں تھا دیپ انجینئرنگ کر رہا تھا اسے کمیونیکیشن سسٹم کا پتہ تھا جبکہ ابھی جیت بھی CIA میں رہا تھا اُسے بھی اُن سے چیزوں کا پتہ تھا۔ اُن کو مختصر بتانے کے بعد میں نے لوکس اور باقی کو قبائلی لڑکوں کو لیا اور ہم انٹینے اٹھا کر اُوپر پہاڑی کی چوٹی کی طرف جانے لگے۔ ہمارے پاس بڑے بڑے بیگوں میں انٹینوں کا سامان بندھا ہوا تھا جنہیں ہم اپنی پُشت پر لاد کر لے جارہے تھے۔ چھ گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد ہم پانچ بجے کے قریب پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گئے۔

سورج یہاں رات کو نو بجے کے قریب ڈوبتا تھا ہمارے پاس ابھی چار 4 گھنٹے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے تیزی سے بیگوں سے سامان نکالا اور انٹینوں کو جوڑنے لگا۔ رات کا اندھیرہ پھیلنے سے پہلے پہلے میں نے تین مختلف جگہوں پر انٹینے نصب کر کے اُن کے ساتھ ٹرانسمیٹر لگا دیا اب انہیں چیک کرنے کا وقت تھا۔ میں نے ایک ٹرانسمیٹر کو آن کیا اور اس پر اپنے خفیہ پاکستانی سیٹلائیٹ کی فریکونسی لگانے لگا۔ آج سے بیس سال پہلے ہمارا یک سیٹلائیٹ بدر B

(BADAR-B) یا جسے ہم بدر 2 بھی کہتے ہیں وہ اس وقت خلا میں موجود تھا۔

یہ موسمی سیٹلائٹ تھا جو موسم کی جانکاری (معلومات) دیتا تھا اس کے علاوہ ہمارا ایک پاک سیٹلائٹ بھی خلا میں موجود تھا جو ایشیا اور عرب ممالک کے مختلف ڈش ٹی وی چینلز کو چلاتا تھا یہ بھی خلا میں موجود تھا۔ ہماری خفیہ ایجنسی بدر B کی ایک خفیہ فریکونسی استعمال کرتی تھی جس کی مدد سے بیرون ملک میں مقیم ہمارے جاسوس خبریں بھیجتے تھے۔ میں چونکہ اکثر غیر ملکی مشنز پر جاتا رہتا تھا اس لئے میرے پاس بدر بی کی خفیہ فریکونسی موجود تھی میں نے وہی فریکونسی ٹرانسمیٹر پر لگائی اور اُسے دوسرے ٹرانسمیٹر کے ساتھ تار کی مدد سے کنیکٹ کر دیا۔ اب دوسرے ٹرانسمیٹر پر میں نے پیچھے قبیلے میں موجود اپنے ایک ٹرانسمیٹر کی فریکونسی لگائی اور اسے آن کر دیا۔

''واہے گرو جی کا خالصہ واہے گرو جی کی فتح۔'' مجھے فریکونسی لگاتے ہی دوسری طرف سے دیپ کی آواز سنائی دی جو مسلسل بول رہا تھا۔

''واہے گرو جی کی فتح۔۔۔۔۔دیپ! یہ ٹھیک ہو گیا ہے آپ اب دوسرے ٹرانسمیٹر پر فریکونسی لگائیں۔'' میں نے اسے دوسرے ٹرانسمیٹر کی فریکونسی بتائی اور خود بھی دوسرے انٹینے کی طرف چلا گیا۔

یہاں بھی کوئی دس فٹ تک میں نے کام مکمل کیا اور پھر تیسرے ٹرانسمیٹر کو بھی آن کر دیا ان تینوں ٹرانسمیٹر کے ساتھ میں نے سولر انرجی کے چھوٹے چھوٹے پینل بھی منسلک کر دیئے۔ سولر انرجی کے پینل 1990ء سے فوج میں چل رہے تھے۔ یہ بہت پرانی ٹیکنالوجی ہے جو فوج میں پچھلے پچاس سال سے چل رہی ہے۔ سول میں ابھی بجلی کی کمی کی وجہ سے آئی ہے ورنہ فوج میں تو یہ بہت پرانی ٹیکنالوجی ہے۔ تینوں ٹرانسمیٹر کا کام مکمل کرنے کے بعد میں نے ایک بار پھر ان پر تفصیلی نظر ڈالی اور مطمئن ہو گیا۔ رات ہم نے وہیں پہاڑی کی چوٹی پر گزاری اور صبح وہاں سے واپس قبیلے میں آ گئے۔

راستے میں ہمارا مقابلہ آتے ہوئے پانچ شیروں کے ایک گروپ سے ہوا اور پانچوں ہی

مارے گئے۔ ہمارا صرف ایک نوجوان ہلکا سا زخمی ہوا باقی سب خیریت ہی رہی اور ہم پانچ شیروں کے ساتھ بچے قبیلے میں آئے۔ آج رات قبیلے میں جشن ہونا تھا جس میں شیروں کا گوشت بھون کر کھایا جاتا۔ میں قبیلے میں آ کر ایک بار پھر کام پر لگ گیا۔ دیپ اور ابھی جیت نے سولر پینل لگا کر بیٹریاں چارچنگ پر لگا دی تھیں۔ ہمارے پاس دس بیٹریاں تھیں جبکہ پانچ سولر پینل تھے۔ ہمارے پاس ایپل کی نئی میک بک (لیپ ٹاپ) تھی جس کی بیٹری میں نے ڈی سی DC کرنٹ پر منتقل کر دی تھی۔

ایپل کمپنی (APPLE) ستر 70 کی دہائی میں قائم ہوئی تھی اور اس کے لیپ ٹاپ (جنہیں میک بک کہا جاتا ہے) بیسویں صدی کے آخری سالوں میں آ چکے تھے ابھی سمارٹ فون کا زمانہ تو نہیں آیا تھا لیکن ویڈیو کیمرے اور کمپیوٹر لیپ ٹاپ بہترین قسم کے مارکیٹ میں آنا شروع ہو گئے تھے۔ ہمارے پاس ایپل کا جدید ترین لیپ ٹاپ تھا جس کا سرکٹ تبدیل کر کے DC کر دیا گیا تھا۔ میں نے بیگ سے لیپ ٹاپ نکالا اور اسے آن کر کے انٹرنیٹ سے کنیکٹ کرنے لگا کچھ دیر کی محنت کے بعد میں نے پاکستانی سیٹلائٹ بدر B سے انٹرنیٹ کنیکشن بحال کر کے امریکی ٹی وی چینل CNN چلا دیا۔

ہمیں امریکہ سے نکلے چار دن ہو چکے تھے۔ ہماری خبر چار دن پرانی تھی جواب بھی امریکی ٹی وی پر چل رہی تھی۔ ہمارا حملہ امریکی تاریخ کا سب سے بڑا حملہ کہا جا رہا تھا۔ جس میں فیڈرل جیل اور ہوائی اڈا مکمل طور پر تباہ ہو گئے تھے اس حملے میں ایک ہزار سے زائد لوگ مارے گئے تھے جبکہ دونوں عمارتیں کھنڈر بن گئی تھیں۔ ہوائی اڈے کے اندر پچاس کے قریب بڑے فائٹر طیارے کھڑے تھے جو سبھی تباہ ہو گئے تھے ایک F16 اغواہ ہوا تھا جو کیوبا سے مل گیا۔ اقوام متحدہ کی عالمی دہشت گردوں کی لسٹ میں ہردیپ سنگھ رندھاواہ، رضوان علی گھمن اور ابھی جیت سنگھ ہم تینوں کے نام ٹاپ لسٹ میں شامل ہو چکے تھے۔

امریکہ اور کیوبا کے اندر ہماری تلاش میں خفیہ چھاپے مارے جا رہے تھے۔ مائیک ہوانا میں

ایک پولیس کارروائی میں پکڑا جا چکا تھا جبکہ اس ساتھ باقی تمام لڑکے مقابلے میں شہید ہو گئے تھے۔ شاید ایجنسی والوں نے جان بوجھ کر اُن لڑکوں کو مار دیا تھا۔ مائیک اب امریکہ کی کسی خفیہ ایجنسی کے پاس تھا اور سیکرٹ ایجنسیاں اس سے ہماری معلومات لینے کی کوشش کر رہی تھیں۔ سینٹر بلراج سنگھ جیل حملے کے دوران ہی شہید ہو گئے تھے غدار ثابت ہونے پر اُن کی امریکی شہریت منسوخ کر دی گئی تھی۔ اُن کا آخری انتم سنسکار بھی نہیں کیا گیا تھا اور اُن کی لاش کو جلا کر سمندر میں بہا دیا گیا تھا۔

دیپ CNN پر چلنے والی خبریں سن سن کر دکھی ہو رہا تھا۔ انڈیا میں بھی حالات بہت زیادہ خراب ہو چکے تھے۔ وہاں ایمرجنسی لگی ہوئی تھی انڈیا نے اپنی پوری فوج ہی پنجاب کے اندر جھونک دی تھی۔ وہاں پنجاب کی ایک ایک گلی کے اندر فوج کی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں جو پندرہ 15 سے لے کر 50 سال تک کے کسی بھی مرد کو گھروں کے اندر گھس کر اُٹھا لیتی تھی اور پھر اُس لڑکے یا آدمی کی کوئی خبر نہیں ملتی تھی۔ وہاں عورتوں پر بھی زیادتی ہو رہی تھی فوج کو جس گھر پر بھی شک ہوتا تھا وہ اس گھر پر پیٹرول چھڑک کر آگ لگا دیتی لیپ ٹاپ کی سکرین پر پنجاب کے گھروں سے اُٹھنے والا دھواں دیکھ دیکھ کر دیپ کا دل اندر سے کٹ رہا تھا اسے سینے میں شدید تکلیف ہو رہی تھی۔

''راضی! اس کو بند کر دو یار! مجھ سے نہیں دیکھا جاتا یہ سب کچھ۔۔۔۔۔'' دیپ نے اپنی قمیض کے پلو سے آنکھیں صاف کر لیں اور اُٹھ کر باہر نکل گیا۔

میں نے کمپیوٹر بند کیا اور اس کے پیچھے پیچھے باہر آ گیا۔ وہ قبیلے سے باہر خندق کے پاس ایک اُونچے پتھر پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔

''دیپ۔۔۔۔۔۔'' میں نے آہستگی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ خالی اداس آنکھوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

اس کی آنکھوں میں ہزاروں گلے ہزاروں شکایتیں تھیں لیکن اس کی زبان بند تھی وہ دکھ اور درد کی شدت سے کانپ رہا تھا۔ کمانڈو ٹریننگ کے دوران مجھے اُستاد ندیم نے بتایا تھا۔ انسان درد سے چلاتا ہے جتنا درد ہوتا ہے چلانے کی شدت اتنی تیز ہوتی ہے۔ یہ قدرت کا ایک سیدھا اصول

ہے جو آگے جا کر الٹ ہو جاتا ہے۔ درد کی شدت حد سے بڑھتی ہے تو انسان کی زبان بند ہو جاتی ہے دکھ حد سے زیادہ ہو تو وہ انسان کو اندر سے توڑ دیتا ہے۔ دیپ بھی اندر سے ٹوٹ چکا تھا اس کا جسم کانپ رہا تھا اس کی آنکھیں اس دُکھ کو بیان کر رہی تھیں لیکن الفاظ ختم ہو چکے تھے۔ میں نے اُسے کندھے سے پکڑ کر اوپر اُٹھایا اور گلے سے لگا لیا۔

''ست نام ۔۔۔۔۔۔ست نام ۔۔۔۔۔ست نام ۔۔۔۔۔۔'' اس کی آواز انتہائی معدوم تھی لیکن مجھے سنائی دے رہی تھی۔ وہ میرے سینے سے لگا ست نام کا ورد کر رہا تھا۔ وہ ست نام کے ورد سے اپنے دل کی دھڑکن کو بحال کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

''دیپ! حوصلہ رکھو یار۔۔۔۔۔ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ دُکھ، یہ تکلیفیں سب ختم ہو جائیں گی۔'' میں اُسے اپنے سینے لگائے تھپتھپانے لگا۔ میں اُسے تسلی دے کر اس کا دُکھ کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''راضی یار! اتنا سب کچھ دیکھ کر بھی تمہیں درد نہیں ہو رہا؟ کیا پتھر کا دل لے کر آئے ہو ۔۔۔۔۔؟ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی تمہیں دُکھ نہیں ہوتا؟ کیا ہم سکھوں کا خون اتنا ہی سستا۔۔۔۔۔'' میں نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اُسے خاموش کروا دیا۔

''نہ دیپ! نہ۔۔۔۔اس سے آگے مت بولنا کوئی شکوہ کوئی شکایت نہیں تم لیڈر ہو سکھ قوم کے لیڈر تمہیں رونا زیب نہیں دیتا۔ میں مسلمان ہوں لیکن مجھے تمہارے گروگھو بندھ صاحب کی پوری زندگی یاد ہے۔ تم اُسی گروگھو بندھ صاحب کی قوم سے ہو جن کے چاروں صاحبزادے اُن کے سامنے تیغ پر چڑھا دیئے گئے شہید ہو گئے لیکن وہ اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹے۔ وزیر خان کی لاکھوں میں فوج اور مٹھی بھر سکھ اپنے ہاتھوں سے شہزادوں کو تیار کر کے لاکھوں کی فوج سے لڑانے والے گروگھو بندھ سنگھ کو یاد کرو۔ دیپ! تمہیں حوصلہ ملے گا تمہیں بے حوصلہ نہیں ہونا تمہیں لڑنا ہے اس خالصتان کا خواب تمہاری ذات سے جڑا ہوا ہے تم ہمت ہار گئے تو ہم سب بھی ہمت ہار جائیں گے۔'' میں نے اُسے خود سے الگ کیا اور اس کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں کو ہتھیلی سے

پونچھنے لگا۔

''ابھی اندر سے کیمرہ لے کر آؤ۔۔۔۔۔ہمیں ابھی ایک ویڈیو پیغام ریکارڈ کر کے بھیجنا ہے ہمارے سکھ بھائیوں کو پتہ چلے گا کہ دیپ زندہ ہے اور اب بھی خالصتان کے لئے لڑ رہا ہے تو اُن کا حوصلہ بڑھ جائے گا۔'' میں نے ابھی جیت کو ویڈیو کیمرہ لانے کا کہا وہ کیمرہ لے کر آیا تو ہم دیپ کا ویڈیو پیغام ریکارڈ کرنے لگے۔

''سوا لاکھ سے ایک لڑاؤں تبھی گھوبندھ کہاؤں ۔۔۔۔۔۔واہے گرو جی کا خالصہ واہے گرو جی فتح۔۔۔۔۔'' دیپ کیمرے کے سامنے پر اعتماد لہجے میں بول رہا تھا۔

''میرے بھائیوں اور بہنوں !۔۔۔۔۔سد گرو سچے گرو نانک صاحب کے سنگھوں! ہم اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں ۔ ہم ہندوستان سے الگ ملک خالصتان حاصل کرنا چاہتے ہیں خالصتان ایک ایسا ملک جہاں ہم اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزار سکیں ۔ خالصتان کی جنگ شروع ہو چکی ہے اور یہ جنگ ہم اپنی آخری سانس تک لڑیں گے۔ ماریں گے یا مر جائیں گے لیکن اس جنگ سے پیچھے نہیں ہٹیں گے ہمارے بہن بھائی ، ماں باپ ، بیوی بچے اس جنگ میں شہید ہوں گے لیکن پھر بھی ہم بے خوف لڑیں گے ہمارے سد گرو مہاراج گروگھوبندھ سنگھ کے صاحبزادے اگر شہید ہو سکتے ہیں تو ہماری اولادان صاحبزادوں سے زیادہ پیاری نہیں ہے۔ ہم اپنا سب کچھ قربان کریں گے یہ جنگ اب آخری سکھ کی آخری سانس تک جاری رہے گی ۔ خالصتان ہوگا تو دنیا ہوگی خالصتان نہیں تو کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ نہ لوگ ہوں گے نہ ملک ہوں گے اور نہ ہی دنیا ہوگی کچھ بھی باقی نہیں رہے گا صرف ایک پرماتما وہ سچا رب ہوگا۔ باقی سب ختم ہو جائے گا ۔ جو بولے سونہال ست سری اکال ۔'' دیپ نے ایک زوردار نعرہ لگایا اور ویڈیو ختم ہوگئی۔

میں نے یہ ویڈیو CNN-BBC انڈیا اور پاکستان کی مختلف نیوز چینلز کو سینڈ کر دی ۔ ہمارے ویڈیو سینڈ کرنے کے ایک گھنٹے کے بعد وہ ویڈیو پوری دنیا کے میڈیا پر نشر ہونے لگی ۔ اس ویڈیو نے سکھوں کے اندر نیا جوش اور جذبہ پیدا کر دیا۔ سکھ نوجوان اب بازاروں میں پھیلی ہوئی

انڈین فوج پر حملے کرنے لگے یہ حملے اب پنجاب کے علاوہ دلی ممبئی اور انڈیا کے دوسرے بڑے بڑے شہروں میں بھی ہونے لگے۔ہم نے ویڈیو اپ لوڈ کرنے کے بعد انٹرنیٹ کنکشن آف کر دیا۔ انڈین اور امریکی انٹیلی جنس کے ادارے اب ہماری لوکیشن تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے میں نے اسی لئے انٹرنیٹ ہی بند کر دیا تھا کہ کسی کو سگنل ہی نہ ملے یہ احتیاطی تدابیر تھی ۔انٹرنیٹ بند کرنے کے سے پہلے مجھے جنرل ندیم کا ایک میسج مل گیا تھا۔

''راضی !افسوس تو نہیں ہو رہا ہے۔۔۔۔؟'' ہمارے ساتھ مل کر دیپ میری پاس آ کر بیٹھ گیا۔وہ کمپیوٹر کی سکرین پر لکھے جنرل ندیم کے میسج کو پڑھ رہا تھا۔

''راضی ! آزادی ہر قوم ہر مذہب کا بنیادی حق ہے خالصتان کا مطالبہ جائز ہے لیکن اس کے لئے پوری دنیا کی سلامتی داؤ پر لگانا بالکل غلط ہے دو ایٹمی ملکوں کے درمیان جنگ ہوئی تو کچھ بھی باقی نہیں رہے گا'' کمپیوٹر کی سکرین پر یہی میسج لکھا ہوا تھا۔دیپ نے یہ میسج پڑھ لیا تھا اور وہ اسی وجہ سے میرے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

''دیپ ! مجھے نہیں معلوم میں غلط ہوں یا صحیح راستے پر ہوں اور میں تمہارے قدم سے قدم ملا کر چل رہا ہوں ۔میں نے تمہارا ہاتھ پکڑا ہوا ہے اور آنکھیں بند ہیں ۔اب تم جدھر جاؤ گے میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا ۔یہ زندگی میں نے تمہارے اور تمہارے خالصتان کے نام کر دی ہے اب میری ایک ہی خواہش ہے جب موت آئے تو تمہارے بازوں میں آئے ۔موت سے لڑتا ہوا تمہاری آنکھوں میں آخری بار دیکھوں اور تمہارے قدموں میں گر کر جان دے دوں ۔'' میں نے اس کے کندھے پر سر رکھ کر دیا۔

''راضی بھائی ! آپ کو دیپ پاہ جی نے ہری سنگھ نلوا کا خطاب صحیح دیا ہے۔آپ اُن کی طرح بہادر بھی ہو اور اپنے مہاراجہ کے جانثار بھی ہو۔'' ابھی جیت بھی ہمارے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔

''صحیح کہتے ہو ابھی ! یہ واقعی میرا ہری سنگھ نلوا ہے۔۔۔۔۔خالصتان کی تاریخ میں ہمیشہ اس کا نام میرے نام کے ساتھ لگا رہے گا۔'' دیپ نے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا

۔

''ارے یار! وہ بادشاہوں کی طرح نہیں بولتے ہم خوش ہوئے تم سے۔۔۔۔بولو کیا مانگتے ہو۔۔۔؟ تمہاری ہر خوشی پوری کی جائے گی۔'' میں نے پرانے مغل بادشاہوں کی طرح بولتے ہوئے کہا تو وہ دونوں مسکرانے لگے۔

''ویسے دیپ پاہ جی! اس کی فوٹو پانچ 5 روپے والے نوٹ پر چھپوا دینا۔'' ابھی جیت نے جلدی سے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''اوہ بھائی! کونسی دشمنی ہے مجھ سے۔۔۔۔؟ جو اتنا ذلیل کرو گے پانچ روپے کا نوٹ سردار شادیوں میں کھسروں پر پھینک رہے ہوتے ہیں۔'' میں نے اس کا کان پکڑتے ہوئے کہا۔

''ارے یار! ہماری کرنسی اتنی بھی گری ہوئی نہیں ہوگی۔۔۔۔۔۔واہے گرو چڑھدی کلاچے رکھے ہمارا نانک شاہی سکہ (NANAK SHAHI) امریکی ڈالر کے برابر ہوگا۔'' دیپ میرا کان پکڑ کر کھینچنے لگا۔

''بھائی جی! جتنی مرضی ترقی کر لینا پھر بھی ہمارے پنجابی سردار شادیوں میں شراب پی کر کھسروں پر نوٹ ضرور پھینکیں گے۔'' میں نے دیپ سے کان چھڑوایا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''راضی بھائی! وہ آپ کے لہندے پنجاب میں ایسا ہوتا ہوگا ہم چڑھدے پنجاب والے ایسے نہیں ہیں۔'' ابھی جیت جلدی سے وضاحت کرنے لگا۔

''اچھا میں تو اُسے پنجابی ہی نہیں مانتا ہوں جس نے کبھی کھسروں کو ویلیں نہ کروائی ہوں۔''

''یار! سچی بات کروں گا میں نے تو بچپن میں بہت پیسے پھینکے ہیں ہمارے علاقے میں جدھر بھی کھسرے ناچتے تھے میں ضرور دیکھنے جاتا تھا۔'' دیپ نے جلدی سے میری بات کاٹی اور ہاتھ اُٹھا کر اعتراف کرنے لگا۔

''ویسے مجھے تو ڈانس بھی آتا ہے میں بہت اچھا ڈانس کر لیتا ہوں۔ اپنے شہر کپور تھلے (KAPURTHALAY) میں جتنی بھی شادیاں ہوتی تھیں میں اُن کی مہندی کی تقریب میں

ضرور جاتا تھا میں نے کپور تھلے کی ہر مہندی میں ڈانس کیا ہوا ہے۔'' دیپ نے ایک نیا اعتراف کیا تو میں اور ابھی جیت دونوں اپنی جگہ سے اچھل پڑے۔

''واہ پاہ جی! کیا بات ہے آپ تو۔۔۔۔۔۔۔۔'' وہ اپنی بات درمیان میں چھوڑ گیا۔

ہر دیپ اس کا لیڈر تھا وہ اس سے زیادہ فری نہیں ہوسکتا تھا ابھی جیت جسے ہم ابھی کہتے تھے دیپ سے سات آٹھ سال بڑا تھا لیکن وہ دیپ کو ہمیشہ پاہ جی کہتا تھا اور عقیدت اتنی تھی کہ کبھی دیپ کے آگے اُونچا نہیں بولا تھا۔ دیپ اگر کھڑا ہوتا تو وہ بھی کھڑا ہو جاتا تھا وہ دیپ کی اجازت کے بغیر کبھی اس کے سامنے بیٹھتا بھی نہیں تھا۔

''دیپ! ویسے اگر ڈانس دکھا دو تو مزا آجائے گا میرے کمپیوٹر کے اندر کافی گانے موجود ہیں میں ابھی لگاتا ہوں اور ہم سب اس پر ڈانس کرتے ہیں۔'' میں کمپیوٹر کی طرف جانے لگا لیکن دیپ نے مجھے بازو سے پکڑ کر روک لیا۔

''نہیں راضی! اب نہیں یار۔۔۔۔۔وہ سب بچپنا تھا اب ہم بڑے ہو گئے ہیں ہماری ذمہ داریاں ہمارے عہدے اب ایسی باتوں کی اجازت نہیں دیتے۔'' دیپ سنجیدگی سے کہنے لگا۔

میں اس کی بات سن کر خاموش ہو گیا وہ صحیح کہتا تھا ہمارا بچپن ہماری جوانی کہیں کھو گئی تھی ہم اپنی عمر سے بہت بہت بڑے ہو گئے تھے۔ سکھ قوم کا درد ہر دیپ سنگھ رندھاوا کا بچپن اور جوانی دونوں کھا گیا تھا۔ وہ اب مہاراجہ ہر دیپ سنگھ بن گیا تھا جو ڈانس نہیں کرسکتا تھا۔ جو خوشی محسوس نہیں کرسکتا تھا۔

''راضی بھائی! کھانا تیار ہو گیا ہے آپ لوگ ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ گے یا آپ کے جھونپڑے میں بھیج دوں۔۔۔۔۔؟'' امل نے ہمارے جھونپڑے کے اندر جھانکتے ہوئے پوچھا۔

دیپ نے اُس کی طرف دیکھا تو وہ ہاتھ کے اشارے سے کھانے کا کہنے لگی۔

''دیپ! کھانے کا پوچھ رہی ہے ادھر کھاؤ گے یا لوکس کے جھونپڑے میں چلے جائیں۔''

میں نے ترجمہ کیا تو دیپ نے کھانے کے نام سے منہ بنالیا یہاں ہمارے پاس کوئی نمک مرچ یا پیاز ٹماٹر نہیں ہوتے تھے مچھلی یا گوشت کو پانی میں ابال کر کھالیا جاتا تھا۔ یہاں روٹی بھی نہیں تھی صرف گندم کو ابال کر خشک کر کے اس کے لڈو بنالئے جاتے تھے یہی ابلی ہوئی گندم کے لڈو ہی روٹی ہوتے تھے۔

''کیا موڈ ہے کھانے کا۔۔۔۔۔۔؟'' میں نے پھر پوچھا تو دیپ نے اُن کے جھونپڑے میں جانے فیصلہ کیا اور باہر جانے لگا۔

''راضی یار! اُن کو کم از کم پیاز اگانا تو سکھا دیتے اور نمک کے بغیر یہ کیسے کھالیتے ہیں۔۔۔۔۔؟'' دیپ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ اُسے ایک ہفتہ ہوگیا تھا لیکن ابھی تک اس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوا تھا وہ اب بھی بڑی مشکل سے ابلا ہو کھانا کھاتا تھا۔

''یہاں اتنی سبزیاں اگا رہے ہیں یہ قبائلی اگر پیاز بھی اگا لیتے تو کیا موت پڑتی تھی اُن کو۔۔۔۔۔؟'' دیپ نے کھانے کا نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

وہ میری طرف ایسے دیکھ رہا تھا جیسے پیاز نہ اگانے کا میرا فیصلہ ہو۔ میں نے پانچ سال پہلے پیاز بھی اگایا تھا لیکن وہ قبیلے والوں کو پسند ہی نہیں آیا۔ قبیلے والوں کو پیاز کا ذائقہ پسند نہیں تھا اس لیے انہوں نے میرے جانے کے بعد پیاز اگانا ہی ختم کر دیا تھا۔ وہ مرچ، ٹماٹر اور توریاں ہی اگاتے تھے اس کے علاوہ گندم اور مکئی کی فصلیں تھیں باقی وہ کچھ نہیں کرتے تھے نمک یہاں ہوتا ہی نہیں تھا۔

دو ہفتے بعد ہم نے ایک بار پھر نئی ویڈیو بنائی اور انٹرنیشنل میڈیا کو سینڈ کر دی۔ شروع میں پہلے ہفتہ دس دن ہم نے انٹرنیٹ بھی بند رکھا تھا اور پھر روزانہ آن کر کے خبریں وغیرہ دیکھنے لگے امریکی اور انڈین ایجنسیوں نے ہمیں تلاش کرنے کی کوشش کی تھی لیکن انہیں ہمارا کوئی سگنل نہیں ملا تھا۔ پاکستانی سیٹلائٹ بدر بی B کی انٹرنیٹ فریکونسی استعمال کر رہا تھا۔ اس بارے میں صرف جنرل ندیم کو ہی علم تھا باقی کسی کو بھی پتہ نہیں تھا کہ ہم کہاں چھپے ہوئے ہیں اور کیا کر رہے ہیں میں

نے جنرل ندیم کے ذریعے ہی خالصتان تحریک ک کچھ مین کارکنوں سے بھی رابطہ کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ دیپ اب خالصتان تحریک کو یہاں سے ہی کنٹرول کررہا تھا اس نے ہندوستان کے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا تھا۔

پنجاب میں ہر روز فوج پر حملے ہورہے تھے فوج کے اندر بھی بغاوتیں ہورہی تھیں آئے دن کوئی نہ کوئی سکھ فوجی یا سیاسی بغاوت کرجاتا اور اپنے ہی سینئر افسروں کو ماردیتا۔ ہندوستانی فوج اور اس کے افسر اب ذہنی مریض بنتے جارہے تھے افسروں کو اپنے ہی جونیئر سپاہیوں سے ڈر لگنے لگا تھا۔ یہاں کی قبائلی زندگی بھی اب آہستہ آہستہ دیپ کو راس آنے لگی تھی وہ یہاں کے ماحول کے ساتھ ایڈجسٹ کرگیا تھا یہ بہترین جگہ تھی ہم یہاں سے خالصتان تحریک کو خفیہ طور پر کنٹرول کرسکتے تھے۔ سب کچھ بہترین چل رہا تھا۔

دیپ کو محبت بھی ہونا شروع ہوگئی تھی ۔ کہتے ہیں کائنات میں خدا کی بنائی سب سے خوبصورت چیز محبت ہے یہ محبت سب سے پہلے امل (AMMAL) کو دیپ سے ہوئی تھی۔ دیپ پچھلے کئی مہینوں سے اس کے ساتھ رہ رہا تھا وہ اس سے قبائلی زندگی اور زبان سیکھتا تھا۔ امل دیپ کی سحر انگیز شخصیت کا شکار ہوکر اس سے محبت کرنے لگی تھی اُسے دیپ سے محبت ہوئی تو وہ مجھ سے اس محبت کا ذکر کرنے لگی۔

''بھائی! مجھے اس سے بہت محبت ہوگئی ہے میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گی۔'' وہ مجھ سے آکر اپنے دل کی بات کرتی تھی۔

میں اس کو سمجھاتا تھا وہ میری بہن تھی میں اس کا غلط نہیں سوچ سکتا تھا اس لیے اس کو سمجھاتا تھا کہ دیپ کے ساتھ اس کی محبت کا کوئی مستقبل نہیں ہے وہ یہاں کا نہیں ہے وہ یہاں مہمان تھا اور کسی بھی وقت واپس جاسکتا تھا۔ امل بھی اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار تھی وہ دیپ کے ساتھ ہی اپنی پوری زندگی گزارنا چاہتی تھی ۔ میں اُسے بتاتا تھا کہ دیپ اور ہماری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے اس جنگل سے باہر ہر طرف ہماری موت ہماری تلاش میں تھی ہم کبھی بھی مارے جاسکتے

تھے۔ میں امل کو سمجھاتا تھا کہ وہ اسی قبیلے میں کسی اچھے لڑکے سے شادی کر لے لیکن وہ اپنی محبت کے آگے مجبور تھی اس کی محبت بہت شدید تھی جس نے آہستہ آہستہ دیپ کو بھی پگھلانا شروع کر دیا تھا۔ دیپ بھی امل کی معصوم محبت میں گرفتار ہو کر اس سے محبت کرنے لگا۔

''راضی! میں امل سے محبت کرنے لگا ہوں۔'' رات کے وقت ہم دونوں قبیلے سے باہر خندق کے کنارے پر بنے ہوئے ایک پتھر پر بیٹھے ہوئے تھے جب اچانک دیپ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی محبت کا اقرار کیا۔ وہ دور آسمان پر چمکتے ہوئے چاند کو دیکھ رہا تھا۔

''راضی! میں نے بہت کوشش کی اس محبت کو روکنے کی مجھے معلوم ہے اس محبت کا انجام اچھا نہیں ہے لیکن پھر بھی یہ محبت ہو ہی گئی ہے۔ ہمیں شاید یہاں سے اب کہیں اور چلے جانا چاہتے۔ میں یہاں نہیں رہ سکتا۔۔۔۔۔۔'' وہ اٹھ کر جانے لگا میں نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''دیپ! محبت تو اچھی چیز ہوتی ہے تم امل سے محبت کرتے ہو تو اس سے شادی کر لو ۔۔۔۔'' میں نے اسے دوبارہ اپنے پاس بیٹھا لیا۔

میں امل کو پہلے منع کرتا تھا۔ وہ میری بہن تھی میں اسے منع کر سکتا تھا۔ اس وقت تک دیپ اس سے محبت نہیں کرتا تھا۔ اب دیپ امل سے محبت کرنے لگ گیا تھا تو اب انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی دیپ ہمارا سب کچھ تھا میں اپنا سب کچھ اس پر قربان کر سکتا تھا امل میری سگی بہن نہیں تھی لیکن اگر یہاں میری سگی بہن بھی ہوتی تو تب بھی میں اسے دیپ پر بھی قربان کرنے میں ہلکی سی ہچکچاہٹ بھی محسوس نہ کرتا۔

''نہیں راضی! یہ صحیح نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ میری زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہے میں اس لڑکی کی زندگی کیوں خراب کروں۔۔۔۔؟'' دیپ کی آواز میں گہری اداسی کی جھلک تھی۔

''دیپ! زندگی پر اعتبار کسی کو بھی نہیں ہے یہاں کولمبیا کے جنگلات میں کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔ اعتبار تو کل کا بھی نہیں ہے لیکن پھر بھی زندگی کو آگے تو بڑھانا ہے ناں۔۔۔۔ تمہیں اگر امل سے محبت ہے تو خدا کا نام لو اور شادی کر لو آگے خدا کی جو مرضی ہوگی۔'' میں نے اسے شادی کا

مشورہ دیا۔

’’شادی ۔۔۔۔۔۔لیکن اس کے لئے تو گوردورائے میں جانا پڑے گا اور گوردوارہ تو شاید کولمبیا کے دارلحکومت بوگوٹا میں ہی ملے گا اور وہ یہاں سے کوئی پانچ چھ سوکلومیٹر دور ہوگا اسی جنگل میں چھ سوکلومیٹر کا سفر نا ممکن ہے۔‘‘ دیپ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

’’بھائی !لاواں پھیرے لینے کے لئے بوگوٹا جانے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔۔۔؟ ہم ادھر قبیلے میں ہی ایک چھوٹا سا گورودوارہ بنا لیتے ہیں ہمارے پاس ابھی جیت بھی ہے وہ گرو بن جائے گا۔آنند کراج تو اُسے آتا ہوگا۔‘‘ میں نے اپنے پیچھے کھڑے ابھی جیت کی طرف دیکھا تو اُس نے سر ہلا دیا۔

’’جی پاہ جی ! آنند کراج مجھے زبانی یاد ہے۔۔۔۔۔۔ہم یہاں گرودوارہ بنا لیتے ہیں۔‘‘ اُس نے جلدی سے جواب دیا۔

’’پاہ جی ! یہ میری خوش قسمتی ہوگی کہ میں آپ کے لاواں پھیرے کرواؤں گا۔‘‘ اُس نے عقیدت سے دیپ کے گھٹنوں کو چھوتے ہوئے کہا۔

’’ویسے اگر مسلمان طریقے سے شادی کرنی ہے تو اس کے لیے کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے میں اور ابھی دونوں آپ کی شادی کے گواہ بن جائیں گے۔آپ دونوں ایک دوسرے کو میاں بیوی قبول کرو اور شادی ختم۔۔۔۔۔ابھی دو منٹ لگیں گے۔کیا کہتے ہو۔۔۔۔۔۔؟‘‘ میں نے اُسے اپنی مسلمان طریقے کی شادی بتاتے ہوئے کہا۔

’’ مسلمانوں میں بھی تو نکاح مولوی پڑھاتا ہے اور دُلہا مسجد میں بھی جاتا ہے ۔۔۔۔۔؟‘‘ دیپ نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

’’مولوی، نکاح اور مسجد ضروری ہیں اگر ہم مہذب دنیا میں رہتے ہوں اور یہ سب ہمارے پاس ہوں تو لازمی ہیں ورنہ اگر کسی جنگل یا صحرا میں ہوں تو ہمارا مذہب ہمیں اجازت دیتا ہے کہ ہم دو لوگوں کے سامنے ایک دوسرے کو میاں بیوی قبول کریں اور بس شادی ہو جاتی ہے۔اسلام

انتہائی آسان مذہب ہے اور اس کے تمام قانون حالات کے مطابق بدل جاتے ہیں ۔ ہمارا ہر مسلمان شخص ہی مولوی ہوتا ہے اور مسجد بھی پوری دنیا ہوتی ہے ۔ آپ ادھر جگہ صاف کر کے دوا ینٹیں رکھیں اور بس یہی مسجد ہے پانی ہے تو وضو کرو پانی نہیں ہے تو خالی زمین پر ہاتھ مار کر منہ پر پھیر لو وضو ہو گیا۔۔۔۔۔ یہ ہمارا اسلام ہے۔'' میں انہیں اسلام کے بارے میں سمجھانے لگا۔

دوسرے دن ہم نے قبیلے کے باہر ایک چھوٹی سی جگہ پر گوردوارہ بنایا اور امل اور دیپ نے وہاں پھیرے لے کر شادی کر لی ۔ قبیلے میں کچھ لڑکوں نے اعتراض کیا وہ امل سے شادی کرنے کے لیے مقابلہ کرنا چاہتے تھے یہ اس قبیلے کا رواج تھا۔لڑکی سے شادی کرنے کے لیے امیدواروں کو آپس میں مقابلہ کرنا پڑتا ہے میں نے دیپ کی طرف سے خود لڑنے کا چیلنج قبول کیا تو کوئی بھی میرے مقابلے پر نہیں آیا۔ قبیلے والوں کو میری طاقت اور پھرتی کا پتہ تھا۔ میں دنیا کا بہترین کمانڈو تھا میں اکیلا دس دس لوگوں سے بھی لڑ سکتا تھا۔

امل کی دیپ سے شادی ہوگئی ۔دن ایک ایک کر کے گزرنے لگے خالصتان تحریک اپنے پورے عروج پر چل رہی تھی پنجاب کے اندر ایک خفیہ خالصہ فوج بن چکی تھی جواب انڈین فوج کے ساتھ چھاپہ مار جنگ کر رہی تھی ۔ ہماری خالصہ فوج نے امرتسر شہر پر مکمل قبضہ کر لیا تھا۔ یہاں سے ہندوستانی فوج نکل چکی تھی اور شہر کا کنٹرول ہماری خالصہ فوج کے ہاتھ میں تھا۔دیپ کا نامزد کردہ کمانڈو کمل سنگھ باجوہ ہرمیندر صاحب (گولڈن ٹیمپل) کے اکال تخت پر بیٹھ کر خالصتان حکومت کے قیام کا اعلان کر چکا تھا۔

یہ وہی اکال تخت ہے جس پر گورو گھو بندھ صاحب بیٹھ کر حکومت کرتے تھے ۔امرتسر کے گولڈن ٹیمپل (گولڈن ٹیمپل کا نام شری ہرمیندر صاحب بھی ہے جس کے اندر اکال تخت بنا ہوا ہے)میں موجود اکال تخت ہی سکھوں کا پایہ تخت ہے۔جس پر 1984ء میں جرنیل سنگھ بنڈرانوالہ بیٹھا تھا۔

ہردیپ سنگھ نے 1984ء کی تاریخ ایک بار پھر زندہ کر دی تھی اور اس کا کمانڈر کمل سنگھ باجوہ

اکال تخت پو بیٹھ کر حکومت کرنے لگا تھا۔

ہمیں یہاں کولمبیا کے امیزون جنگلات میں آئے ہوئے ایک سال کے قریب ہو چکا تھا ایک سال کے اندر ہم نے بہت بڑی کامیابیاں حاصل کر لی تھیں دیپ یہاں سے تمام خالصتان تحریک کو کنٹرول کر رہا تھا وہ یہاں سے احکامات جاری کرتا تھا ویڈیو پیغامات بھیجتا تھا۔

دیپ اور امل کی شادی کو بھی چھ مہینے سے اوپر ہو چکے تھے۔ وہ ماں بننے والی تھی ہمارے ملک خالصتان کو ایک ننھا شہزادہ یا شہزادی ملنے والا تھا۔ ہم نے اس خبر کو بھی پھیلا دیا۔ دنیا میں دیپ کی شادی اور آنے والے ننھے مہمان کا جشن کئی دنوں تک چلتا رہا ہم لوگوں کی زندگی یہاں بہترین گزر رہی تھی۔ خالصتان کی آزادی کی امید بھی بن گئی تھی اور اگلے کچھ ہی مہینوں میں انڈین فوج ہتھیار ڈالنے والی تھی۔ ہمیں یہاں امیزون میں آئے ہوئے ایک سال سے اوپر ہو چکا تھا۔

انڈین اور امریکی خفیہ ایجنسیاں ہمیں مسلسل پچھلے ایک سال سے تلاش کر رہی تھیں۔ وہ فضا میں موجود ایک ایک سیٹلائٹ کے سگنل پکڑ پکڑ کر چیک کر رہے تھے۔ ایک سال کی مسلسل محنت کے بعد آخر کار انہیں کامیابی مل ہی گئی۔ انہوں نے ہمارے ٹرانسمیٹر کا ایک سگنل فضا کی طرف جاتے ہوئے پکڑ لیا ٹرانسمیٹر کی کال پنجابی زبان میں تھی اور اس میں خالصتان اور ہندوستان کے بارے میں بہت کچھ بولا گیا تھا۔ سگنل پکڑنے والا فوراً سمجھ گیا کہ یہ کال خالصتان تحریک کی طرف سے ہے۔

انہوں نے کال ریکارڈ کی اور مزید جانچ پڑتال کرنے کے بعد انٹیلی جنس والے کنفرم ہو گئے کہ یہ کال خالصتان تحریک کے لیڈر ہردیپ سنگھ رندھاوا کی ہے۔ یہ سگنل انڈین انٹیلی جنس نے پکڑا تھا۔ اس دور میں انڈیا کے کوئی دس 10 کے قریب مصنوعی سیارے (سیٹلائٹ) فضا میں موجود تھے ان دس مصنوعی سیاروں میں صرف دو سیٹلائٹ ہی موسمی تھے باقی آٹھ جاسوسی سیٹلائٹ تھے۔ جو انڈیا، پاکستان اور چین کے اوپر فضا میں گھومتے ہوئے جاسوسی کرتے تھے۔

انڈین انٹیلی جنس کو جب دیپ کی لوکیشن کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے سبھی سیٹلائٹ ادھر

جنگل میں فوکس کر دیے ہمارا مین انٹینا تو 20 کلومیٹر اوپر پہاڑی کے اوپر تھا۔جس کی لوکیشن انڈین انٹیلی جنس کے پکڑ لی تھی۔وہ اب دیپ کی اور یجنل لوکیشن معلوم کرنا چاہتے تھےنگرانی شروع کر دی۔دو دن کی لگا تار نگرانی کے بعد وہ دیپ کو نیچے ہمارے قبیلے میں تلاش کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے ۔اس وقت انڈین آرمی چیف جنرل آنند کمار تھے انہوں نے آپریشن کی اجازت وزیر اعظیم سے لی اور اپنے کمانڈوز کی ایک ٹیم کولمبیا بھیج دی۔

کولمبیا کے انڈیا سے کافی دوستانہ تعلقات تھے۔کولمبیا نے نہ صرف اس خفیہ آپریشن کی اجازت دے دی بلکہ انہوں نے ہتھیار اور ہیلی کاپٹر بھی خود ہی فراہم کر دیے اس کے علاوہ انڈین کمانڈوز کے ساتھ ساتھ کولمبین آرمی کی ایک یونٹ بھی اس آپریشن میں حصہ لینے لگی۔

کولمبیا کے دارلحکومت بوگوٹا میں اس وقت کو ایک ہزار کے قریب کمانڈوز کا دستہ ہم پر حملے کا پلان بنا چکا تھا۔ہیلی کاپٹر اور چھوٹے فوکر طیارے ہتھیاروں اور مزائلوں سے لیس ہو چکے تھے ۔انہوں نے آپریشن کا وقت صبح آٹھ بجے دن کی روشنی میں طے کیا تھا۔رات کی تاریکی میں حملہ ہونے کی صورت میں ہمیں فائدہ ہوسکتا تھا ہم اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر جنگل میں غائب ہو سکتے تھے اس کے علاوہ رات کو جنگل میں مگر مچھ اژدھے اور دوسرے خطرناک جانور شکار کے لئے نکلتے تھے۔کمانڈوز فوجی آپریشن کے دوران جنگل میں جانے سے کتراتے تھے۔وہاں بوگوٹا میں آپریشن کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں اور ان کے ہیلی کوپٹر حملے کے لئے وہاں سے نکل چکے تھے۔

ادھر قبیلے میں ہم اُن سے بے خبر رات کو سوئے تھے اور صبح چھ کے قریب اٹھ گئے تھے قبیلے کے زیادہ تر افراد صبح صبح اٹھ کر دریا کی طرف چلے جاتے تھے۔جہاں سے وہ جال میں پھنسی ہوئی مچھلیاں نکالتے تھے۔دریا کے اندر جال پوری رات لگا رہتا تھا۔جس میں مچھلیاں آ کر پھنسی رہتی تھیں۔صبح قبائیلی جا کر جال نکالتے تھے۔ہم سب بھی صبح صبح اس طرف گئے تھے اور کوئی گھنٹہ بھر ادھر رکنے کے بعد واپس آ گئے تھے۔

لوکس کو مکئی کی فصل دیکھنی تھی اس لئے وہ ادھر کھیتوں کی طرف چلا گیا تھا۔امل بھی اس کے

ساتھ چلی گئی تھی جبکہ میں دیپ کے ساتھ واپس قبیلے میں آ گیا تھا۔ہم دونوں قبیلے کے باہر خندق کے کنارے پر رکھے اپنے مخصوص پتھر پر بیٹھے ہوئے تھے۔

''راضی بھائی! میرے خیال میں مجھے اگلے مہینے خود بھی ہندوستان چلا جانا چاہیے اور امرتسر میں خود بیٹھ کر باقاعدہ خالصتان کا اعلان کر دینا چاہیے ہم نے امرتسر کے ساتھ ساتھ گرداس پور اور پٹھان کوٹ تک کا علاقہ قبضے میں کر لیا ہے۔پاکستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ یہ کافی لمبی سرحدی پٹی بن گئی ہے۔میں اگر وہاں جا کر ہندستان فوج کی کشمیر کی طرف جانے والی سلائی لائن کو کاٹ کر خالصہ فوج کی مدد سے خودسری نگر پر حملہ کر دوں تو میرے خیال میں ہم ہندوستان کی کشمیر میں لگی دس لاکھ کے قریب فوج کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔'' دیپ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ مجھ سے مشورہ مانگ رہا تھا۔دیپ کی یہ بات قابل عمل تو تھی لیکن یہ اتنی آسان نہیں تھی ۔امرتسر، جالندھر اور پٹھان کوٹ میں ہماری پچاس ہزار کے قریب خالصہ فوج موجود تھی جو تینوں شہروں میں ہندوستان فوج سے لڑ رہی تھی۔ہم اگر کشمیر کا محاذ بھی چھیڑ دیتے تو یہ سب کچھ الٹا بھی ہوسکتا تھا۔ہم ہار جاتے تو تینوں شہر ہمارے ہاتھ سے نکل جاتے میں مشورہ دینے کی بجائے خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''راضی بھائی! ہندوستان کی دس لاکھ فوج اگر ہمارے قبضے میں آ جائے تو ہم خالصتان بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے سکھ ریپبلک آف خالصتان کیسری رنگ کا خالصتانی جھنڈا جس کے اندر نیلے رنگ کا کھنڈا بنا ہوا ہو۔نانک شاہی کرنسی اور سکول جاتے چھوٹے چھوٹے بچے جن کے لبوں پر اکوامکار کا ورد ہو۔وہ اکوامکار کا جپت کرتے ہوئے سکول جا رہے ہوں۔راضی بھائی! دنیا کے دوسو آزاد ملکوں میں ایک خالصتان کا اضافہ ہو جائے گا تو کتنا اچھا ہو۔۔۔۔۔؟ یہ دنیا ہم سکھوں کے لئے بھی جنت بن جائے گی۔'' وہ اوپر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے مدہوش لہجے میں بول رہا تھا۔

اس کی خواہش بہت خوبصورت تھی لیکن شاید اس کی تعمیر ابھی ممکن نہیں تھی خدا نے ابھی

سکھوں کی تقدیر میں مزید امتحانات لکھے ہوئے تھے۔ مجھے فضا میں ایک ہیلی کا پٹر اُڑتا ہوا نظر آیا جس سے ایک مزائل فائر ہوا اور وہ دسیدھا ہمارے قبیلے کے ایک جھونپڑے پر گرا۔ ایک زوردار دھماکے کی آواز آئی اور جھونپڑے میں آگ لگ گئی۔

''دیپ! نکلو ادھر سے حملہ ہو گیا ہے۔۔۔۔۔۔'' میں نے دیپ کا ہاتھ پکڑا اور نیچے دریا کی طرف بھاگنے لگا۔

نیچے دریا کی طرف بہت گھنا جنگل تھا اُوپر آسمان میں ہیلی کاپٹروں کے ساتھ ساتھ اب آسمان میں چھوٹے فوکر طیارے بھی نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔ اُن طیاروں میں لگی مشین گنیں مسلسل نیچے فائرنگ کر رہی تھیں ہم خندق کے ساتھ ساتھ قبیلے سے باہر نکلنے والے راستے کی طرف جا رہے تھے یہاں خندق کافی چوڑی تھی ہم اُسے چھلانگ مار کر کراس نہیں کر سکتے تھے اس لیے اس کے ساتھ ساتھ بھاگ رہے تھے۔ پیچھے قبیلے میں مزائلوں کی بارش ہو رہی تھی وہاں ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی۔ مجھے ایک طرف ابھی جیت بھی نظر آ گیا وہ تیزی سے بھاگتا ہوا ہماری طرف آ رہا تھا اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔

''ابھی! قبیلے سے باہر نکلو اور دریا کی طرف بھاگو۔۔۔۔۔'' میں نے چیختے ہوئے اُسے بھی دریا کی طرف جانے کا کہا۔

وہ دروازے کی نزدیک تھا وہ بھاگ سکتا تھا لیکن وہ ہماری طرف آ رہا تھا۔ اُوپر ہیلی کاپٹروں میں بیٹھے ہوئے کمانڈوز قبیلے میں بھاگنے والے قبائلیوں کو گولیوں کا نشانہ بنا رہے تھے۔ اچانک ٹھک کی آواز آئی اور ایک گولی دیپ کے بازو کو چیرتی ہوئی نکل گئی وہ گولی کے زور سے زمین پر گرا اور اس کے ساتھ ہی مجھے بھی ایک جھٹکا لگا اور میں زمین پر کئی میٹر آگے لڑھکتا چلا گیا۔ میرا سر ایک بڑے پتھر کے ساتھ جا کر ٹکرایا اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرہ چھا گیا۔

''جو بولے سونہال ست سری اکال۔۔۔۔۔۔۔'' ابھی جیت کا نعرہ میرے کانوں میں گونجا اور اچانک میرے دماغ میں روشنی کا جھماکا سا ہو گیا میں بے ہوش ہوتے ہوتے پھر ہوش

میں آ گیا تھا۔

میں کروٹ بدل کر ابھی جیت کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی رائفل سے اندھا دھند اوپر ہیلی کاپٹر پر فائیرنگ کر رہا تھا انڈین کمانڈوز کے ہیلی کاپٹر کافی نیچی پرواز کر رہے تھے۔ انھیں ہماری طرف سے کسی مزاہمت کا خطرہ نہیں تھا اس لئے وہ بےفکر نیچی پرواز کر رہے تھے۔ ابھی جیت کے پاس انتہائی جدید ترین رائفل تھی اس نے اوپر کی طرف برسٹ مارا تو ایک ہیلی کاپٹر کی ٹینکی میں گولیاں لگی اور وہ ہیلی کاپٹر دھماکے سے پھٹ گیا۔

دوسرے ہیلی کاپٹروں کے پائلٹوں نے جب اپنے ایک ہیلی کاپٹر کو تباہ ہوتے دیکھا تو وہ جلد سے دور جانے لگے ابھی جیت نے بھی سی آئی اے کی ٹریننگ لی ہوئی تھی۔ اس نے جلدی سے میگزین تبدیل کی اور دوسرے نزدیک ترین ہیلی کاپٹر کو نشانہ بنایا اور دوسرا ہیلی کاپٹر بھی دھماکے سے زمین بوس ہو گیا جبکہ باقی ہیلی کاپٹر جلدی سے رائفل کی رینج سے اوپر ہو گئے۔ فائیرنگ بند ہوئی تو میں جلدی سے اُٹھا اور بھاگتا ہوا دیپ کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے بازو میں دو گولیاں لگی تھیں لیکن وہ زخمی ہونے کے باجود اٹھ کے کھڑا ہو گیا تھا۔

''دیپ! تم ٹھیک تو ہوناں۔۔۔۔۔؟'' میں نے جلدی سے اس کا معائنہ کیا اور اسے سہارہ دے کر بھاگنے لگا۔

''ابھی! ہمارے پاس مت آؤ۔۔۔ اکھٹے ہوئے تو آسانی سے نشانہ بن جائیں گے۔'' میں نے چیختے ہوئے کہا تو وہ فوراً ہم سے الگ ہو کر بھاگنے لگا۔

میں دیپ کو سہارہ دے کر بھاگ رہا تھا کمانڈوز کے پہلے ہیلی کاپٹروں کا حملہ ناکام ہوا تو دوسری بار فوکر طیارے آگے آ گئے۔ فوکر طیاورں کی مشین گنز سے نکلنے والی گولیاں ہمارے پیچھے جھونپڑوں سے شروع ہوئی جنھوں نے قبیلے میں موجود ہر چیز کو اڈھیر کر رکھ دیا۔ یہ دو فوکر طیارے تھے جو ایک ساتھ اکھٹے اڑ رہے تھے۔ انہوں نے پہلی فائیرنگ کے بعد آگے جا کر فضا میں غوط کھایا اور دوبارہ پلٹ کر واپس آ گئے۔ اس بار ان ٹارگٹ ہم تھے۔ یہ بالکل سیدھا علاقہ تھا یہاں سے

ہمارہ بچ نکلنا ناممکن تھا۔اس بار ہمارا گولیوں سے ہٹ ہو جانا لازمی تھا۔ہم اب بچ کر کہیں نہیں جا سکتے تھے۔فوکر طیاروں نے اپنی پوزیشن سیدھی کی اور گولیاں برساتے ہوئے ہمارے طرف بڑھنے لگے۔ایک پل دو پل موت لمحہ بہ لمحہ ہماری طرف بڑھ رہی تھی۔گولیوں کی بارش سے بچنا ناممکن تھا۔

''دیپ! میرا سچا رب جانتا ہے میں نے تجھ سے کتنی محبت کی ہے۔۔۔۔۔'' میں نے بھاگتے بھاگتے دیپ کو نیچے گرایا اور اس کے اوپر لیٹ گیا۔

گولیوں کی ایک بوچھاڑ آئی اور میرے پورے جسم میں سوراخ ہو گئے میں نے دیپ کو اپنے نیچے چھپا لیا تھا لیکن میں اس پر قربان ہو گیا تھا۔میرے پیٹ اور ٹانگوں میں پانچ گولیاں لگی تھیں۔مجھ سے کچھ فاصلے پر ابھی جیت بھاگ رہا تھا جو ایک گولی سے ہٹ ہوا تھا اور لڑھکتا ہوا ایک گہری کھائی میں گر گیا تھا۔

راضی۔۔۔۔۔راضی۔۔۔۔۔۔۔۔۔تم ٹھیک تو ہو ناں میرے کانوں میں دیپ چلاتی ہوئی آواز آئی جو آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی تھی۔

راضی۔۔۔۔۔۔راضی۔۔۔۔۔۔یہ آخری احساس تھا اس کے بعد میری انکھیں بند ہو گئیں اور میں دنیا و مافیا سے بے خبر بے ہوش ہو گیا۔

دیپ نے مجھے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑا لیکن میں بے ہوش ہو چکا تھا مجھے کچھ ہوش نہیں تھا۔فوکر طیاروں کے دوسرے حملے کے بعد ہیلی کاپٹر ایک بار پھر نیچے آئے اور اس میں انڈین کمانڈوز چھلانگیں مار مار کر نیچے اُترنے لگے۔فائیرنگ ایک بار پھر شروع ہو چکی تھی۔انڈین کمانڈوز بھاگتے ہوئے قبائلیوں کو نشانہ بنا رہے تھے۔دیپ نے مجھے اوپر اٹھانے کی کوشش کی لیکن میں اس کے مقابلے میں بہت وزنی تھا۔وہ پچاس کلو کا سنگل پسلی کا ایک نوجوان لڑکا تھا جبکہ میں ستر کلو کے قریب ایک باڈی بلڈر تھا۔وہ مجھے اٹھانے میں ناکام ہوا تو اس نے مجھے کھینچ کر ایک بڑے پتھر کی اُوڑ میں کیا اور خود وہاں سے دریا کی طرف بھاگنے لگا اس کا ایک بازو پہلے ہی زخمی ہو چکا تھا۔

خون بہنے کی وجہ سے اس پر نقاہت طاری ہو رہی تھی لیکن وہ پھر بھی مسلسل بھاگ رہا تھا ۔انڈین کمانڈوز اس کے پیچھے فائیرنگ کر رہے تھے ۔یہ بھاگ ڈوڑ زیادہ دیر تک نہ چل سکی ۔ایک کمانڈو نے نشانہ باندھ کر برسٹ مارہ تو ایک گولی سیدھی دیپ کی ٹانگ میں لگی اور وہ زمین پر گر گیا ۔کمانڈوز اس کے سر پر پہنچ گئے ۔

''مہارجہ ہر دیپ سنگھ رندھاوا! بہت کر لی بادشاہی اب حساب کا وقت آ گیا ہے اپنے گرو کو یاد کر لو۔۔۔۔'' ایک کمانڈوز نے اس کے سر پر رائفل کی نال رکھتے ہوئے کہا۔

''بادشاہ نہیں غلام کہو گرونانک صاحب کے خالصہ راج کا ایک چھوٹا سا غلام جو مر کر بھی امر ہو جائے گا۔واہے گرو جی کا خالصہ واہے گرو جی کی فتح۔۔۔۔'' دیپ نے بے خوف لہجے میں نعرہ لگایا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

زخمی بازو اور زخمی ٹانگ کے باوجود وہ پھر بھی اٹھ کھڑا ہو گیا۔

''خالصتان کی آزادی دنیا کے مقدر میں لکھی جا چکی ہے۔۔۔۔۔چلاؤ گولی مجھے فخر ہے کہ میں ایک خالصتان پر قربان ہونے جا رہا ہوں۔'' دیپ نے رائفل کی نال اپنے ماتھے پر لگا لی۔

''نہیں راجا صاحب! تمہیں یہاں نہیں ماریں گے تمہاری موت دلی کے لال قلع میں لکھی ہے۔۔۔لال قلع کے دروزاے پر لٹکی تمہاری لاش سکھوں کو سبق سکھا دے گی کہ جو بھی ہندوستان سے ٹکراتا ہے وہ پاش پاش ہو جاتا ہے۔'' ایک میجر رینک آفسر نے پکڑ کر آگے جھٹکا دیا اور اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی پہنا کر اسے ہیلی کاپٹر کی طرف لے جانے لگا۔

انہوں نے دیپ کو ہیلی کاپٹر میں ڈالا اور بوگوٹا (BOGOTA) کی طرف پرواز کر گئے ۔بوگوٹا کے ملٹری ہوائی اڈے پر انتظامات پہلے سے ہی کر لئے گئے تھے۔جیسے ہی ہیلی کاپٹر دیپ کو لیکر وہاں پہنچے انہیں ایک ملٹری طیارے میں شفٹ کیا گیا اور انڈیا لے گئے۔

ہیلی کاپٹروں کی جانے بعد قبیلے کے بچے کچے جو دریا یا جھیل کی طرف تھے اور حملے سے بچ گئے تھے۔وہ اپنے مرے ہوئے ساتھیوں کی لاشوں کو اکٹھا کرنے لگے مجھے لوکس نے زخمی حالت

میں دیکھا تو بھاگتا ہوا میرے پاس آ گیا۔اس نے ایک قبائیلی کے ساتھ مل کر مجھے اٹھایا اور کھلی جگہ لیکر آ گیا لوکس اور اس کی بہن امل دونوں بچ گئے تھے مجھے پانچ گولیاں لگی تھیں بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے میں بے ہوش ہو گیا تھا لیکن ابھی مرا نہیں تھا۔امل نے میرے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے تو میں ہوش میں آ گیا۔

''دیپ۔۔۔۔۔۔۔دیپ۔۔۔۔۔'' میں ہوش میں آتے ہی چلایا اور اُٹھنے کی کوشش کی لیکن نقاہت سے لڑکھڑا کر نیچے گر گیا۔

''دیپ نہیں ہے یہاں شاید وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے ہمیں اس کی لاش یہاں نہیں ملی ہے۔'' امل میرے زخموں پر سبز رنگ کی ایک جڑی بوٹی کا پیسٹ لگانے لگی۔

یہ بوٹی یہیں جنگلوں میں بکثرت پائی جاتی ہے یہ متاثرہ جگہ کو منٹوں میں سُن کر کے خون روک دیتی تھی یہاں قبائلی اس جڑی بوٹی کو زخموں کو لگاتے تھے۔

''ابھی جیت بھیا بھی بچ گئے ہیں وہ کھائی میں گر گئے تھے اُن کے سر پر چوٹ لگی ہے جس کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئے ہیں۔'' امل نے مجھے ابھی جیت کے متعلق بتایا تو میں گردن موڑ کر کچھ فاصلے پر پڑے ابھی جیت کو دیکھا۔وہ ابھی تک بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

''بھائی! دیپ بچ گیا ہو گا ناں۔۔۔۔۔؟'' امل نے اپنی آنکھ سے نکلنے والے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

وہ سات مہینے کے پیٹ سے تھی اس کے پیٹ میں دیپ کا ہونے والا بچہ تھا میں لڑکھڑاتا ہوا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔میں اُسے کوئی جھوٹی تسلی نہیں دینا چاہتا تھا۔انڈیا کا اتنا بڑا کمانڈو آپریشن صرف اور صرف دیپ کے لیے کیا گیا تھا۔وہ دیپ کے بغیر نہیں جا سکتے تھے۔مجھے سو فیصد یقین تھا کہ وہ دیپ کو شہید کرنے کے بعد اس کی لاش بھی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔

''لوکس! قبیلے کے کتنے لوگ مارے گئے ہیں۔۔۔۔۔؟'' میں نے اپنے پاس کھڑے لوکس سے پوچھا۔

''راضی بھائی! صرف پندرہ لوگ زندہ بچے ہیں باقی سب مارے گئے ہیں۔عورتیں، بچے، بوڑھے سب مارے گئے ہیں انہوں نے قبیلے میں موجود کسی ایک بچے کو بھی زندہ نہیں چھوڑا ہے پورا قبیلہ ہی جل کر راکھ ہوگیا ہے۔'' لوکس نے روتے ہوئے جواب دیا۔

وہ دور جلتا ہوا اپنا قبیلہ دیکھ رہا تھا جس میں لگی آگ اب جنگل کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''لوکس! جھیل کے کنارے پر جو تین اکٹھے درخت لگے ہوئے ہیں۔وہاں جاؤ اور درمیان والے درخت کی جڑ میں ایک وائرس سیٹ پڑا ہوگا۔وہ لے کر آؤ مجھے پاکستان رابطہ کرنا ہے۔'' میں نے ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کی اور امل کا سہارا لیکر اٹھ گیا۔

''امل! میرے جسم میں گولیاں ہونگی۔کوئی تیز دھار آلہ لاؤ اور انہیں نکال کر پٹی کر دو۔'' میں نے امل کو تیز دھار والا آلہ لانے کو کہا اور خود آہستہ آہستہ چل کر ابھی جیت کے پاس چلا گیا۔

اس کی ٹانگ میں صرف ایک گولی لگی تھی جبکہ کھائی میں گرنے کی وجہ سے اس کے سر پھٹ گیا تھا۔ایک قبائیلی نے اس کے سر پر کپڑا باندھ دیا تھا امل مچھلی کا شکار کرنے والی ایک تیز دھار لکڑی لیکر آئی اور اس کی مدد سے میری گولیاں نکالنے لگی۔مجھے لگنے والی پانچ میں سے کچھ گولیاں تو آر پار نکل گئی تھیں جبکہ صرف تین گولیاں میرے جسم میں تھیں جنہیں امل نے زخم کھود کر نکال دیا۔

میری جگہ کوئی عام آدمی ہوتا تو شاید برداشت ہی نہ کرسکتا لیکن میں چونکہ کمانڈوز تربیت یافتہ تھا۔اس لئے یہ تکلیف آسانی سے برداشت کر گیا گولیاں نکالنے کے بعد امل نے دوبارہ جڑی بوٹی کا لیپ میرے زخموں پر کر دیا جس سے خون نکلنا فوراً بند ہوگیا۔میں نے ابھی جیت کا ناک اور منہ پکڑ کر بند کر دیا۔ابھی جیت نے سانس لینے کے لئے بے ہوشی میں ہی جدوجہد کرنی شروع کر دی ۔دو تین جھٹکوں کے بعد اسے ہوش آ گیا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''راضی بھائی! دیپ۔۔۔۔۔۔دیپ کدھر ہے۔۔۔۔۔؟'' اس نے اٹھتے ہی دیپ کا پوچھنا شروع کر دیا۔

''کوئی پتہ نہیں یار! دعا کرو۔۔۔۔۔۔رب مہر کرے گا۔'' میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا

اور دور جلتے ہوئے جنگل کو دیکھنے لگا۔

کیسری رنگ کے جھنڈے کا نیلا کھنڈا نانک شاہی کرنسی اور سکول جاتے چھوٹے بچے جن کے معصوم لبوں پر اک اومکار کا ورد ہو۔میں دور خندق کے کنارے بڑے اکلو نے پتھر کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ وہی پتھر تھا جس پو کچھ دیر پہلے میں اور دیپ بیٹھے مستقبل کے خالصتان کی باتیں کرر ہے تھے۔گھنٹہ پہلے یہ دنیا جنت لگ رہی تھی۔

''یار! یہ پتھر بڑے بے وفا ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ساری دنیا جل کر راکھ ہوگئی یہ اب بھی اسی جگہ جم کر کھڑے ہیں۔ان کو کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا ہمارا سب کچھ ختم ہوگیا اور یہ اب چٹانوں کی طرح کھڑے ہیں۔'' میں نے زمین پر پڑا ہوا ایک پتھر اُٹھایا اور غصے سے بڑے پتھر کو مارنے لگا۔

''راضی بھائی! حوصلہ رکھو۔۔۔۔۔۔۔واہے گرو مہر کرے گا۔۔۔۔۔ہم دیپ کی قربانی کو ضائع نہیں ہونے دیں گے۔'' ہم اب بھی لڑیں گے اور خون کے آخری قطرے تک لڑیں گے۔'' ابھی جیت میرے کندھے کے لگا مجھے حوصلہ دے رہا تھا۔

اسے بھی میری طرح دیپ کی شہادت کا یقین ہو گیا تھا۔وہ بھی میری طرح زخموں میں چور تھا لیکن پھر بھی اس کی ہمت ختم نہیں ہوئی تھی۔وہ اب خالصتان کی آزادی کے لئے لڑنا چاہتا تھا ۔میری ہمت جواب دے گئی تھی۔میں دیپ کے لئے لڑ رہا تھا۔میں دیپ کے خواب خالصتان کے لئے لڑ رہا تھا میرے اندر حوصلہ اور ہمت دیپ کی وجہ سے آئی تھی۔وہ چلا گیا اور میرا حوصلہ بھی ٹوٹ گیا تھا۔ابھی جیت مجھے حوصلہ دے رہا تھا لیکن مجھے معلوم تھا میں دیپ کے بغیر لڑ ہی نہیں سکتا تھا اس کا حوصلہ اب میرے کسی کام آنے والا نہیں تھا۔لوکس جھیل کے کنارے اُگے درخت کی جڑ کھود کر ٹرانسمیٹر نکال کر لے آیا۔

''راضی بھائی! دیپ کا کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے۔وہ ادھر جھیل اور دریا کے پاس بھی نہیں ہے ۔۔۔۔۔'' اس نے مجھے ٹرانسمیٹر دیتے ہوئے کہا۔

اس کی بہن امل بھی میرے پاس کھڑی خالی آنکھوں سے سوال کر رہی تھی۔اس کے پیٹ

میں موجود ننھی جان اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی یتیم ہوگئی تھی۔ میں نے لوکس سے ٹرانسمیٹر پکڑا اور اس کو آن کر دیا۔

’’ہیلو۔۔۔۔۔۔ہیلو! کیپٹن راضی سپیکنگ۔۔۔۔۔‘‘ میں ٹرانسمیٹر میں مسلسل بولنے لگا۔

’’ہیلو۔۔۔۔۔ہیلو! کیپٹن راضی سپیکنگ اٹ از ایمرجنسی پلیز کنٹیکٹ ٹو ہیڈکواٹر۔۔۔۔۔‘‘ میں مسلسل ٹرانسمیٹر میں بول رہا تھا۔ میری آواز گھٹ رہی تھی لیکن میں مسلسل ٹرانسمیٹر پر بول رہا تھا۔

’’راضی میرے بچے! تم زندہ ہو۔۔۔۔۔؟‘‘ مجھے دوسری طرف سے جنرل ندیم کی آواز آئی تو میں بے اختیار رونے لگ گیا۔

’’سر! دیپ۔۔۔۔۔۔دیپ کا پتہ نہیں چل رہا ہے۔‘‘ میں اٹک اٹک کر بول رہا تھا۔ میرے ہاتھ اور آواز دونوں کانپ رہے تھے۔

’’راضی میرے بچے! شکر ہے اللہ کا تم بچ گئے ہو۔۔۔۔۔۔ مجھے اطلاع ملی تھی۔ کولمبیا میں انڈین کمانڈوز نے ایک بہت بڑا آپریشن کیا ہے۔‘‘ جنرل ندیم مجھے زندہ پاہ کر خوش ہو گئے تھے۔

میں نے بے شک آرمی سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ میں پاکستان آرمی کی سروس چھوڑ کر پچھلے ڈیڑھ سال سے خالصتان تحریک کے لیڈر ہر دیپ کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ میرا تعلق ختم ہو گیا تھا لیکن جنرل ندیم آج بھی مجھ سے اتنی ہی محبت اور شفقت بھرت رہے تھے۔

’’سر! دیپ۔۔۔۔۔۔۔۔‘‘ میں اپنی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی رونے لگ گیا۔

’’راضی! دیپ سنگھ ابھی بھی زندہ ہے اسے کولمبیا سے ہندوستان لایا جا رہا ہے میڈیا میں تو ہر دیپ سنگھ کی موت کی خبر پھیل چکی ہے۔ لیکن مجھے اپنے جاسوسوں سے پتہ چلا ہے کہ وہ زندہ ہے اور اسے کولمبیا سے انڈیا لایا جا رہا ہے۔‘‘ جنرل ندیم کی آواز میرے کانوں میں پڑی تو مجھ میں ایک نئی روح آ گئی۔

’’سر! پلیز۔۔۔۔۔۔پلیز آپ دیپ کو بچا لیں اس کے بغیر خالصتان ختم ہو جائے گا

۔آپ! پلیز ۔۔۔۔۔۔پلیز کچھ کریں۔۔۔۔۔۔'' میں ٹرانسمیٹر میں ہی جنرل ندیم کی منتیں کرنے لگا۔

''نہیں راضی میرے بچے! یہ ناممکن ہے ہم دیپ کو نہیں بچا سکتے اس وقت پورا دلی ہائی الرٹ ہے ہم پورے پاکستان کی فوج بھی وہاں لیکر چلے جائیں تو پھر بھی دیپ کو نہیں بچا سکتے۔'' جنرل ندیم مجھے سمجھانے لگے۔

''سر! پھر بھی آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں ہماری ایجنسی میں دنیا کے بہترین ایجنٹس ہیں ۔آپ۔۔۔۔۔آپ کر سکتے ہیں۔'' میں ان کی منتیں کر رہا تھا۔

''راضی یار! میں بھی چاہتا ہوں دیپ بچ جائے اس چھوٹے سے بچے نے آدھے پنجاب پر قبضہ کر لیا تھا۔میں چاہتا ہوں لیکن پھر بھی کچھ نہیں کر سکتا۔پوری فوج سے لڑ کر ایک لڑکے کو باحفاظت بچا کر لانا یہ ناممکن ہے۔یہ کوئی فلم نہیں ہے ایک چھوٹی سی گولی سے بھی دیپ کی جان بے سکتی ہے اگر لڑائی ہوئی تو ہر دیپ سنگھ پکا مارا جائے گا۔'' جنرل ندیم نے صاف لہجے میں کہا۔

ان کی بات صحیح تھی۔ہم اگر کمانڈوز ایکشن کرتے تو وہ فوراً دیپ کو گولی مار دیتے۔میں پہلے بھی ایک بار امریکی فیڈرل جیل توڑ چکا تھا۔اس بار انڈیا دیپ کی سکیورٹی میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑ رہا تھا۔

''سر! پنجاب کی کیا حالت ہے۔۔۔۔۔۔؟'' ابھی جیت نے ٹرانسمیٹر میں بولتے ہوئے کہا۔

''دیپ کے ساتھ ساتھ خالصتان بھی ختم ہو گیا یار! صبح پانچ بجے سے پنجاب میں بھی آرمی کا آپریشن چل رہا ہے۔دیپ کی موت کی خبر نے سکھوں کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔انڈیا آرمی تینوں شہروں کا کنٹرول واپس لینے میں کامیاب ہو چکی ہے کمانڈر کمل سنگھ باجوہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔آرمی اب اسے تلاش کرنے کے لئے امرتسر شہر کی مکمل تلاشی لے رہی ہے۔'' جنرل ندیم نے اس بار مکمل تفصیلات بتا دیں۔

''سر! میں یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں ۔۔۔آپ بندوست کروادیں تاکہ میں یہاں سے نکل کرلندن (LANDON) جاسکوں۔'' میں نے یہاں سے باحفاظت باہر نکلنے کی بات کی۔

''راضی! بوگوٹا میں ہمارا ایک سیٹ اپ موجود ہے اگر تم بوگوٹا آجاؤ تو میرے ایجنٹ تمہیں وہاں سے لیکر باحفاظت لندن پہنچا سکتے ہیں۔ویسے تم لندن کی بجائے پاکستان آجاؤ میں تم تم اورتمہارے دوست ابھی جیت دونوں کوسنبھال لوں گاتم دونوں کی پلاسٹک سرجری ہوجائے گی اور تم دونوں پاکستان کے کسی چھوٹے سے گاؤں میں خاموشی سے اپنی باقی ماندہ زندگی بسر کرلینا۔'' جنرل ندیم نے محبت سے کہا۔

وہ اب بھی میرے بارے میں فکرمند تھےاور مجھے بچانا چاہتے تھے۔

''نہیں سر! جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی ہے میں آخری سانس تک دیپ کو بچانے کی کوشش کروں گا۔'' میں نے اپنے ساتھ کھڑے ابھی جیت کی طرف دیکھا وہ پُر اعتماد نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے بچے! جیسے تمہاری مرضی ہے میں تمہارے جذبے کوسلام کرتا ہوں ۔تم بوگوٹا آجاؤ تو میرے ایجنٹ تمہیں وہاں سے لے لیں گے۔۔۔۔۔'' جنرل ندیم مجھے بوگوٹا جانے کا کہنے لگے۔

بوگوٹا ہم سے چھ کلومیٹر اُوپر شمال کی طرف تھا۔گھنے جنگل میں اُوپر کی طرف چھ سوکلومیٹر کا سفر بہت طریل تھا یہاں کوئی گاڑی بھی نہیں تھی۔زخمی حالت میں پیدل ہمیں پہنچنے میں دس دن سے بھی زیادہ لگ سکتے تھے۔ہم دریا میں لکڑی کی کشتی ڈال کر نیچے جنوب مشرق کی طرف سفر کر سکتے تھے۔یہاں دریا کا بہاؤ بہت تیز تھا۔میں نے جنرل ندیم کو یہ بات بتائی اورانہیں اوپر کولمبیا کی بجائے نیچے برازیل (BRAZIL) کی طرف آنے کا کہا۔

''برازیل۔۔۔۔۔۔؟برازیل۔۔۔۔ایک منٹ مجھے دیکھنے دو۔'' وہ ایک منٹ کے لئے خاموش ہوئے اوردوبارہ پھرلائین پرآگئے۔

''راضی! اگر تم دریائے کاچوتا میں سفر کرتے ہوئے نیچے دریائے امیزون کی طرف چلے جاؤ۔برازیل میں مانوس (MANAUS) کے مقام کاچوتا امیزون دریا سے مل جاتا ہے ۔یہاں ایک چھوٹا سا گاؤں مانوس (MANAUS) ہے ۔تم وہاں پہنچ جاؤ میرا ایجنٹ تمہیں وہاں مل جائے گا۔'' جنرل ندیم نے ہمیں مانوس پہنچنے کا کہااور کال کاٹ دی۔

''ابھی! جلدی کرو۔۔۔۔۔ہمیں یہاں سے جلد سے جلد نکلنا ہوگا۔۔۔۔۔۔'' میں نے کال کاٹنے کے بعد ابھی جیت سے تیاری کرنے کا کہا۔

''راضی بھائی! آپ کدھر جارہے ہو۔۔۔۔۔؟ دیپ کہاں ہے۔۔۔۔۔۔؟'' ہم دریا میں کشتی ڈالنے لگےتو امل پوچھنے لگی۔

اسے اردو یا پنجابی زبان نہیں آتی تھی۔اس لئے وہ میری اور جنرل ندیم کی بات سمجھ نہیں سکی تھی۔

''امل! دیپ زندہ ہے۔۔۔۔۔۔اسے ہندوستانی کمانڈوز اٹھا کرلے گئے ہیں۔''

''بھیا! آپ دیپ کو چھوڑانے جارہے ہو۔۔۔۔۔؟'' اُسے دیپ کے زندہ ہونے کا پتہ چلاتو جلدی سے خوش ہوکر بولنے لگی۔

''ہاں امل! چھڑانے جارہے ہیں کامیابی کا امکان اس بار نہ ہونے کے برابر ہے لیکن پھر بھی کوشش ضرور کروں گا۔۔۔۔۔۔دعا کرنا خدا ہمیں کامیاب کرے۔'' میں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کشتی میں بیٹھنے لگا۔

''بھیا! میں۔۔۔۔۔۔میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔آپ مجھے بھی لے جائیں۔'' وہ ہمارے ساتھ جانے کی ضد کرنے لگی۔

''نہیں امل! نہیں تم ابھی ماں بننے والی ہواس حالت میں تمہارا سفر کرنا ٹھیک نہیں ہے تم بس ہمارے لیے دعا کرنا تم ایک ماں ہو،ایک بہن ہو، ایک بیوی بھی ہو خدا تمہاری دعا ضرور قبول کرے گا۔'' میں نے اُسے کہا اور کشتی میں بیٹھ کر چپو مارنے لگا۔ہم قبیلے سے لمحہ بہ لمحہ دور ہونے

لگے۔

''راضی بھائی ! کیا آپ دیپ کو بچانے کے لیے اب دہلی پر حملہ کرنے کا سوچ رہے ہیں ۔۔۔۔۔۔؟'' ابھی جیت نے مجھ سے سوال کیا تو میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''راضی بھائی ! یہ ناممکن ہے دیپ کو ہم اب نہیں بچا سکیں گے۔'' وہ مایوسی سے دوسری طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ابھی ! مجھے معلوم ہے میں دیپ کو اب کی بار نہیں بچا سکوں گا۔۔۔۔۔۔یہ ناممکن ہے لیکن میں پھر بھی کوشش ضرور کروں گا میں قیامت کے دن دیپ کے سامنے یہ پچھتاوا لے کر نہیں جاؤں گا کہ میں کوشش ہی نہیں کی تھی اگر کوشش کرتا تو شاید کامیاب ہو جاتا۔۔۔۔۔ابھی ! میں اسی شاید کے لیے اپنی آخری سانس تک لڑوں گا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور تیز تیز چپو مارنے لگا۔

یہاں دریائے کا چوتا بہت تیز بہاؤ رکھتا تھا ہم تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے رات دس بجے قریب مانوس پہنچ گئے ہم نے کشتی کو دریا کے کنارے پر کر کے رسے سے باندھا اور مانوس کے اسٹیشن کیفے ٹیریا میں چلے گئے۔

''راضی بھائی ! آپ آ گئے ہیں۔۔۔۔۔؟'' ہم اندر گئے تو وہاں بیٹھے ہوئے ایک نوجوان نے جلدی سے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''بھائی ! کافی یا کھانا۔۔۔۔۔۔؟ کیا کھاؤ گے۔۔۔۔۔؟'' وہ ہم سے کھانے کا پوچھنے لگا

۔

''نہیں یار ! تم ہمیں جلد سے جلد ہمیں یہاں سے نکالو ہم نے لندن پہنچنا ہے۔'' میں نے اُسے کھانے سے منع کیا اور کیفے ٹیریا سے باہر آ گیا۔

باہر اس کی کار کھڑی تھی ہم اس کے ساتھ کار میں بیٹھے اور مانوس شہر سے باہر ایک پرائیویٹ ہوائی اڈے پر پہنچ گئے۔ یہاں ایک چھوٹا سا مسافر طیارہ تیار کھڑا تھا۔

''راضی بھائی! آپ کو یہاں سے ریوڈی جنیروجانا ہے۔ ریوڈی جنیرو سے پھر آپ ایک مسافر طیارے سے لندن چلے جائیں گے۔'' اس نے مجھے تفصیلات سے آگاہ کیا اور ہم طیارے میں بیٹھ کر برازیل کے دوسرے بڑے شہر ریوڈی جنیرو آ گئے۔

ریوڈی جینرو جسے مختصر صرف ریو RIO کہتے ہیں۔ جنوبی امریکہ کا سب سے مشہور ترین شہر ہے یہ پہلے برازیل کا دارالحکومت بھی ہوتا تھا لیکن پھر دارالحکومت برازیلیا منتقل کر دیا گیا۔ ہم صبح تین بجے کے قریب ریو پہنچے یہاں ایک خفیہ سیف ہاؤس میں میری اور ابھی جیت کی پاسپورٹ سائیز تصویریں لی گئی اور ایک گھنٹے کے اندر اندر ہمارے پاسپورٹ تیار کر دے گئے۔

''راضی بھائی! یہ بالکل کوئی اوریجنل پاسپورٹ ہیں۔۔۔۔۔ان کا مکمل ڈیٹا پیچھے برطانوی وزارت داخلہ میں موجود ہے آپ کو اس پاسپورٹ پر دنیا کے کسی بھی ملک کے ائیر پورٹ پر نہیں روکا جائے گا ایک نوجوان لڑکے نے ہمیں ہمارے پاسپورٹ اور ہوائی جہاز کے ٹکٹ پکڑائے اور ہم ایک بار پھر جہاز میں بیٹھ گئے۔ اس بار ہماری برطانیہ کا دارالحکومت لندن تھا۔ یہ کافی لمبا سفر تھا ہم دو پہر کے دو بجے کے قریب لندن پہنچے اور وہاں سے سیدھے خالصتان تحریک کے لندن ونگ کے کمانڈر امرت پال سنگھ کے خفیہ اڈے پر پہنچ گئے۔

''راضی بھائی! بہت برا ہو گیا ہمارا خالصتان کا سپنا سچ ہوتے ہوئے اچانک پھر سے خواب ہو گیا دیپ گرفتار ہو گیا۔ بھائی ہمارا لیڈر ہمارا رہنما گرفتار ہو گیا۔'' امرت پال سنگھ مجھ سے گلے لگ کر رونے لگا۔ وہ اب دیپ کے بعد مجھے ہی خالصتان کا لیڈر مان رہے تھے۔

''امرت سنگھ! دل مت چھوٹا کرو اور یہ عورتوں کی رونا بھی چھوڑ دو ابھی دیپ مرا نہیں ہے ابھی زندہ ہے اور ہمارا حوصلہ بھی زندہ ہے۔'' میں نے اس کے کندھے پر تھپکی دی اور خود سے الگ کر دیا۔

''امرت سنگھ! آپ کو کام سونپا گیا تھا کیا وہ اب بھی کر رہے ہو یا ختم کر دیا ہے۔۔۔۔۔؟' ' میں نے بھاری لہجے میں کہا۔

''جی بھائی! وزیراعظیم صاحب کی بیوی اور بچوں کی نگرانی اب بھی ورہی ہے۔ہم پچھلے ایک سال سے مسلسل اُن کی نگرانی کرر ہے ہیں۔'' امرت پال نے فوراً جواب دیا۔

بھارتی وزیراعظم آدیتیہ پرکاش کی بیوی اور دو بیٹے ادھر لندن میں رہتے تھے اُن کا ایک بیٹا دس سال کا جبکہ دوسرا آٹھ سال کا تھا۔وہ دونوں یہاں لندن کے ایک سکول میں پڑھتے تھے۔

''ٹھیک ہے پھر چلو اُن کو اغواہ کرتے ہیں۔'' میں نے بھاری لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر آ گیا۔

''راضی بھائی! آپ۔۔۔۔۔۔آپ وزیراعظیم آدیتیہ پرکاش کی بیوی اور بیٹے کو اغواہ کرنا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔؟'' امرت پال میرے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر آ گیا۔

''ہاں امرت سنگھ! میں ایسا ہی چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ میں دیپ کو چھڑانے کے لئے وزیراعظیم کی فیملی کو اغواہ کروگا اور پھر ان سے مزکرات کروں گا۔'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''راضی بھائی! اگر انہوں نے دیپ کو نہ چھوڑا تو پھر کیا کریں گے۔۔۔۔۔۔۔؟'' وہ گلہ سوال کرنے لگا۔

تو ماردوں گا۔۔۔۔۔ اگر دیپ کو کچھ ہوا تو میں سب کو ماردوں گا۔'' میں نے اس کی انکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

وزیراعظیم صاحب کی فیملی کو لندن سے اغواہ کرنا انتہائی آسان ثابت ہوا۔ان کے بنگلے پر صرف تین سکیورٹی اہلکار تھے جنہیں ہم نے آسانی سے مار گرایا اور وزیراعظیم کی بیوی اور دونوں بیٹوں کو اغواہ کر کے ایک خفیہ سیف ہاؤس لے گئے یہ سیف ہاؤس لندن کی بجائے نیدرلینڈ میں تھا ۔برطانیہ اور نیدرلینڈ کے درمیان دوسوکلو 200 میٹر کا چھوٹا سا سمندر تھا۔ایک تیز رفتار لانچ کے ذریعے ہم وزیراعظیم کی فیملی کو لندن سے نیدرلینڈ کے شہر دی ہیگ لے آئے۔

دی ہیگ نیدرلینڈ کا شہر کا بڑا شہر ہے۔یہ جنوبی ہالینڈ ریاست کا دارلخلافہ ہے اور اقوام متحدہ

کی عالمی عدالت بھی یہیں ہے۔

''امرت پال سنگھ! گروگھوبند صاحب کے چھوٹے صاجزادے بابا فتح سنگھ کو چھ سال کی عمر میں شہید کر دیا گیا تھا۔ صرف چھ سال کی عمر میں جب ہمارے گروگھوبند صاحب کے صاجزادے جنگ میں شہید ہو سکتے ہیں تو ان دونوں لڑکوں کی کوئی اوقات نہیں ہے۔'' میں نے امرت پال سنگھ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''خالصتان کے راستے میں جو بھی آئے گا وہ مر جائے گا۔ امرت پال سنگھ اگر کر سکتے ہو تو بولو۔۔۔۔۔ ورنہ دروازہ سامنے ہے۔ تم خالصتان تحریک کو چھوڑ کر جا سکتے ہو مجھے تم سے کوئی شکوہ شکایت نہیں ہوگی۔'' میں نے باہر کی طرف اشارہ کیا۔

''نہیں بھائی! میں تیار ہوں خالصتان کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتا ہوں۔۔۔۔ دیپ کو اگر ہندوستان والوں نے نہ چھوڑا تو میں ان بچوں کو مارنے میں کبھی بھی نہیں لڑکھڑاؤں گا۔ آپ مجھے ہمیشہ ثابت قدم پائیں گے۔'' امرت پال نے عقیدت سے میرے گھٹنوں کو چھوڑا اور دونوں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

''مجھے فخر ہے میں ایک عظیم قوم کے لئے لڑ رہا ہوں۔'' میں نے اس کے کندھے پو تھپکی دی اور وہاں سے واپس لندن آ گیا۔

''راضی بھائی! اب کیا کرنا ہے۔۔۔۔۔۔؟'' ابھی جیت نے لندن آ کر پوچھا ہم ایک بار پھر لندن آ چکے تھے اور وہاں سے نکلنے کی تیاری بھی کر رہے تھے۔

میں نے ایک انڈین ٹریول ایجنسی سے انڈیا کے دو ہوائی ٹکٹ خریدے اور ابھی جیت کو لے کر انڈیا باندہ آ گیا۔ باندہ انڈین ریاست اتر پردیش کا ایک چھوٹا سا شہر ہے شہر کی آبادی صرف ڈیڑھ لاکھ پر مشتمل افراد پر ہے اور یہ دریائے جمنا کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔

یہ کان پور شہر سے سو کلومیٹر جبکہ لکھنو شہر سے محض ایک سو پچاس 150 کلومیٹر کے فاصلے پر موجود ہے۔ یہ پورا علاقہ خالص اردو بولنے والوں پر مشتمل ہے۔ یہاں اُردو اور ہندی بولی جاتی

ہے جبکہ بھوجپوری زبان بھی ادھر بولی جاتی ہے۔ جو آگے نیپال تک چلی جاتی ہے بھوجپوری اور ہریانوی دونوں زبانیں ہندی سے کافی مشابہت رکھتی ہیں اور یہاں کے لوگ اپنی مادری زبانوں کے علاوہ ہندی اور اُردو زبان بھی بول اور سمجھ لیتے ہیں۔

اسی لیے اس خطے کو ہندی خطہ کہا جاتا ہے۔ باندہ شہر نیپال محض 300 تین سوکلومیٹر جنوب کی طرف تھا۔ یہ چھوٹا سا پرسکون شہر ابھی جیت کا آبائی شہر تھا اور اس شہر کی سب سے خاص بات یہاں کا ایٹمی بجلی گھر تھا۔ جس کی وجہ سے میں یہاں اس شہر میں آیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ہم وزیراعظیم کے بچوں کو یرغمال بنا کر دیپ کو نہیں چھڑا سکیں گے انڈین حکومت کبھی بھی ہم سے ان کے بدلے مذکرات نہ کرتی۔

میں دیپ کو چھڑانے کے لئے کچھ بڑا کرنا چاہتا تھا۔ دیپ کو گرفتار کر کے دلی کی تہار جیل میں رکھا گیا تھا۔ تہار جیل جنوبی ایشیا کی سب سے بڑی جیل تھی۔ جو دلی شہر کے بالکل درمیان میں بنی ہوئی تھی۔ تہار جیل ایک تاریخی جیل تھی۔ اور اس میں انڈین وزاریعظیم اندرہ گاندھی کو قتل کرنے والے دو سکھ باڈی گاڈ سٹونٹ سنگھ ماور کہار سنگھ مکو بھی رکھا گیا تھا۔

’’ستونت سنگھ اور کہار سنگھ کو اسی تہار جیل میں ہی پھانسی دی گئی تھی اور انڈین حکومت اب ہر دیپ سنگھ کو بھی اسی جیل میں پھانسی دے کر تاریخ کو دوبارہ سے زندہ کرنا چاہتی تھی۔ ابھی! انڈین گورنمنٹ ہر دیپ سنگھ کو پھانسی دیکر تاریخ کو ایک بار پھر دہرانا چاہتی ہے لیکن وہ بھول گئے ہیں کہ ہماری تاریخ اس سے بھی پرانی ہے ہم بھی ہندوستان کے سینے پر خالصتان کا نقشہ گاڑھ کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی تاریخ دہرانا چاہتے ہیں۔‘‘ میں نے کان پوار کا نقشہ دیکھتے ہوئے کہا۔

’’راضی بھائی! آپ ٹھیک کہتے ہو۔۔۔۔۔ ہم سب ایک پھر خالصتان تحریک کو دہرائیں گے ہمارا ملک ایک دن ضرور آزاد ہوگا۔ ہمارے بچے سکول کی اسمبلیوں میں اک اومکار کے نعرے ضرور لگائیں گے۔‘‘ وہ دیپ کہی ہوئی بات دہرانے لگا۔

ابھی جیت ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا نام پہلے ابھیشیک سنگھ تھا۔ وہ ایک ہندو

تھا امریکہ میں اس کے والد نے ایک امریکن لڑکی سے شادی کی تھی اس کے والد ہندو جبکہ ماں عیسائی تھی۔سکول اور کالج کے زمانے میں اس کے دوست زیادہ تر سکھ پنجابی تھے۔وہ انہیں دوستوں کے ساتھ رہتے رہتے سکھ مذہب سے متاثر ہوا اور اٹھارہ سال کا ہوتے ہی ایک گرودوارے میں باقاعدہ سکھ مذہب کو قبول کرلیا۔اس نے اپنا نام بھی ابھیشیک سے ابھی جیت رکھ لیا تھا ویسے پیار سے سبھی اسے ابھی کہہ کر بلاتے تھے۔

''ابھی !ڈر تو نہیں لگ رہا ہے ناں۔۔۔۔۔؟ ہم اگر ناکام ہوگئے تو دیپ کے ساتھ ہی پھانسی پر لٹک جائیں گے۔'' میں نے قدرے مذاق میں کہا تو وہ فوراً سیریس ہوگیا۔

''راضی بھائی! اس سے بڑی قسمت اور کیا ہوگی۔۔۔۔؟ جو دیپ کے ساتھ پھانسی پر لٹک جائیں۔میں تو ابھی پھانسی پر لٹکنے کے لئے تیار ہوں۔'' ہندو سے سکھ بننے والا ابھی جیت سکھ مذہب پر قربان ہونے کی بات کرر ہا تھا۔

خالصتان کو اب دنیا کی کوئی بھی طاقت بننے سے نہیں روک سکتی تھی ہم کان پور سے دو مسافر طیارے اغواہ کرنے والے تھے۔آج سے بیس سال پہلے جہاز اغواہ کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا تھا۔اس وقت سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تھی۔ہمارے پاس کان پور میں دس لڑکے تھے۔میں نے پانچ پانچ لڑکوں کی دو ٹیمیں بنائی اور کان پورا سے دلی اور ممبئ جانے والی دو لوکل فلائٹوں میں بیٹھ گئے۔دونوں جہازوں کے اندر اسلحہ ائیر پورٹ پر موجود ہمارے سہولت کاروں نے پہنچادیا تھا۔یہ سکھ سہولت کار تھے۔جو ائیر پورٹ پر جہازوں کی صفائی ستھرائی کرتے تھے۔

دیپ نے صحیح کہا تھا مذہب کے نام پر لڑی جانے والی جنگیں سرحدوں سے باہر بڑی دور تک لڑی جاتی ہے یہ زمان ومکان کی قید سے باہر ہوتی ہیں دیپ نے جنرل وجے سنگھ بہادر کو مارنے سے پہلے کہا تھا کہ یہ جنگ اتنی بڑی ہوگی جس کا کبھی کسی نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔یہ جنگ دنیا کے ان تمام کونوں میں لڑی جائے گی جہاں ایک بھی سکھ رہتا ہوگا۔دیپ کی یہ بات بالکل صحیح تھی ہمیں پوری دنیا سے سکھ سہولت کار مل جاتے تھے۔

پوری دنیا میں پھیلے ہوئے سکھ ہردیپ سنگھ کا نا سنتے ہی خالصتان کے لئے لڑنے پر تیار ہو جاتے تھے انہیں ہردیپ سنگھ پر اندھا اعتماد تھا۔ کان پور میں موجود سہولت کار کو ابھی جیت نے تلاش کیا تھا اس نے دونوں طیاروں میں بارود سے بھرے دو بریف کیس رکھوائے جہازوں نے جیسے ہی رن وے چھوڑا اور فضا میں اڑے ہم نے اسلحہ نکالا اور مسافروں کو اسلحے کے زور پر یرغمال بنا کر دونوں طیارے ہائی جیک کر لیے۔

میں اور ابھی جیت دونوں الگ الگ جہازوں پر تھے۔ ایک جہاز کو میں کنٹرول کر رہا تھا جبکہ دوسرے کو ابھی جیت۔ میں جہاز کو اڑا کر پاکستان لے آیا۔ میں نے یہاں لینڈ کرنے کوشش کی لیکن مجھے یہاں لینڈ کرنے کی اجازت نہ ملی تو میں افغانستان چلا گیا۔ میرا جہاز تین سو 300 مسافروں کو لے کر افغانستان کے کابل ایئر پورٹ پر لینڈ کر گیا۔ جبکہ ابھی جیت کان پور سے نیپال کھٹمنڈو ایئر پورٹ پر اُتر گیا۔

''بے خوف جیتے ہیں بے خوف مرتے ہیں ہم گرو کے سنگھ ہیں نتائج سے بے پرواہ ہو کر لڑتے ہیں۔ ہندوستان سمجھتا ہے کہ وہ ہردیپ سنگھ کو گرفتار کر کے خالصتان کی تحریک کو ختم کر چکا ہے تو یہ اُس کی بھول ہے۔ ہمارا ایک ایک سکھ ہردیپ سنگھ ہے ہم گرونانک صاحب کے ماننے والے ہیں مر جاتے ہیں لیکن کبھی پیچھے نہیں ہٹتے۔۔۔۔۔۔ ہم نے ہردیپ سنگھ کے ہاتھ پر خالصتان کی جنگ لڑنے کی قسم کھائی ہے۔ ہم نے ہردیپ سنگھ کی حفاظت کی قسم کھائی ہے اور ہم اُسے بچانے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔ انڈین وزیر اعظم کی بیوی اور دونوں بچے دونوں مسافر طیارے اور اُن کے پانچ سو کے قریب مسافر ہماری قید میں ہیں ہمارا صرف ایک ہی مطالبہ ہے ہردیپ سنگھ کو چھوڑ دو اور اپنے لوگوں کو بچا لو ورنہ ہم ایک ایک کا گلا کاٹ دیں گے۔'' ابھی جیت کی پُر اعتماد آواز ویڈیو میں اُبھر رہی تھی۔ وہ ایک ایک کو للکار کر بول رہا تھا۔

''ہندوستان والو! ہم سکھ صرف اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں ہمیں یہ جنگ لڑنے دو اُسے روکنے کے لیے کسی بڑے ایڈونچر کی کوشش کی گئی تو یہ ہندوستان ہی ختم ہو جائے گا۔'' ابھی

جیت کی ویڈیو ختم ہو گئی۔

یہ ویڈیو میڈیا پر نشر ہوئی تو انڈین حکام ہم سے مذاکرات کرنے لگے یہ مذاکرات آہستہ طول پکڑنا شروع ہو گئے۔ انڈین حکومت دیپ کو آزاد نہیں کرنا چاہتی تھی انہیں دیپ کی طاقت کا اندازہ تھا۔ پچاس کلو کے چھوٹے سے لڑکے دیپ نے پچھلے ڈیڑھ سال سے ہندوستان کو نچا کر رکھ دیا تھا ۔ یہ ہر دیپ سنگھ کی قائدانہ صلاحیت ہی تھی جو وہ ہندوستانی فوج سے تین شہر چھین کر خالصتانی ریاست ایک بار قائم کر چکا تھا۔ یہ ہندوستان کی پوری تاریخ میں پہلی بار ہوا تھا جب آدھے پنجاب پر خالصتان کا جھنڈا لہریا گیا تھا۔ پچھلے ڈیڑھ سال کی جنگ میں پچاس ہزار سے دو ہر لوگ مارے جا چکے تھے۔

انڈین حکومت کو جانی نقصان بھی ہوا تھا انڈین معیشت ڈیڑھ سال میں بالکل زیرو پر آ چکی تھی ۔ انڈین کرنسی کا ایک روپیہ ڈالر کے مقابلے میں پانچ سو گنا نیچے گر چکا تھا۔ وہ لوگ دیپ کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے ۔ اسی لئے مذکرات کو طول دے رہے تھے ۔ دو دن تک مذکرات کو طول دے دیتے اچانک ہندوستانی کمانڈوز نے قیدی مسافروں کو چھرانے کے لئے نیپال کے کھٹمنڈ وا یئر پورٹ پر حملہ کر دیا۔

دونوں طرف شدید ترین لڑائی ہوئی جہاز کے اندر دو سو کے قریب مسافر تھے جن میں سے ڈیڑھ سو کے قریب مسافر مارے گئے ۔ ہمارے لڑکے چونکہ تجربہ کار ایجنٹ نہیں تھے اس لیے مار کھا گئے ۔ انہوں کمانڈوز کے اچانک حملے کی صورت میں جہاز کے مسافروں کو مارنا شروع کر دیا ابھی جیت کو جہاز کا کنٹرول ہاتھ سے جاتا نظر آیا تو اس نے اپنے لڑکوں کو بچانے کے لیے جہاز کے دروازے کھول کر مسافروں کو باہر بھگا یا اور خود بھی اُن مسافروں کی آڑ میں باہر آ گیا۔

ہوائی اڈے کی عمارت میں ایک بار پھر لڑائی شروع ہوئی۔ ابھی جیت اور اس کے لڑکے بے دریغ چاروں طرف فائرنگ کر رہے تھے۔ مسافروں میں بھگڈر مچی ہوئی تھی ۔ اور وہ جس کا جدھر منہ آ رہا تھا اُدھر ہی بھاگ رہے تھے۔ اسی بھگڈر کا فائدہ اُٹھا کر ہوائی اڈے سے نکلنے میں کامیاب

ہو گیا۔ وہ سی آئی اے (CIA) کا تربیت یافتہ تھا اُسے جنگ میں مچی بھگدڑ کے دوران سے نکلنے کی تربیت ملی ہوئی تھی وہ ہوائی اڈے سے باہر نکلا اور شہر میں روپوش ہو گیا۔

نیپال کے اس کمانڈو آپریشن میں انڈین کمانڈوز کے ساتھ ساتھ کوئی ڈیڑھ سو کے قریب مسافر مارے گئے تھے۔ جبکہ ہمارے چاروں لڑکے بھی شہید ہو گئے تھے صرف ابھی جیت ہی اس حملے میں زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

یہاں کابل میں اس وقت طالبان کی حکومت تھی یہاں انڈیا کا کوئی اثر و رسوخ نہیں تھا۔ (انڈیا کا افغانستان کے اندر اثر و رسوخ شمالی اتحاد کی حکومت کے بعد قائم ہوا تھا انڈیا نے افغانستان میں بہت پیسہ لگا کر یہاں انفراسٹرکچر ٹھیک کیا تھا) اسی انفراسٹرکچر بنانے کی آڑ میں انڈین راء بھی افغانستان میں اپنے قدم جما چکی تھی۔ کابل میں طالبان حکومت انڈیا کے مخالف تھی اس لیے یہاں کوئی کمانڈو آپریشن نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ جگہ ہمارے لیے بالکل سیف تھی۔

''راضی بھائی! کھٹمنڈو میں کمانڈو آپریشن ہوا ہے وہ لوگ جہاز کا قبضہ چھوڑانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔'' ابھی جیت نے وائرلیس پر مجھے کمانڈو آپریشن کی پوری تفصیل بتا دی۔

''ٹھیک ہے تم وہاں سے لالت پور پہنچ جاؤ وہاں میرا ایک آدمی ہے وہ تمہیں وہاں سے ایک چارٹرڈ طیارے کے ذریعے پاکستان پشاور پہنچا دے گا۔ پشاور سے تم بائی روڈ کابل آ سکتے ہو ۔۔۔۔۔۔'' میں نے اُسے لالت پور پہنچنے کا کہا اور کال آف کر دی۔

لالت پور کھٹمنڈو کے ساتھ ہی ایک اور بڑا شہر تھا یہ راولپنڈی اور اسلام آباد کی طرح ہی دونوں شہر ایک دوسرے جڑے ہوئے تھے۔ لالت پور میں ایک چھوٹا ہوائی اڈا تھا جو سیاحوں کو آگے ہمالیہ اور ماؤنٹ ایورسٹ کی طرف جانے والے چھوٹے جہاز اور ہیلی کاپٹروں کا ہوائی اڈا تھا۔ یہ چونکہ دارالحکومت کے ساتھ مستقل جڑا ہوا شہر تھا۔ اسی لیے یہاں سیاحوں کا رش سال میں بارہ مہینے ہی رہتا تھا۔ ابھی جیت کو لالت پور پہنچنے کا کہہ کر میں نے کال کاٹی اور ٹرانسمیٹر پر لالت پور میں موجود اپنے آدمی سے بات کرنے لگا۔ میں نے اُسے ابھی جیت پہنچنے اور اُسے باحفاظت

لینے اور پہنچانے کی تاکید کی اور پلان بی کے تحت دوسرے مشن کے بارے میں پوچھنے لگا۔

''پاہ جی! لڑکا تیار ہے۔۔۔۔۔اور آپ کے حکم کا ہی منتظر ہے آپ جیسے ہی حکم کریں گے وہ عمل کر گزرے گا۔'' اس آدمی نے مجھے پُر اعتماد لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی باندہ میں موجود اُس لڑکے کی ٹرانسمیٹر فریکونسی بتانے لگا۔

''پاہ جی! آپ ایک بار اس سے بات کر لیجیے لڑکا خالصتان پر جان دینے جا رہا ہے اس کی خواہش تھی کہ وہ ایک بار آپ سے بات کر لے۔ آپ اس کی آخری خواہش سمجھ لیجیے۔'' میں نے باندہ میں موجود منیندر سنگھ کی فریکونسی لی اور اس سے رابطہ کرنے لگا۔

''ست سری اکال بچے! کیسے ہو۔۔۔۔۔؟'' میں نے کال ملتے ہی سلام کیا۔

''ست سری اکال پاہ جی! گرو جی کی مہر ہے۔'' منیندر سنگھ نے عاجزی سے کہا۔

''بچے! تیار ہوناں۔۔۔۔۔؟ قربانی کے لیے۔۔۔۔۔خالصتان کو تمہاری قربانی کی ضرورت ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''جی پاہ جی! تیار ہوں۔۔۔۔۔یہ میری خوش قسمتی ہے جو میری خالصتان کے کام آ رہی ہے۔'' لڑکے کی آواز اعتماد سے بھری ہوئی تھی۔

''ٹھیک ہے بچے! کل رات بارہ بجے کا وقت ہے۔۔۔۔۔ٹھیک بارہ بجے تم اپنے آپ کو دھماکے سے اُڑا دینا۔''

''پاہ جی! اُس سے پہلے اگر کوئی مجھے تک پہنچنے کی کوشش کرے تو۔۔۔۔۔؟'' اُس نے سوال کیا۔

''تو پہلے قربان ہو جانا۔۔۔۔۔خدا تمہاری قربانی کو قبول کرے گا۔'' میں نے اُس کی کامیابی کی دعا کی اور ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔

''واہے گرو جی کا خالصہ واہے گرو جی کی فتح۔۔۔۔۔'' ہندوستانی کمانڈوز نے کھٹمنڈو ایئر پورٹ پر حملہ کر کے ہمارے قبضے سے ایک ہوائی جہاز آزاد کروا لیا۔ یہ لوگ مذرات کی بجائے

جنگ کرنا چاہتے ہیں۔انہیں لگتا ہے کہ ہم کمزور ہیں لیکن ایسا نہیں ہے ہماری طاقت کا اندازہ ابھی ہندوستان کو نہیں ہے۔میں ایک بار وارننگ دیتا ہوں کہ ہردیپ سنگھ و چھوڑ دیا جائے ورنہ ہم اس ایک لڑکے کی جان کی بدلے ہم پورے ہندوستان کو تباہ کر کے رکھ دیں گے۔

آج رات بارہ بجے اتر ردیش ریاست کا چھوٹا سا شہر باندہ صفحہ ہستی سے مٹنے والا ہے۔شہر کے اندر جتنے بھی لوگ ہیں وہ آج رات بارہ بجے سے پہلے پہلے باندہ سے باہر نکل جائیں۔یہ پورا شہر ہم سکھوں کی طاقت سے پھٹنے والا ہے باندہ کے بعد دہلی ،بمبئی ،حیدر آباد،کولکتہ سب کی باری آئے گی۔ہردیپ سنگھ کو پھانسی پر لٹکانے کی غلطی مت کرنا ورنہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔'' یہ ویڈیو دیپ کے نامزد کردہ کمانڈر کمل سنگھ باجوہ کی تھی۔

جس نے انڈیا میں بھونچال بھرپا کر دیا۔کابل میں مجھ سے ایک بار پھر مذاکرات شروع ہو گئے۔باندہ کے رہائشی شہر چھوڑ کر بھاگنے لگے۔مذاکراتی ٹیم مجھ سے مزید مہلت مانگ رہی تھی۔

''سر جی! جتنی مہلت آپ کہتے ہیں ہم دینے کے لئے تیار ہیں۔باندہ شہر کو ایک بار تباہ ہونے دو تا کہ آپ کو ہماری طاقت کا اندازہ ہو جائے اس کے بعد بمبئی کا نمبر ہے۔۔۔ہم بمبئی پر مذاکرات کریں گے۔'' میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

رات دس بجے تک وہ لوگ کوشش کرتے رہے اس دوران پورا باندہ شہر خالی کرا لیا گیا۔

''راضی! ٹھیک ہے ہمیں تمہاری شرط منظور ہے ہم دیپ کو چھوڑنے پر تیار ہیں۔۔۔۔''

رات بارہ بجے کے قریب وہ لوگ دیپ کو رہا کرنے پر تیار ہو گئے۔

انہوں نے میرے مطالبے پر دیپ کو ایک فوکر طیارے میں سوار کر کے کابل افغانستان لانے پر تیار ہو گئے۔میں نے اسی وقت ٹرانسمیٹر پر کال کر کے منیندر کو دھما کہ کرنے سے روک دیا۔

''پاہ جی! جنت صرف ایک گھنٹے کے فاصلے پر رہ گئی تھی۔آپ نے پھر دور کر دی۔'' منیندر نے افسردگی سے کہا۔

''بچے! مجھے تمہارے جذبات کا احساس ہے لیکن تمہیں خوشی ہونی چاہیے آج تمہاری وجہ

سے دیپ کو رہائی مل رہی ہے تم نے اپنے راجا کی جان بچا کر تاریخ میں اپنا نام رقم کر لیا ہے تمہیں اس پر فخر ہونا چاہیے۔۔۔۔۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

''منیندر! ابھی تمہیں وہیں باندہ شہر میں ہی رہنا ہے۔ دہلی والے دیپ کو چھوڑ رہے ہیں وہ صبح پانچ بجے کے قریب پہنچ جائے گا تم نے تب تک وہیں رہنا ہے۔ دیپ کابل پہنچ جائے گا تم پھر وہاں سے نکل جانا۔'' میں نے اسے ہدایات دیں۔

''راضی پاہ جی! ایک عرض ہے۔ آپ اگر ہردیپ پاہ جی سے بات کروا دیں تو بہت دھنے واد ہوگا آپ کا۔۔۔۔ میری زندگی کی سب سے بڑی اِچھا پوری ہو جائے گی۔'' مجھے اس نوجوان کی آواز میں التجاء محسوس ہوئی۔

''ارے منیندر بھائی! پہلے تو آپ کی اِچھا مجھ سے بات کرنے کی تھی۔ اب ہردیپ کی بات ہوگئی ہے یہ تو اب بے وفائی کر رہے ہو۔۔۔۔۔'' میں نے قدرے شوخ لہجے میں کہا۔

انڈین حکومت ہردیپ کو چھوڑنے پر تیار ہوگئی تھی اس لیے میری ٹینشن ختم ہوگئی تھی اور میں ہلکے پھلکے موڈ میں ہو گیا تھا۔

''راضی بھائی! میں آپ سے بے وفائی کرنے کی سوچ بھی نہیں سکتا میں تو اس چاند کی خواہش کر رہا ہوں جس کی خواہش آپ سمیت ہماری پوری قوم کرتی ہے۔ آپ میرے محبوب ہو اور آپ کا محبوب ہردیپ ہے محبوب کے محبوب کو دیکھنا اس سے بات کرنا زندگی میں اس سے بڑی خواہش ہو ہی نہیں سکتی۔'' وہ عقیدت سے بھرپور شاعرانہ لہجے میں بات کر رہا تھا۔

کچھ دیر پہلے اپنی قوم کے لیے ایک خودکش بمبار بننے والا نوجوان منیندر شاعرانہ مزاج بھی رکھتا تھا یہ مجھے ابھی معلوم ہوا تھا۔

'' ٹھیک ہے بچے! میں کوشش ضرور کروں گا باقی وہ لیڈر ہے اُس کی جو مرضی ہوگی ۔۔۔۔۔'' میں نے اُس سے کوشش کرنے کا وعدہ کیا۔

''دھنے واد پاہ جی! واہے گرو آپ کو چڑھدی کلا چے رکھے۔۔۔۔۔۔'' اُس نے مجھے

دعا دی اور میں نے ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔

ابھی مجھے صبح پانچ بجے کا انتظار کرنا تھا دہلی سے رات ایک بجے کے قریب کو دیپ کو تہاڑ جیل سے رہا کر کے ایک چھوٹے فوکر طیارے میں سوار کر کے اُسے کابل کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ وہ صبح پانچ یا چھ بجے کے قریب کابل پہنچ جاتا تو ادھر سے ہم مسافر جہاز کو بھی چھوڑ دیتے اور ہالینڈ میں موجود وزیر اعظم صاحب کی فیملی کو بھی چھوڑ دیتے۔

ابھی جیت بھی نیپال سے پشاور پہنچ چکا تھا وہاں سے وہ بھی صبح چھ بجے کے قریب نکل جاتا اور بارہ بجے دوپہر تک کابل پہنچ جاتا۔

آج سے بیس سال پہلے دو ہزار، دو ہزار ایک (2000-2001) میں افغانستان اور پاکستان دونوں طرف بارڈر کھلا ہوا تھا۔ لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک آتے جاتے تھے جیسے ایک شہر سے دوسرے شہر جا رہے ہو۔ باڈر پر کوئی چیک پوسٹ کوئی فوج نہیں تھی۔ ابھی جیت تو وہاں سے رات کو ہی نکلنا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے منع کر دیا۔ افغانستان کے اندر سفر کرنا تھوڑا مشکل ہو جاتا تھا۔

''راضی بھائی! آپ اب سو جاؤ پچھلے دو دن سے مسلسل جاگ رہے ہیں۔'' میں نے ٹرانسمیٹر آف کیا تو ایک لڑکا آ کر مجھ سے آرام کرنے کا کہنے لگا۔

''نہیں یار! تم لوگ سو جاؤ میں ابھی جاگ رہا ہوں۔'' میں نے انکار کر کے انہیں سو جانے کا کہا۔

''پاہ جی! تین چار گھنٹے آرام کر لیں ہر دیپ پاہ جی تو صبح آئیں گے۔'' وہ لڑکا پھر اصرار کرنے لگا۔

''بچے! یہ انتظار ہی تو نہیں سونے دے گا۔۔۔۔۔۔ یہ آنکھیں دیدار کر ترس گئی ہیں اب نیند تو دیپ کو دیکھنے کے بعد ہی آئے گی۔'' میں نے طیارے میں بیٹھے مسافروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ سب میری طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''یار! تم لڑکوں کو بولو کہ وہ سو جائیں میں پہرہ دے رہا ہوں۔'' میں نے اُسے سونے کا کہا
۔

''پاہ جی! ہردیپ سنگھ صرف آپ کا محبوب تو نہیں ہے اس محبوب کو دیکھنے کے لئے ہماری پوری سکھ قوم ہی ترس رہی ہے۔نیند تو اب ہم میں سے کسی کو بھی نہیں آئے گی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور جہاز کے پچھلے حصے کی طرف چلا گیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ہردیپ صبح چھ بجے کے قریب آیا۔اس کا طیارہ صبح چھ بجے قریب کابل ائیر پورٹ پر لینڈ کیا اور وہ طیارے سے باہر آ گیا۔ ہمارا مسافر طیارہ ایئر پورٹ کے ایک کونے میں الگ تھلگ کھڑا تھا ہم اُن سے کوئی سو میٹر دور تھے۔ ہردیپ اپنے طیارے سے نیچے اُترا اور لنگڑاتا ہوا ہماری طرف آنے لگا۔ وہ شدید زخمی حالت میں لنگڑاتا ہوا ہماری طرف آ رہا تھا۔جیل کے اندر پولیس نے اس پر جانوروں کی طرح تشدد کیا تھا میں نے جہاز کی کھڑکی سے اُسے اپنی طرف آتا دیکھا تو جلدی سے جہاز سے نیچے اُترا اور بھاگتا ہوا اُس کے پاس چلا گیا۔

''کیسے ہو راضی۔۔۔۔۔؟'' میں نے آگے بڑھ کر اس کے پیروں کو چھوا تو اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے اُوپر اُٹھایا۔

''صدیاں گزر گئیں یار! آنکھیں ترس گئیں تھیں تیرے دیدار کے لیے۔۔۔۔۔۔'' میں نے عقیدت سے کہا تو اس نے آگے بڑھ کر مجھے گلے سے لگا لیا۔

''راضی! تیری عقیدت تیری اس خدمت کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ میں اگلے سات جنم لگا کر بھی تمہاری اس خدمت کا صلہ نہیں دے سکوں گا تمہارا نام ہمیشہ ہماری قوم کے محسنوں میں سرِفہرست رہے گا۔'' اس نے نرمی سے میرے گالوں کو چھوا اور مجھے ساتھ لے جا کر ہوائی جہاز کی طرف جانے لگا۔

ہم نے ایئر پورٹ کی طرف جانا تھا جہاں سے ہم کابل شہر میں موجود اپنے ایک سیف

ہاؤس چلے جاتے ۔ مجھے دیپ کو لے کر شہر کی طرف جانا تھا لیکن میں دیپ کی ملاقات پہلے اپنے لڑکوں سے کروانا چاہتا تھا یہ وہ لڑکے تھے جنہوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر مسافر جہاز کو ہائی جیک کیا تھا۔ وہ اپنے محبوب لیڈر کو ایک نظر دیکھنا چاہتے تھے میں لیے دیپ کو جہاز میں لے جا رہا تھا۔ ہم دونوں جہاز کے اندر پہنچے تو سبھی لڑکے دیپ کے پیروں کو ہاتھ لگا لگا کر چومنے لگے۔

''واہے گرو مہر کرے تم سب پر میرے بچو! تم بہت بہادری کا کام کیا ہے۔'' ہردیپ اُن کے کندھے تھپتھپا کر شاباش دینے لگا۔

''مسافرو! مجھے آپ کی تکلیف کا احساس ہے آپ لوگ پچھلے کافی دنوں اپنے گھروں دور یہاں افغانستان میں قیدی بنے ہوئے ہیں میں اس کے لیے آپ سے شما چاہتا ہوں ۔ مجھے امید ہے آپ لوگ ہماری سکھوں کی مجبوری سمجھیں گے ہندوستان اپنی سرحدوں کو کابل تک پھیلانے کے چکر میں دوسرے چھوٹے مذاہب کے پیروکاروں کی آزادی چھین رہا ہے ہم لوگ صرف اپنی آزادی کی جدوجہد کر رہے ہیں ۔ امید ہے آپ لوگ ہمارے جذبات کو سمجھیں گے اور واپس ہندوستان جا کر ہماری آزادی کی بات کریں گے۔'' ہردیپ نے دونوں ہاتھ جوڑے اور جہاز کے مسافروں سے معافی مانگنے لگا۔

''اکھنڈ بھارت کا خواب ہمارے خالصتان کے خواب سے بڑا نہیں ہے ہماری آزادی چھیننے کی کوشش کرو گے تو اکھنڈ بھارت صرف دہلی کے لال قلعے تک ہی رہ جائے گا۔ واہے گرو سچے بادشاہ آپ کو سچ کا ساتھ دینے کی شکتی دے۔ واہے گرو جی کا خالصہ واہے گرو جی کی فتح۔'' دیپ نے بھاری لہجے میں کہا اور ہم دونوں جہاز سے باہر آ گئے۔

انڈیا سے آتے ہوئے چھوٹے فوکر طیارے میں انٹیلی جنس کا ایک سینئر افسر بھی تھا اُس ن ہمیں جہاز سے باہر آتے دیکھا تو جلدی سے چلتا ہوا ہمارے پاس آ گیا۔

''ہم دونوں ابھی یہاں سے نکل جائیں گے اور کسی سیف جگہ پر پہنچ کر اپنے لڑکوں کو فون کر دیں گے اور پھر وہ سارے مسافروں کو لے کر ایئرپورٹ کی عمارت میں آ جائیں گے اس کے

بعد ہمارے لڑکے بھی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں گے۔اس کے بعد وزیراعظم صاحب کی فیملی چھوڑ دی جائے گی اور کل صبح تک باندہ شہر بھی کلیئر ہو جائے گا۔اگر سب کچھ ٹھیک رہا تو کل صبح آٹھ بجے کے بعد باندہ شہر کی عوام واپس شہر میں آسکتی ہے۔'' میں نے انٹیلی جنس کے افسر کو اپنے پروگرام کی مکمل تفصیلات سے آگاہ کیا اور دیپ کو سہارا دے کر ایئر پورٹ کی طرف آ گیا۔

یہاں ایک گاڑی پہلے سے ہی کھڑی تھی ہم اس میں بیٹھ کر کابل شہر کے اندر چلے گئے۔کابل شہر کے ایک سیف ہاؤس میں دیپ کے تمام کپڑے تبدیل کروا کر اس کا مکمل معائنہ کیا گیا تاکہ کوئی خفیہ ٹرانسمیٹر وغیرہ اس کے کپڑوں میں نہ چھپا ہوا ہو۔اس زمانے میں صرف ٹرانسمیٹر کا ہی خطرہ ہوتا تھا GPS سسٹم ابھی تک اتنا ترقی یافتہ نہیں ہوا تھا ہر دیپ کو کلیئر کرنے کے بعد ہم پھر سیف ہاؤس سے نکلے اور اس بار شہر کے مضافات میں موجود ایک قلعے میں چلے گئے۔

یہاں ایک چھوٹا ہیلی کاپٹر بالکل تیار کھڑا تھا ہم اس میں سوار ہوئے اور کابل سے بامیان اور بامیان سے آگے ایک پک اپ میں سفر کرتے ہوئے اُوپر شمال مغرب کی طرف مزار شریف پہنچ گئے مزار شریف شمالی افغانستان کے صوبہ بلخ کا صوبائی دارلخلافہ اور سب سے بڑا شہر ہے۔یہ شہر فوجی اعتبار سے انتہائی اہم ترین شہر ہے اس کی سرحدیں تین ممالک تاجکستان، ازبکستان اور ترکمانستان سے لگتی ہیں۔شہر کے اندر ازبک اور تاجک باشندوں کی اکثریت ہے جبکہ اہل تشیع بھی یہاں کافی تعداد میں موجود ہیں۔اُنیس سو ستانوے 1997ء میں محض تین سال پہلے ہی افغانستان طالبان نے اس شہر پر قبضہ کر لیا تھا اور اب اس شہر پر طالبان کا مکمل کنٹرول تھا۔

یہ شہر مرکزی شہر دارلحکومت کابل سے بہت دور تھا اور یہاں مختلف رنگ، زبان اور نسل کے لوگ رہتے تھے۔مزار شریف ہمارے لیے بہترین پناہ گاہ بن سکتا تھا میں نے اسی شہر کا انتخاب کیا تھا میں اپنی آرمی سروس کے دوران پہلے بھی اس شہر میں آچکا تھا۔اس وقت اس شہر پر جنرل رشید رستم کا قبضہ تھا۔میں مختلف مشنز کے دوران تین بار افغانستان آچکا تھا اور میری افغان طالبان کے اندر کافی واقفیت موجود تھی (یہ امریکہ میں نائن الیون کے حملے سے پہلے کی بات ہے اس وقت

افغانستان پر طالبان مُلا عمر کی سر براہی میں حکومت کرتے تھے اور اسے امریکہ سمیت پوری دنیا تسلیم کرتی تھی۔افغان طالبان کی حکومت کو امریکی حملے سے پہلے پاکستان سمیت تمام دنیا تسلیم کرتی تھی۔امریکہ میں نائن الیون کے حملے اور اسامہ بن لادن کو پناہ دینے کی صورت میں افغان جنگ شروع ہوئی تو طالبان کی جگہ نئی جمہوری حکومت آگئی جسے پاکستان اور پوری دنیا تسلیم کرتی ہے جب تک افغان طالبان روس کے خلاف آزادی کی جنگ لڑتے رہے تب تک پاکستان اُن کے ساتھ تھا)

(میں کوشش کروں گا کے اپنی اس داستان کے اندر ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے سے پہلے کے طالبان اور امریکی حملے کے بعد کے طالبان میں فرق بھی بیان کرسکوں میں آگے جا کر ضرور اس کے بارے میں بھی لکھوں گا ابھی میں واپس داستان کی طرف آتا ہوں۔)

ہم نے بامیان شہر سے باہر نکلتے ہی ہوائی جہاز کے مسافروں کو چھوڑ دینے کا کہہ دیا اور خود تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے رات سے پہلے پہلے مزار شریف پہنچ گئے۔یہاں ہمارے میزبان طالبان تھے۔طالبان کے ضلعی کمانڈ وکریم خان تھے وہ بیس 20 سال کا ایک نوجوان لڑکا تھا۔اس کا اصل نام نصیری کریم تھا۔کریم اس کا نام جبکہ نصیری اُن کی ذات تھی قبیلہ تھا۔

اُس کے والد اسی کی دہائی میں پاکستان چلے گئے تھے۔نصیری کریم وہیں پاکستان میں پیدا ہوا تھا افغان جنگ کے خاتمے کے بعد وہ واپس افغانستان آ گئے۔اس کے والد نے کابل میں گاڑیوں کی ایک ورکشاپ کھول لی اور گاڑیوں کی مرمت کرنے لگے۔نصیر خان نے سترہ سال کی عمر میں ہی طالبان میں شمولیت اختیار کرلی۔وہ انتہائی بہادر اور قدرے سفاک طبیعت کا حامل لڑکا تھا۔اُس نے طالبان کے لیے کافی بڑی بڑی لڑائیاں لڑی اور ترقی کرتے کرتے کمانڈر کے عہدے پر پہنچ گیا۔

وہ صرف بیس سال کی عمر میں ہی مزار شریف شہر کا ضلع کمانڈر بن چکا تھا۔میں نصیر خان اور اس کے والد کو پاکستان سے ہی جانتا تھا۔یہ لوگ پشاور میں رہتے تھے۔اسی اور نوے کی دہائی میں

پشاور شہر افغان مہاجرین کا گڑھ ہوا کرتا تھا یہ لوگ بغیر کسی رجسٹریشن اور ویزے کے رہتے تھے۔ جنگ زدہ علاقے سے آنے کی وجہ سے یہ لوگ بھی تشدد پسند ہو چکے تھے۔ ان کو کنٹرول کرنے کے لیے ہماری انٹیلی جنس پشاور میں ان پر نظر رکھتی تھی۔

اُنیس پچانوے چھیانوے 1995/96ء میں میری ڈیوٹی پشاور میں رہی تھی۔ اس دوران میری دوستی نصیر خان کے والد سے ہوگئی۔ نصیر خان اُس وقت پندرہ سال کا نوجوان لڑکا تھا۔ میں انٹیلی جنس میں بالکل نیا نیا آیا تھا۔ میری عمر اس وقت اکیس بائیس سال کے قریب تھی اور میں لیفٹیننٹ کے عہدے پر تھا۔ آرمی میں سیکنڈ لیفٹیننٹ اور لیفٹیننٹ دونوں جونیئر ترین رینک ہوتے ہیں اور اُن کے اُوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ اصل کام کیپٹن یا میجر رینک کے افسر کا ہوتا ہے جو چھوٹے لیول پر کمانڈنگ آفیسر ہوتے ہیں۔

جو کمپنی سیف ہاؤس یا انکوائری یونٹ چلاتے ہیں ہمارا کام صرف دیکھنا اور سیکھنا ہوتا ہے۔ نصیری میرا ہم عمر تو نہیں تھا وہ مجھ سے پانچ چھ سال چھوٹا تھا لیکن پھر بھی ہماری دوستی ہوگئی۔ مجھے نصیری کی بہادری اور بے خوفی بہت پسند تھی وہ نتائج سے بے پرواہ ہو کر کسی بھی لڑ پڑتا تھا۔ نصیری اور اُس کے والد سے دوستی کے علاوہ ایک اور چیز بھی تھی جو مجھے اُن کے گھر لے جاتی تھی وہ نصیری کی والدہ تھیں اُن کے ہاتھ میں بڑا ذائقہ تھا۔ وہ افغانی سٹائل کے کھانے بڑے مزے دار بناتی تھیں اور یہی کھانے مجھے ہر روز اُن کے گھر لے جاتے تھے۔

ہمارے آرمی میں راشن کی کوئی کمی نہیں ہوتی تھی۔ میں اپنی یونٹ سے گوشت مصالحے اور سبزیاں وغیرہ لے جاتا تھا۔ نصیری کی والدہ مجھے اپنا دوسرا بیٹا سمجھتی تھیں یہ محبت اُن کے واپس افغانستان جانے کے بعد بھی چلتی رہی اور میں جب بھی افغانستان جاتا اُن سے ضرور مل کر آتا تھا

۔

یہ پُرانی دوستی اب میرے کام آ گئی تھی نصیری اب کمانڈر نصیر خان بن کر مزار شریف آ گیا تھا ۔ اور وہ اب ہمیں پناہ بھی دے رہا تھا میں اور ہر دیپ رات ہونے سے پہلے پہلے ہی کمانڈر نصیر

خان کے پاس پہنچ گئے۔

’’راضی بھائی ! کیسے ہو۔۔۔۔۔۔۔؟ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی راستے میں ۔۔۔۔۔۔؟‘‘ نصیر ہم دونوں سے گلے ملا اور اندر لے گیا۔

’’بھائی! سب خیر خیریت ہے ناں۔۔۔۔۔۔؟‘‘ وہ مجھ سے حال چال پوچھنے لگا۔

’’ٹھیک ہوں یار! تم سناؤ۔۔۔۔۔تم اب کیسے ہو۔۔۔۔۔؟ چاچی جی اور چاچا کیسے ہیں ۔۔۔۔۔۔؟‘‘ میں نصیری سے اُس کے ماں باپ کا پوچھنے لگا۔

’’جی راضی بھائی! اللہ کا شکر ہے دونوں خیر خیریت سے ہیں آپ اپنا سنائیں آپ کے گھر والے کیسے ہیں اور بیوی بچے۔۔۔۔۔۔۔؟‘‘ وہ مجھ سے پوچھنے لگا۔

’’یار! شادی کا تو ابھی موقع ہی نہیں ملا ہے پچھلے دو سال سے مسلسل خجل خوار ہو رہا ہوں۔‘‘ میں نے کن اکھیوں سے دیپ کی طرف دیکھا جو میری ہی طرف تیکھی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

’’یہ ہردیپ سنگھ رندھاواہ ہیں خالصتان تحریک کے لیڈر تم نے ان کا نام تو سنا ہی ہوگا ۔۔۔۔۔‘‘ میں نے ہردیپ کا تعارف کرواتے ہوئے کہا تو اس نے آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملا لیا۔

’’جی جی بھائی ! کیوں نہیں ۔۔۔۔کیوں نہیں جانتے ۔۔۔۔۔؟ لڑکا تو بہت چھوٹا سا ہے لیکن اس کا نام اس کے کارنامے بہت بڑے بڑے ہیں۔‘‘ نصیر خان اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

ایسے ہی کچھ دیر باتوں کا سلسلہ چلتا رہا اس دوران کھانا آ گیا تو ہم سب نے مل کر کھانا کھایا اور قہوے کی چسکیاں لینے لگے۔قہوہ شاید پشتونوں کا قومی مشروب ہے یہ دریائے اٹک سے شروع ہوتا ہے اور کئی کلومیٹر دور ادھر مزار شریف تک انتہائی ذوق وشوق سے پیا جاتا ہے۔

’’راضی! ہمارے لڑکے تو کابل سے نکل گئے ہوں گے تم منیندر کو کال کرواور اُسے باندہ شہر اُڑانے کا بول دو۔۔۔۔۔۔۔‘‘ دیپ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا تو میں اپنی جگہ سے اچھل

پڑا۔

میرے ساتھ ساتھ کمانڈر نصیری بھی حیران رہ گیا۔ ہر دیپ بالکل نارمل سے لہجے میں ایک پورے شہر کو اُڑانے کی بات کر رہا تھا۔

''دیپ! ہماری ہندوستانی گورنمنٹ سے ڈیل ہوئی تھی انہوں تمہیں آزاد کر دیا ہے تو اب ہم ایسا کچھ نہیں کریں گے۔'' میں نے فوراً انکار کر دیا۔

''راضی! ڈیل تم نے کی تھی اب لیڈر میں ہوں اور مجھے جو بہتر لگے گا میں وہی کروں گا ۔۔۔۔۔۔'' دیپ نے سرد لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے دیپ! تم لیڈر ہو لیکن پھر بھی یہ غلط ہے ۔۔۔۔۔ہم وعدہ خلافی نہیں کریں گے۔'' میں ایک بار پھر انکار کر دیا۔

''راضی! یہ وعدہ خلافی نہیں ہے ۔۔۔ہم نے مسافر جہاز کو چھوڑ دیا، وزیراعظم کی فیملی چھوڑ دی، پورا باندہ شہر خالی کرا دیا اب خالی شہر کو تباہ کرنا ٹھیک رہے گا۔اس سے ہندوستان کو ہماری طاقت کا اندازہ ہوگا۔'' اس نے ٹرانسمیٹر لینے کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔

''دیپ! یہ غلط ہے ۔۔۔۔میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔۔۔۔۔۔'' میں نے ٹرانسمیٹر دینے سے انکار کر دیا۔

''تم مجھے روک رہے ہو۔۔۔۔۔۔؟ مجھ سے بغاوت کر رہے ہو۔۔۔۔۔؟'' دیپ کا لہجہ کافی سخت تھا اس کا ہاتھ ابھی تک میری طرف بڑھا ہوا تھا۔

''دیپ! یہ بغاوت نہیں ہے میں اپنی زندگی کی آخری سانس تک تمہارا وفادار رہوں گا۔'' میں جلدی سے وضاحت کرنے لگا۔

''وفاداری ۔۔۔۔۔۔۔یہ کیسی وفاداری ہے ۔۔۔۔؟ جو تمہیں میرے احکامات ماننے سے منع کر رہی ہے مجھے پناہ دے رہے ہو تو کیا اب میں تمہارے اشارے پر چلوں گا۔۔۔؟'' اس کا لہجہ اب بھی کافی سخت تھا۔

''دیپ ! تم بھول رہے ہو تمہیں آزادی صرف اسی باندہ شہر کی وجہ سے ملی ہے ہم نے دو مسافر طیارے اور وزیراعظم کی فیملی اغواہ کی تھی ۔ یہ بہت بڑی کامیابی تھی لیکن پھر بھی انڈین حکومت مذاکرات پر تیار نہیں تھی ۔انڈین کمانڈوز نے نیپال میں آپریشن کے دوران ایک پورا جہاز تباہ کر دیا تھا اُن کے گھٹنے صرف ایک باندہ شہر کی دھمکی نے پتہ ہے کیوں لگوائے ہیں کیونکہ وہاں ایٹمی بجلی گھر کا پلانٹ ہے۔ یہ دھمکی کوئی عام دھمکی ایٹمی دھماکے کی دھمکی تھی جس کی وجہ سے پورا شہر خالی ہوا اور تمہیں بھی فوراً آزاد کر دیا گیا۔''

''ہاں ۔۔۔۔۔اتنا تو مجھے بھی پتہ ہے اور اسی لیے تو چاہتا ہوں کہ پورا شہر تباہ ہو جائے تا کہ ہندوستان کو ہماری طاقت کا اندازہ ہو سکے۔'' اس نے میری بات درمیان سے کاٹتے ہوئے کہا۔

''ہر دیپ سنگھ! آپ اپنی طاقت کا مظاہرہ نہیں کر رہے ہو آپ پوری دنیا کو اپنا دشمن بنا رہے ہو۔۔۔۔ایٹمی ہتھیاروں تک رسائی اور اُن کا استعمال پوری دنیا کے لیے نا قابل قبول ہے ۔ باندہ میں دھماکہ ہوا تو پوری دنیا آپ کے خلاف ہو جائے گی ۔اس پوری دنیا میں آپ کو کہیں بھی چھپنے کی جگہ نہیں ملے گی ۔'' میں نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔

''راضی ! مجھے مت سکھاؤ میں نے کیا کرنا ہے۔۔۔۔۔۔؟ مجھے اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں ہے زندگی اور موت سچے رب کے ہاتھ میں ہے میں دنیا کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہم سکھوں میں کتنی طاقت ہے۔۔۔۔؟ یہ دنیا ابھی ہم سکھوں کی طاقت سے واقف نہیں ہے باندہ میں ہونے والا دھماکہ ہندوستان کے سینے میں آخری کیل ہوگا ۔'' اس نے آگے بڑھ کر میرے ہاتھ سے ٹرانسمیٹر لے لیا۔

''دیپ! مت کرو۔۔۔۔۔۔یار! یہ غلط ہوگا تم بہت بڑی غلطی کر رہے ہو۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔

''راضی ! میں نے خالصتان کی آزادی کی قسم کھائی ہوئی ہے میں اس آزادی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر سکتا ہوں ۔ میں تمہاری محبت اور عقیدت کی قدر کرتا ہوں لیکن تمہاری محبت اور

عقیدت میرے خالصتان سے اُوپر نہیں ہے ساتھ دے سکتے ہو تو دو۔۔۔۔ورنہ چھوڑ کے جا سکتے ہو۔'' دیپ نے سرد لہجے میں کہا تو میں نے بے اختیار اس کا گریبان پکڑ لیا۔

''ہر دیپ سنگھ رندھاوا! محبت اور عقیدت یہ بہت چھوٹے لفظ ہیں۔۔۔۔۔تمہیں معلوم ہی نہیں ہے کہ تم میرے لیے کیا ہو۔۔۔۔؟ میں نے اپنا گھر بار، ماں باپ، گاؤں سب کچھ ہی تو تمہارے لیے چھوڑ دیا ہے۔اپنی ایک ایک چیز تم اور تمہارے خالصتان پر قربان کر دی ہے۔صبح شام مر رہا ہوں اب اور بتاؤ میں کیا کروں۔۔۔۔؟ جس سے تم خوش ہو جاؤ اور میرے خالصتان سے ہمارا خالصتان ہو جائے۔'' میں نے جھٹکا دے کر اس کا گریبان چھوڑا اور اُسے منیندر کی فریکونسی بتانے لگا۔

''راضی! ایک خواہش ہے خدا سے ایک چھوٹی سی خواہش کہ اگلے جنم میں خدا مجھے تمہاری جگہ اور تمہیں میری جگہ پر پیدا کرے۔وہ درد جو میں سکھ قوم کا محسوس کرتا ہوں وہ درد اگلے جنم میں تمہیں بھی محسوس ہو پھر تمہیں میری بے بسی کا اندازہ ہوگا۔راضی! تمہارے دل میں صرف ایک میرا ہی درد ہے جبکہ میرے دل میں چودہ 14 کروڑ سکھوں کا درد ہے تم ایک درد کو نہیں سنبھال سکتے اور مجھے دیکھو میں چودہ کروڑ کا درد دل میں سنبھال رہا ہوں۔'' اُس نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور ٹرانسمیٹر پر منیندر کی فریکونسی لگانے لگا۔

''ست سری اکال! پاہ جی۔۔۔۔۔'' ٹرانسمیٹر پر کال ملتے ہی دوسری طرف سے منیندر کی آواز آئی۔

''ست سری اکال بچے! کیسے ہو۔۔۔۔۔؟'' دیپ نے ست سری اکال کہا تو دوسری طرف منیندر کی آواز ہی اٹکنے لگی وہ واپس جواب ہی نہیں دے رہا تھا۔

''منیندر بچے! پریشان تو نہیں ہو۔۔۔۔۔؟'' دیپ ایک بار پھر پوچھنے لگا۔

''نہیں۔۔۔۔۔نہیں بابا میں بالکل ٹھیک ہوں واہے گرو جی کی مہر ہے جو مجھے آپ سے بات کرنے کا موقع مل رہا ہے بابا آپ دھن ہو۔۔۔۔آپ نے ہماری قوم کو آسمان کی بلندیوں

تک پہنچا دیا ہے۔'' وہ ایک بار بولنے پر آیا تو مسلسل بولتا ہی چلا گیا۔

''باپا! میرے لیے کیا حکم ہے۔۔۔۔؟ میں خودکش جیکٹ پہن کر ایٹمی بجلی گھر کے اندر بیٹھا ہوا ہوں۔'' ٹرانسمیٹر سے منیندر کی آواز آئی میں ہردیپ کی طرف دیکھنے لگا۔

میں بے بسی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا میرے لبوں پر ایک خاموش التجاء تھی۔ میں اس دھماکے کو روکنا چاہتا تھا اگر وہ دھماکہ ہو جاتا تو خالصتان کے لیے دنیا کی ہمدردیاں بھی ختم ہو جاتیں۔ہم آزادی سے دہشت گرد بن جاتے۔

''باپا! کیا حکم ہے میرے لیے۔۔۔۔؟ میں اپنی جان قربان کرنے لیے تیار ہوں۔'' ٹرانسمیٹر سے ایک بار پھر آواز اُبھری۔

میں نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ معافی کے انداز میں باندھ لیے میرا پورا جسم کانپ رہا تھا میرے پیچھے کمانڈر کریم خان بھی کھڑا ہم دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''بم ڈی فیوز کر دو بچے! اور شہر سے نکل جاؤ۔۔۔۔ہم یہ دھماکہ نہیں کریں گے۔'' دیپ نے اُسے حکم دیا اور ٹرانسمیٹر بند کر کے مجھے پکڑا دیا۔

''راضی! آج میں نے دماغ کی نہیں دل کی سنی ہے۔'' اس کی آواز میں گہری اُداسی کی جھلک تھی۔

دوسرے دن بارہ بجے کے قریب ابھی جیت بھی مزار شریف آ گیا اور ہم تینوں ایک بار پھر مزار شریف سے خالصتان تحریک کو کنٹرول کرنے لگے۔اس دفعہ ہردیپ کا رویہ بہت جارحانہ ہو گیا تھا۔اُسے آدھے پنجاب کے چھن جانے کا بہت دُکھ ہوا تھا خالصتان حکومت ایک بار قائم ہونے کے بعد دوبارہ ہاتھ سے چھن گئی تھی اس لیے وہ غصے سے کافی حد تک چڑچڑا ہو گیا تھا۔اس نے افغانستان میں طالبان سے بھی راہ ورسم بڑھانی شروع کر دی تھی۔خدا نے اُس کو قائدانہ صلاحیت سے مالا مال کیا ہوا تھا۔

اُسے بات کرنے کا فن بھی کمال کا آتا تھا۔وہ مخالف کو قائل کرنے کی خداداد صلاحیت کا حا

مل تھا وہ جب بات کرتا تو سامنے بیٹھا کوئی بھی شخص اس کی باتوں سے متاثر ہوجاتا تھا۔اس نے سب سے پہلے کمانڈر نصیر خان سے راہ و رسم بڑھائی اور ادھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی دھوم مزارشریف شہر سے باہر تک پھیل گئی۔افغانستان میں اسلحہ اور بارود کی کوئی کمی نہیں تھی۔

وہ یہاں سے اسلحہ خالصتان تحریک کے لئے ہندوستان سمگل کرنے لگا افغانستان سے خشک میوہ اور پھل پاکستان اور انڈیا جاتا تھا وہ ان لڑکوں میں اسلحہ کی سمگلنگ کرنے لگا خالصتان تحریک ایک بار پھر زور پکڑنے لگی ہم نے ایک پھر امرتسر شہر پر قبضہ کرلیا اس بار انڈین فوج نے اپنا پورا زور لگایا لیکن وہ پھر بھی ناکام رہے۔اس بار سکھوں کے پاس افغانستان سے آیا ہوا جدید ترین اسلحہ تھا سکھوں کی بہادری اور افغانی اسلحہ (جو زیادہ تر رُوسی تھا) جب اکھٹے ہوئے تو ہندوستانی فوج شہر چھوڑ کر بھاگ گئی۔

خالصتان کا جھنڈا ایک بار پھر پنجاب میں لہرانے لگا ہماری خالصہ فوج اب آہستہ آہستہ آگے دریائے راوی کی طرف بڑھ رہی تھی دیپ کی پوری کوشش تھی کہ کسی طرح ہم امرتسر سے دریائے راوی تک قبضہ کرلیں یہ کام بہت مشکل تھا۔شہر کے اندر ایئر اٹیک (جنگی جہاز) نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہاں شہری آبادی کی ہلاکت ہوتی تھی اس لیے وہاں صرف آرمی ہی لڑتی تھی اور انہیں صرف گن شپ ہیلی کاپٹر ہی ملتے تھے۔

جس کا علاج صرف (RPG) آر پی جی یا راکٹ لانچر تھے ہماری خالصہ فوج کے جوان امرتسر کی بڑی بڑی بلڈنگوں کی چھٹوں پر آر پی جی () لیکر بیٹھے ہوئے تھے۔جو کسی بھی گن شپ ہیلی کاپٹر کو اڑا سکتے تھے۔شہر کے اندر ہمیں کوئی پرابلم نہیں تھی۔اس لئے ہم امرتسر شہر پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے تھے اصل مصلہ شہر کے باہر تھا جہاں انڈین ایئر فورس پہنچ جاتی تھی۔دیپ اپنا پورا زور لگا رہا تھا کہ ہم مسی بھی طرح ہم دریائے راوی تم پہنچ جائیں یہ پاکستانی باڈر تھا اگر ہم امرتسر سے راوی تک قبضہ کر لیتے تو ہر دیپ پاکستان کے ساتھ متصل سرحد اوپن (کھول) کر دیتا۔

ہر دیپ کو پوری امید تھی کہ وہ سرحد تک پہنچ گیا تو اسے پاکستان اور دوسرے دیگر مما لک سے

مدد مل سکتی تھی۔ پہلے جب ہم نے امرتسر سے پٹھان کوٹ تک قبضہ کیا تھا۔تو اس وقت بھی ہم نے باڈر لائین کو کھولنے کی پوری کوشش کی تھی اور اس سے ہم کچھ حد تک کامیاب ہو گئے تھے لیکن اس وقت دیپ پنجاب سے بہت دور کولمبیا میں تھا۔اس وقت حالات مختلف تھے۔جبکہ اس بار تمام حالات ہمارے حق میں تھے۔

دیپ اس بار افغانستان میں بیٹھا ہوا تھا اور ہمیں افغانستان کی پوری حمایت حاصل تھی ۔دیپ بھی مزار شریف کو چھوڑ کر جلدل آباد میں آ کر بیٹھ گیا تھا ہمارے پاس سکھوں کی پوری فوج جلدل آباد میں موجود تھی اور ہم صرف باڈر کھلنت کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ وہ سکھ تھے جو پپا کستان سے بھاگ کر افغانستان میں ٹرینگ حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔ جنرل ندیم نے ہمیں اس باریقین دھانی کروائی تھی۔

کہ اگر ہماری خالصہ فوج دریائے راوی پر قبضہ کر کے باڈر کھول دیتی ہے تو وہ ہمیں گزرنے کے لیے پاکستان سے راہداری دے دیں گے دیپ نے کابل میں چین اور روس کے سفیروں سے بھی بات کی تھی ۔وہ خالصتان کے مہارجہ کی حثیت سے سفیروں سے ملا تھا اور انہیں آفر کی تھی کہ اگر یہ دونوں مما لک سلامتی کونسل میں خالصتان کی حمایت کریں اور خالصتان کو تسلیم کریں تو ان کا ملک خالصتان مستقبل میں ایشین بلاک میں شامل ہوگا۔

ہر دیپ نے تو روس کو خالصتان کے اندر اپنا فوجی اڈا بنانے کی آفر کر دی تھی ۔ یہ سرد جنگ کے بعد روس کا اپنے ملک سے باہر پہلا فوجی اڈا ہوتا وہ اب مختلف مما لک کے سفیران سے ایک ملک کے سربراہ کی حیثیت سے ملاقاتیں کر رہا تھا۔اُن سے مختلف معاہدے کر رہا تھا۔

دوسری طرف خالصہ فوج اور ہندوستانی کے درمیان جنگ پورے زور وشور سے چل رہی تھی ۔اس بار ہم پورا زور لگا رہے تھے۔اسی دوران امریکہ میں نائن الیون کا حادثہ ہو گیا۔ نیو یارک کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پو دہشت گرد حملہ ہوا تو پوری دنیا کی سیاست تبدیل ہوگئی ۔ پوری دنیا کی نظریں خالصتان سے ہٹ کر امریکہ پر ٹک گئیں جہاں تاریخ کا سب سے بڑا دہشت گرد حملہ ہوا تھا۔ یہ

حملہ اسامہ بن لادن القاعدہ نے کیا تھا۔ جو کہ ادھر جلال آباد میں رہ رہا ہے۔ اسامہ بن لادن 1996ء میں افغانستان آیا تھا وہ پاکستانی سرحد کے قریب جلال آباد شہر میں رہ رہا تھا۔

ہماری خالصہ فوج کا ٹریننگ کیمپ بھی جلال آباد تھا اور ہم سب بھی ادھر ہی رہ رہے تھے۔ دیپ نے اسامہ بن لادن کا نام کافی مرتبہ سنا تھا لیکن اس کی کبھی بھی براہِ راست اس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ہم طالبان امیر ملا عمر سے کوئی پانچ چھ بار مل چکے تھے وہ بہت اچھے آدمی تھے۔ مجھے طالبان امیر ملا عمر کی کافی باتوں سے اختلاف تھا لیکن پھر بھی وہ نیک آدمی تھے انہوں افغانستان کو قتل وغارت، بدامنی اور دہشت گردی سے باہر نکالا تھا۔ وہ افغانستان میں امن لے کر آئے تھے۔

افغانستان کے اندر اُن کا نام عزت اور احترام سے لیا جاتا تھا وہ افغانستان کو ایک مکمل اسلامی ملک بنانا چاہتے تھے۔ وہ افغانستان کے جنوب مشرقی شہر قندھار سے تھے اور انہوں نے طالبان حکومت قندھار سے ہی شروع کی تھی طالبان حکومت قائم کرنے کے بعد وہ کابل منتقل ہو گئے تھے۔ کابل سے جلال آباد محض ڈیڑھ گھنٹے کا سفر ہے اور وہ اکثر جلال آباد آتے جاتے رہتے تھے۔

پاکستانی سرحد سے قریب ہونے کی وجہ سے جلال آباد شہر کو خصوصی حیثیت حاصل تھی۔ یہ شہر پاکستانی شہر پشاور سے محض ایک گھنٹے کی مسافت پر تھا دنیا کی پانچویں بڑی ایٹمی طاقت کے قریب ہونے کی وجہ سے یہ شہر عالمی سیاست کا بھی مرکز تھا۔ جلال آباد اور کابل پر قبضہ پورے افغانستان پر قبضہ تصور کیا جاتا تھا جو یہاں طاقت ور تھا وہی پورے افغانستان میں طاقت ور تھا امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ ہوا تو یہاں حالات خراب ہونے لگے۔

امریکہ اس کا الزام اسامہ بن لادن پر لگا رہا تھا اور افغانستان کو اسامہ بن لادن امریکہ کے حوالے کرنے پر زور دے رہا تھا۔ امریکی ڈرون جلال آباد شہر کے اندر اور باہر پہاڑیوں میں حملے کر رہے تھے اُن کو جہاں بھی شک ہوتا وہ میزائل فائر کر دیتے۔ اس ایئر اٹیک میں ہماری خالصہ فوج کا بھی نقصان تھا۔ دیپ نے بڑی محنت سے یہ فوج تیار کی تھی جواب امریکی ڈرون حملوں میں

بے قصور ماری جارہی تھی۔ دیپ نے جب اپنے نقصان کو حد سے بڑھتے ہوئے دیکھا تو وہ مجھے ساتھ لے کر ملا عمر سے ملنے چلا گیا۔

ملا عمر اس وقت جلال آباد شہر کے جنوب میں واقع پہاڑی سلسلے تورا بورا میں تھے۔ تورا بورا پاکستانی کُرم ایجنسی کے قریب دشوار گزار پہاڑی علاقہ تھا۔ یہ پاڑا چنار کے قریب واقع ہے اور یہاں سینکڑوں کی تعداد میں چھوٹی بڑی پہاڑی غاریں موجود ہیں۔ اسامہ بن لادن اپنی القاعدہ تنظیم کے ساتھ انہیں پہاڑوں میں روپوش تھا۔

ہم نے جلال آباد میں طالبان کمانڈر سے بات کی تو وہ ہمیں ایک بندوین کے ذریعے تورا بورا لے آیا۔ ہماری ملاقات ملا عمر سے ایک قدرے کھلی اور کشادہ غار میں ہوئی۔ وہ غار میں بچھے قالین پر بیٹھے ہوئے تھے۔

''السّلامُ علیکم ورحمتہ اللہ!۔۔۔۔۔'' ہم نے بلند آواز میں سلام یا اور قالین پر بیٹھ گئے اس وقت غار میں کوئی درجن کے قریب لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

''ہردیپ سنگھ! کیسے ہو۔۔۔۔۔۔؟ تمہاری خالصہ فوج کیسی جارہی ہے۔۔۔؟'' ملا عمر نے ہردیپ کی طرف سلام کے لیے ہاتھ بڑھایا تو وہ اُن سے ہاتھ ملانے لگا۔

''گرو جی کی مہر ہے امیر صاحب! حالات تو خراب ہیں لیکن ہم کوشش کر رہے ہیں۔'' دیپ نے اُن سے ہاتھ ملایا اور اُن کے سامنے بیٹھ گیا۔

''صحیح کہتے ہو۔۔۔۔۔ حالات کافی خراب ہوگئے ہیں سارے کافر ملک اکھٹے ہو رہے ہیں ہم مسلمانوں کو مارنے کے لیے۔۔۔۔۔'' ملا عمر کے دائیں طرف بیٹھے ایک عربی نے ٹوٹی پھوٹی اُردو میں کہا۔

یہ اسامہ بن لادن تھے دنیا کو مطلوب سب سے بڑا دہشت گرد جس نے ہزاروں معصوموں کو موت کے گھاٹ اُتارا تھا وہ اسلام کا نام لے رہا تھا۔ غصے سے میرا خون کھولنے لگا لیکن میں دیپ کی وجہ سے برداشت کر گیا۔

''ہردیپ سنگھ! یہ ہمارے مہمان اسامہ بن لادن ہیں امریکہ ان کو گرفتار کرنا چاہتا ہے لیکن ہم افغان قوم مہمان نواز ہیں ہم اپنے مہمان کی حفاظت کرنا جانتے ہیں ہم امریکہ کو ہی صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے۔'' وہ ایک بار پھر بولنے لگا۔

اُس کی نفرت انگیز باتیں سن کر باقی لوگ بھی متاثر ہو رہے تھے۔

''سر جی! امریکہ میں پینتیس 35 لاکھ مسلمان رہتے ہیں کیا اُن سب کو بھی مار دو گے۔۔۔۔۔؟ جتنی افغانستان کی ٹوٹل آبادی ہے اس سے دو گنا مسلمان آبادی یورپ میں رہتی ہے کیا اُن سب کو بھی مار دو گے۔۔۔۔؟'' غار کے اندر ہردیپ کی اعتماد سے بھرپور آواز گونجی تو میرا سر فخر سے بلند ہو گیا۔

میرا انتخاب غلط نہیں تھا دیپ کبھی بھی کسی سے ڈرتا نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ سچی بات ہی کرتا تھا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو۔۔۔۔۔؟ تمہیں ہم مسلمانوں سے زیادہ پتہ ہے۔۔۔۔؟ تم ایک کافر ہو اور تمہیں ہم مسلمانوں پر بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔'' اسامہ بن لادن دیپ کی بات سن کر غصے میں آ گیا۔

''امیر صاحب! بے شک میں مسلمان نہیں ایک سکھ ہوں لیکن مجھے آپ کا اسلام آتا ہے۔ میں نے آپ کے اسلام کو اس راضی سے مکمل سیکھا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ آپ کا اسلام کسی بے گناہ کی جان نہیں لیتا۔'' وہ اب براہِ راست ملا عمر سے بات کرنے لگا۔

''ہردیپ سنگھ! آپ چونکہ مسلمان نہیں ہیں اس لیے آپ کو ہمارے مذہب پر بولنے کا کوئی حق نہیں اس لیے پلیز۔۔۔۔۔ خاموش ہو جائیں ہمیں ہمارے مذہب کا زیادہ علم ہے۔'' ملا عمر نے اُسے خاموش ہو جانے کا کہا۔

''ٹھیک ہے امیر صاحب! میں خاموش ہو جاتا ہوں لیکن میرے خاموش ہونے سے آپ کا اسلام تبدیل نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ ارے! جو اسلام کسی کتے کو ناحق مارنے کی اجازت نہیں دیتا وہ کیسے ہزاروں بے گناہ لوگوں کی جان لے گا۔۔۔۔؟ امیر صاحب! رحمتہ العالمین کے مذہب

اسلام کو ان جیسے دہشت گردوں سے بچاؤ اور دنیا کو جینے دو۔'' دیپ نے نفرت سے اس کی طرف اشارہ کیا اور خاموش ہو گیا۔

''اچھا! ہم دہشت گردی کر رہے ہیں تو تم ہندوستان میں کیا کر رہے ہو۔۔۔۔۔۔؟ پچھلے دو سال میں لاکھوں لوگ تو تم نے بھی ناحق مار دیئے ہیں۔تمہاری خالصہ فوج اب بھی لوگوں کو مار رہی ہے۔'' غار میں بیٹھے اب تمام لوگوں کی نظریں ہر دیپ پر لگی ہوئی تھیں۔

''امیر صاحب! آزادی چھیننے اور آزادی حاصل کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے ہم لوگ آزادی حاصل کرنے کے لیے لڑ رہے ہیں اسی لیے ہماری جنگ جائز ہے جبکہ آپ لوگ آزادی چھین رہے ہو۔ یہ لوگ امریکہ اور یورپ پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں جو کہ غلط ہے۔'' اس بار میں نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔

''راضی صاحب! ہمارا اسلام دنیا پر حکومت کرنے کے لیے ہی آیا ہے اسلام ہی سچا مذہب ہے اور مسلمان ہی ایک دن پوری دنیا پر حکومت کریں گے۔'' تمام لوگ اب دیپ کی بجائے میری طرف دیکھنے لگے۔

''آپ غلط سر! اسلام اگر دنیا پر حکومت کرنے کے لیے آیا ہوتا تو آج سے چودہ سو سال پہلے پوری دنیا پر ہماری ہی حکومت ہوتی اسلام ایک تبلیغ کا مذہب ہے ہمارا کام خدا اور اس کے رسولوں کا پیغام کا دنیا کے کونے کونے تک پہنچانا ہے اور یقین کریں خدا اس کام میں ہماری مدد بھی کرتا ہے۔ آپ اسلام کا پیغام لے کر گھر سے نکلیں پوری دنیا کے دروازے آپ پر کھل جائیں گے۔کوئی آپ کو اسلام کی تبلیغ کرنے سے نہیں روکے گا۔۔۔ہمارا کام اسلام کی تبلیغ اور مظلوموں کی مدد کرنا ہے۔ دنیا پر حکومت کرنا ہوتی تو کیا میرے نبی پاک ﷺ کے پاس طاقت نہیں تھی اُن کے ایک اشارے پر چاند ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا تھا مردے اُٹھ کر بولنے لگے تھے وہ اشارہ کرتے تو طائف کا نام و نشان مٹ جاتا لیکن وہ رحمتہ العالمین تھے جو پوری دنیا کے لیے امن کا پیغام بن کر آئے آپ کیسے مسلمان ہو۔۔۔۔؟ جو امریکہ اور یورپ کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی بات کرتے ہو۔

محبت سے اسلام کی تبلیغ کروہ یہی امریکہ پورا مسلمان ہوجائے گا۔۔۔۔پھر حکومت کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔'' میں نے اسلام پر ایک پوری تقریر کر دی۔

''امیر صاحب! حالات کافی خراب ہورہے ہیں بارڈر کے قریب ہونے کی وجہ سے یہاں آئے روز ڈرون اٹیک ہورہے ہیں۔اُن کی پوری القاعدہ فورس ادھر تورا بورا میں بیٹھی ہوئی ہے جبکہ ہماری خالصہ فوج بھی جلال آباد میں موجود ہے۔امریکی اُن کو مارنے آتے ہیں اور ہمیں مار کر جارہے ہیں یہ تو غاروں میں چھپے بیٹھے ہیں جبکہ ہماری خالصہ فوج باہر اوپن بیٹھی ہوئی ہے اور اسی وجہ سے ہمیں نقصان ہورہا ہے۔'' ہردیپ نے اس بار اپنے مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا۔

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے ہردیپ سنگھ! آپ بھی ہمارے مہمان ہو ہمیں آپ کے نقصان کا بہت افسوس ہے لیکن ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے ہیں امریکی ڈرون یا گن شپ کا ہم مقابلہ نہیں کر سکتے ہے۔'' امیر صاحب نے بے بسی سے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''امیر صاحب! اس کو امریکہ کے حوالے کر کے جان چھڑاؤ کیونکہ اس کی وجہ سے پورے افغانستان کا مستقبل داؤ پر لگا رہے ہیں۔'' دیپ نے حقارت سے کہا۔

''ہردیپ سنگھ! آپ ہمارے مہمان ہیں اور پلیز مہمان بن کر ہی رہیں ہم آپ کی عزت کرتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ہمارے داخلی معاملات میں مداخلت کریں۔'' امیر صاحب نے اس بار غصے سے کہا۔انہیں دیپ کی بات کافی بری لگی تھی۔

''ٹھیک ہے امیر صاحب! آپ یہاں کے حکمران ہیں میں تو صرف مشورہ دے رہا ہوں اس مہمان سے جان چھڑا لیں ورنہ یہ مہمان آپ کے پورے افغانستان کو کھا جائے گا۔'' ہردیپ نے مجھے اُٹھنے کا اشارہ کیا اور ہم دونوں وہاں سے باہر آ گئے۔غار سے باہر کھڑے طالبان نے ہمیں اپنے ساتھ لیا اور واپس جلال آباد پہنچا دیا۔

''راضی بھائی! ٹرانسمیٹر کدھر ہے۔۔۔۔؟'' گھر میں واپس آتے ہی دیپ نے مجھ سے ٹرانسمیٹر لیا اور ابھی جیت سے CIA کے کسی افسر کی فریکونسی پوچھنے لگا۔

ابھی جیت چونکہ سی آئی اے میں رہ چکا تھا اسی لیے وہ سی آئی اے سے رابطہ کر سکتا تھا۔

''پاہ جی ! CIA سے رابطہ کر کے کیا کرنا ہے۔۔۔۔۔؟'' ابھی جیت نے اُس سے ٹرانسمیٹر لیا اور مختلف لوگوں سے رابطہ کرنے لگا۔

اُس نے تین چار جگہوں پر کال کی اور آخر کار CIA کے ایشیائی ڈیسک کے انچارج سے بات کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

''پاہ جی ! یہ ایشیائی ڈیسک کا انچارج ہے آپ اس سے بات کر لیں۔'' ابھی جیت نے ٹرانسمیٹر دیپ کو پکڑا دیا۔

''گڈ مارننگ سر! میں خالصتان تحریک کا سربراہ ہر دیپ سنگھ رندھاوا بول رہا ہوں میں ابھی تورا بورا میں القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن سے مل کر آیا ہوں۔'' دیپ نے ابھی صرف اتنا ہی کہا تھا کہ دوسری طرف افراتفری مچ گئی۔

''سر! ایک منٹ میں آپ کی بات مین ہیڈ کوارٹر سے کروا دیتا ہوں۔'' دوسری طرف سے کہا گیا اور تیس سیکنڈ بعد ہی دیپ کی کال براہِ راست امریکہ ہیڈ کوارٹر ٹرانسفر کر دی گئی۔

دیپ نے انہیں اپنا تعارف کروایا اور اس کے ساتھ ہی اسامہ بن لادن کی لوکیشن بتانے لگا ۔دیپ کی یادداشت بڑی تیز تھی وہ مطلوبہ غار کی ایک ایک نشانی اُن کو بتا رہا تھا تا کہ امریکیوں کو ڈھونڈنے میں زیادہ مشکل نہ پیش آئے۔

''سر! ہمارا ملک خالصتان ہمیشہ دہشت گردی کی مخالفت کرتا رہے گا ہم امریکہ کے ساتھ مل کر ایک اچھے دوست ملک کی طرح کام کریں گے۔سر! ہماری آزادی کی حمایت کیجئے گا ہمارا ملک امریکہ کی تمام پالیسیوں کی حمایت کرے گا۔'' ہر دیپ القاعدہ کے سربراہ کا پتہ بتانے کے بعد اپنے ملک کی حمایت کا بولنے لگا۔

وہ خالصتان بننے سے پہلے ہی دنیا کے بڑے بڑے ملکوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات بنانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

’’جی ہر دیپ سنگھ صاحب! آپ اگر امریکہ کی مدد کریں گے تو امریکہ بھی آپ کی مدد کرے گا۔ یونائیٹڈ سٹیٹ آف امریکہ خالصتان تحریک کی حمایت کرتا رہے گا۔‘‘ دوسری طرف سے دیپ کو تسلی دی گئی اور کال کٹ گئی۔

’’دیپ! خالصتان بن گیا تو مجھے پورا یقین ہے کہ تم ایک سال میں ہی خالصتان کو یورپ کے برابر لے کر آ جاؤ گے۔ خالصتان ترقی یافتہ ترین ملک بن جائے گا اور ہم پاکستان والے یورپ کی بجائے آپ کے ملک میں کام کرنے کے لیے آیا کریں گے۔‘‘ میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔

’’بھائی! اگر آپ جیسا حکمران خالصتان کو مل گیا تو ہم بہت آگے تک جائیں گے۔۔۔۔۔‘‘ اس ابھی جیت نے ہماری گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

’’ویسے یار! آپ لوگ پوری دنیا سے معاہدے کر رہے ہو لیکن ہمارے پاکستان کے ساتھ کچھ بھی نہیں۔۔۔۔۔۔ میرے ساتھ کم از کم ویزے کا ہی معاہدہ کرلو۔‘‘ میں نے مسکرا کر کہا تو دیپ میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

’’راضی بھائی! آپ کے پاکستان کے ساتھ کوئی ویزہ نہیں ہوگا خالصتان اور پاکستان کی عوام ایک دوسرے کے ملک میں بغیر ویزے اور پاسپورٹ کے آیا کرے گی۔ سرحد کے دونوں طرف ایک جیسے ہی لوگ ایک جیسی ہی زبان بولتے ہیں اُن کو الگ الگ کرنا غلط بات ہے ہمارا پاکستان کے ساتھ کوئی بارڈر نہیں ہوگا۔‘‘ اس نے مسکرا کر کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

ہم اب تورا بورا میں امریکی حملے کا انتظار کر رہے تھے یہ حملہ کوئی آدھے گھنٹے بعد ہوا۔ امریکی طیاروں نے تورا بورا کے پہاڑی سلسلوں میں بمباری کی لیکن بدقسمتی سے وہ اسامہ بن لادن کو ٹارگٹ کرنے میں ناکام رہے۔ وہ امریکی حملے سے پہلے ہی وہاں سے نکل گیا تھا۔ اس دن تورا بورا میں امریکی طیاروں نے شدید ترین بمباری ک تھی اس حملے میں کئی فائٹر طیاروں نے حصہ لیا تھا وہاں غاروں میں مزائل بھی پھینکے گئے تھے لیکن پھر بھی اسامہ بن لادن اس حملے سے بچ نکلنے میں

کامیاب ہوگیا۔

یہ ہماری بدقسمتی تھی وہ اگر اس دن مارا جاتا تو یقینی طور پر ہماری خالصتان تحریک کامیاب ہوجاتی لیکن ہماری قسمت میں ابھی مزید آزمائشیں لکھی ہوئی تھیں۔ بہت بڑی بڑی آزمائشیں ابھی آنے والی تھیں۔ ہماری مشکلات مزید اضافہ ہونے والا تھا۔ امریکہ اس حملے میں ناکام ہوا تو اس نے افغانستان میں اپنی اور نیٹو NATO کی افواج داخل کر دیں اور باقاعدہ جنگ شروع ہوگئی۔

یورپی ممالک (NATO) پہلے اس جنگ کے حق میں نہیں تھے۔ اس وقت پورے افغانستان پر طالبان کا قبضہ تھا۔ NATO اور امریکی فورسز صرف فضائی حملے ہی کر رہے تھے۔ زمینی فوج سب سے پہلے امریکہ نے افغانستان میں اتاری۔ امریکہ کے بہت تھوڑے سے فوجی جن کی تعداد تیس سے پینتیس 35 to 30 کے قریب تھی یہ مزار شریف کے قریب ہیلی کاپٹروں سے اُترے۔ انہوں جنرل دوستم سے ملاقات کی۔

جنرل دوستم طالبان مخالف شمالی اتحاد کا لیڈر تھا۔ ان تیس امریکی فوجیوں نے جنرل دوستم کے ساتھ مل کر مزار شریف پر حملہ کیا اور انتہائی تیزی سے لڑتے ہوئے صرف دو دن میں ہی مزار شریف پر قبضہ کر لیا افغان طالبان کی تعداد ہزاروں میں تھی لیکن ان کے مقابلے میں امریکی فوجی صرف تیس تھے اور وہ انتہائی تجربہ کار کمانڈوز تھے انہیں جدید طریقے کی جنگ لڑنے کا تجربہ تھا اس لیے وہ طالبان پر حاوی تھے۔ مزار شریف کا طالبان لیڈر کمانڈر نصیر خان تھا جو اس جنگ سے بچ گیا اور اپنی جان بچا کر شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔

وہ مزار شریف کو چھوڑ کر قندوز کی طرف بھاگ گیا قندوز شہر مزار شریف سے 170 کلومیٹر مشرق کی طرف تھا تقریباً ڈھائی لاکھ کی آبادی والا یہ شہر تاجکستان کے باڈر پر واقع ایک بڑا شہر ہے ۔نصیر خان قندوز بھاگ گیا اور امریکی مزار پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے۔ اسی شہر سے پھر امریکی افواج آگے بڑھیں اور افغانی دارالحکومت کابل کی طرف آنے لگیں یہاں جلال آباد میں امریکی ڈرون اور طیارے دن رات بمباری کر رہے تھے۔

ان حملوں میں ہماری خالصہ فوج کا بھی بھاتی نقصان ہورہا تھا دیپ نے انہیں باڈر کی دوسری طرف پاکستانی قبائلی علاقوں کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کی لیکن اس طرف بارڈ ر سیل ہو چکا تھا باڈر کی طرف بارودی سرنگیں لگی ہوئی تھیں چونکہ اس وقت طالبان اور القاعدہ سبھی پاکستانی قبائلی علاقوں کی طرف جان بچا کر بھاگ رہے تھے۔اس لیے باڈر پر کافی سختی ہوگئی تھی۔یہ لوگ افغانستان میں لگی ہوئی جنگ کو ایک بار پھر پاکستان کی طرف لے کر آرہے تھے لیکن اس بار پاکستان اسی 80ء کی دہائی والی غلطی نہیں کررہا تھا۔

پاکستان اس جنگ کو اپنے باڈر سے دور رکھ رہا تھا اس لیے باڈر سیل ہوگیا تھا۔امریکی اور نیٹو فورسز بھی باڈر کی طرف جانے والے لوگوں پر براہِ راست فائیرنگ کرتی تھی۔ہم افغانستان کے اندر بلکل پھنس چکے تھے یہاں افغانستان میں ہماری خالصہ فوج کے پاس کوئی دس ہزار کے قریب سکھ جوان موجود تھے جو امریکہ اور طالبان کی آپسی لڑائی میں مارے جارہے تھے۔

ہر دیپ ان کو بچانے کی کوشش کررہا تھا۔وہ بیک وقت تمام ممالک سے بات کررہا تھا۔میں بھی جنرل ندیم سے بار بار درخواست کررہا تھا کہ وہ کسی بھی طریقے سے ہمیں کسی محفوظ جگہ پہنچادیں ۔ہم سب لگے ہوئے تھے لیکن کچھ بھی حل نہیں مل رہا تھا افغان جنگ کے اندر انڈیا بھی کود گیا تھا ۔انڈین سیکرٹ ایجنسی را(RAA)پوری قوم میں قدم جمانے کی کوشش کررہی تھی۔دوسری طرف انڈین فوج نے پنجاب پر ایک بار پھر قبضہ کرلیا تھا۔

ہمارے ہاتھ سے امرتسر پھر نکل گیا تھا اور انڈین فوج پاکستان کے پورے مشرقی باڈر پر لگ چکی تھی اور کسی بھی وقت دونوں ملکوں کے درمیان جنگ ہونے والی تھی پاکستان کے ایک طرف امریکہ اور اٹھائیس ملکوں کی فوج افغانستان میں بیٹھی ہوئی تھی جبکہ دوسری طرف انڈیا آکر بیٹھ گیا تھا پاکستان کی پوری فوج دونوں بارڈروں پر لگ چکی تھی اور ملک کے اندر فوج نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔

آنے والے حالات پاکستان کے لئے مشکل سے مشکل تر ہوتے جارہے تھے انڈیا

افغانستان اور نیٹو سے مل گیا اور ہمارے سکھوں پر حملے ہونے لگے۔ یہاں افغانستان میں ہم بے یارو مددگار تھے۔ ہمارے لوگوں کو پشتو اور فارسی بالکل نہیں آتی تھی۔ ہمارے پنجابی سکھ دور سے ہی پہچانے جاتے تھے۔ ہم اکیلے تھے جبکہ ہمارے مقابلے میں انڈیا، امریکہ، اسرائیل اور یورپ کے 28 ملک تھے جن کے پاس جدید ترین ہتھیار اور انٹیلی جنس تھی۔ ہم زیادہ دیر تک اپنے لوگوں کو نہیں بچا سکے اور ایک ایک کر کے پوری خالصہ فوج ختم ہوگئی ۔ ہم ایک بار پھر زیرو پر آ گئے تھے۔ دیپ کی حالت اب خراب ہوگئی تھی۔ وہ بہت چڑ چڑا ہو گیا تھا۔ بات بات پر غصہ کرنے لگتا تھا میں اور ابھی جیت اسے سنبھالنے میں لگے ہوئے تھے۔

''راضی! میری اس دو سالہ جدوجہد میں تین لاکھ کے قریب سکھ شہید ہو چکے ہیں یہ تاریخ میں سب سے بڑی سکھ شہادتیں ہیں۔۔۔۔۔صرف ایک خالصتان کے خواب کی اتنی بڑی قیمت دینے کے باوجود آج بھی ہم خالی ہاتھ کھڑے ہیں۔'' دیپ نے اوپر آسمان چمکتے ہوئے ستارے دیکھتے ہوئے کہا وہ قلعے کی چھت پر اکیلا بیٹھا ہوا تھا میں اور ابھی جیت اس کے پاس آ کر بیٹھے تو وہ مجھ سے کہنے لگا۔

''راضی بھائی! کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میں نے بہت بڑی غلطی کر دی ہے ایسا لگتا ہے جیسے قتل عام کا میں ہی ذمہ دار میں ہوں۔۔۔۔'' میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو میرے گلے لگ کر سسکنے لگا۔

''راضی۔۔۔۔۔یار! یقین کرو مجھے رات کو نیند نہیں آتی میں پوری پوری رات نیند سے لڑتا رہتا ہوں۔ مجھے میرے سکھ بھائیوں کا خون سونے نہیں دیتا۔'' وہ میرے سینے سے لگا مسلسل رو رہا تھا۔

''بابا! ایسا مت کہیں آپ نے کچھ غلط نہیں کیا آپ نے ہمارے قوم کو ایک پہچان ایک عزت دی ہے۔'' ابھی جیت اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا وہ بھی باقی سکھوں کی طرح دیپ کو بابا کہہ رہا تھا۔

’’بابا کبھی بھی آزادی بغیر قربانیوں کے نہیں ملتی ۔قربانی تو دینی پڑتی ہے ناں اور ہم کوئی نردل قوم نہیں ہیں ۔ہم قربانیوں سے گھبرانے والے نہیں ہیں تین لاکھ کیا تین کروڑ بھی شہید کردیں تو پھر بھی ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔۔۔۔۔‘‘ جلال آباد شہر کے اس تاریخی قلعے میں ہم ایک دوسرے کو حوصلہ دے رہے تھے۔

یہ وہی قلعہ تھا جہاں دو سو سال پہلے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی خالصہ فوج پورا پنجاب اور KPK فتح کرکے آئی تھی ۔مہاراجہ رنجیت سنگھ کا کمانڈر ہری سنگھ نلوا جلال آباد شہر کو فتح کرکے آگے کابل تک جانا چاہتا تھا۔افغان فوج ہری سنگھ نلوا کی دہشت سے کابل شہر چھوڑ کر بھاگ رہی تھی ۔مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کے کمانڈر ہری سنگھ نلوا کو مزید چند سال اور مل جاتے تو سکھ سلطنت افغانستان تک پھیل جاتی لیکن قدرت کو شاید یہ منظور نہیں تھا۔

افغانستان کو سکھوں سے انگرویزوں نے بچایا جو دریائے راوی کے مشرقی کنارے تک آچکے تھے ۔انگریزوں نے پورے ہندوستان پر قبضہ کرلیا اور وہ پنجاب کی طرف آرہے تھے۔مہاراجہ رانجیت سنگھ نے جلال آباد کا محاصرہ چھوڑا اور انگریزوں سے لڑنے لگا افغانستان پر ہمیشہ قبضے کی کوشش ہوتی رہیں جن میں ایرانی منگول روسی کچھ عرصہ تک قبضہ کرنے میں کامیاب رہے یہ قبضہ کبھی بھی دیرپا نہیں رہا افغانستان پر جب بھی حملہ ہوا اس کے پڑوسیوں نے مدد کی ۔منگولوں کا قبضہ ایرانیوں نے چھڑوایا۔

سکھوں نے انگریزوں سے جبکہ روسیوں سے پاکستان نے بچایا۔یہ افغانستان کی تاریخ تھی ایک ملک حملہ کرتا تھا تو دوسرا ملک بچانے آجاتا تھا انگریز اگر برصغیر پر حملہ کرتے ہوتے دریائے راوی تک نہ آتے تو راجہ رنجیت سنگھ کی فوجیں کابل پر قبضہ کرلتیں وہ افغان فوج کو لاہور سے بھگاتے ہوئے 650 ساڑھے چھ سو کلومیٹر دور جلال آباد تک لے آیا تھا۔آگے کابل محض ڈیڑھ سو کلومیٹر 150 دور تھا جو خالصہ فوج آسانی سے طے کرلیتی لیکن ایسا نہیں ہوسکا۔

رنجیت سنگھ کی سلطنت راوی کے کنارے سے لے کر تورخم تک ہی رہی اور یہی حصہ بعد میں

پاکستان بن گیا۔متحدہ ہندوستان کی ہزار سالہ تاریخ میں ایک مہاراجہ رنجیت سنگھ ہی تھا جو افغانوں کو ہندوستان سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا۔ایک بار افغانستان یہاں سے نکلا تو پھر دوبارہ واپس نہ آسکا مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد اس سرحد کی انگریزوں نے حفاظت کی اور 1947ء یہ تمام علاقہ پاکستان کے حصے میں آگیا۔ مجھے یہ لکھتے ہوئے آج شرم محسوس ہورہی ہے کہ ہمارے ملک پاکستان میں اپنے اس سپوت (مہاراجہ رنجیت سنگھ) کو بھلا دیا ہے۔مہاراجہ رنجیت سنگھ ہمارے اس پاکستان کا ہیرو ہے اور ہمیں اپنے ہیروز کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

''راضی بھائی! یہ قلعہ کبھی ہری سنگھ نلوا کی دہشت سے کانپتا تھا اس قلعے کی دیواریں آج بھی خالصہ فوج کی بہادری اور شان وشوکت کو یاد کرتی ہیں۔دیکھ لو یار! کبھی وہ بھی تاریخ تھی اور آج یہ حال ہے کہ ہم تینوں بے بسی کی تصویر بنے ہوئے ہیں صرف دوسو 200 سال پہلے ہم سکھ دنیا کی دو بڑی طاقتوں (تاجِ برطانیہ اور درانی سلطنت) کے درمیان پوری طاقت سے کھڑے تھے اور آج ۔۔۔۔۔۔۔'' وہ اپنی بات مکمل ہی نہ کرسکا اور ایک بار پھر رونے لگ گیا۔

میں اور ابھی جیت دونوں کافی دیر تک اُس کا حوصلہ بڑھاتے رہے اور جب اُس کا دل ہلکا ہوگیا تو اُسے لے کر نیچے آگئے۔رات کے تین بجے کے قریب اچانک میرے ٹرانسمیٹر پر رنگ ہوئی تو میں ٹرانسمیٹر کو اُٹھا کر باہر جانے لگا۔

''راضی! کس کی کال ہے۔۔۔۔؟'' مجھے ہردیپ کی آواز آئی تو میں رک گیا۔وہ ابھی تک جاگ رہا تھا۔

''جنرل ندیم کی کال ہے کوئی ایمرجنسی ہوگی میں سن کر آتا ہوں۔'' میں نے آہستگی سے کہا اور کمرے سے باہر آگیا۔میرے پیچھے وہ بھی باہر آگیا۔

''السّلامُ علیکم سر!۔۔۔۔۔'' میں نے ٹرانسمیٹر آن کر کے سلام کیا۔

''وعلیکم السّلام! راضی ۔۔۔۔۔جلدی سے جلدی قلعے سے باہر نکل جاؤ تم لوگوں پر حملہ

ہونے والا ہے۔'' جنرل ندیم نے میرے سوال کا جواب دیا اور چیختے ہوئے ہمیں قلعہ چھوڑے کا کہنے لگا۔

''جنرل صاحب! کیا ہو گیا۔۔۔۔؟ کون حملہ کرنے والا ہے۔۔۔۔۔؟'' دیپ نے میرے ہاتھ سے ٹرانسمیٹر لے لیا اور خود بات کرنے لگا۔

''دیپ بیٹا! مجھے خفیہ اطلاع ملی ہے یہاں ایئر اٹیک ہونے والا ہے تمہیں مارنے کا فیصلہ ہو چکا ہے تم لوگ جتنی جلدی ہو سکے وہاں سے نکل جاؤ اور چھپ جاؤ۔'' جنرل ندیم جلدی جلدی بات کر رہے تھے۔

''سر! ہم چھپ کر کہاں جا سکتے ہیں۔۔۔۔۔؟ کیا ہم پاکستان نہیں آ سکتے۔۔۔۔۔؟'' میں نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔

''نہیں راضی!۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔اس طرف کبھی بھی مت آنا یہ پورا علاقہ اور نیٹو کی نظروں میں ہے تم لوگ اس طرف آؤ گے تو یقیناً مارے جاؤ گے۔ تم افغانستان کے اندر کی طرف دیہی علاقوں کی طرف چھپنے کی کوشش کرو اور پلیز جلدی نکلو ادھر سے یہاں کسی بھی وقت حملہ ہونے والا ہے۔'' جنرل ندیم بھرائی ہوئی آواز میں بول رہے تھے۔

ہمیں دور سے ہیلی کاپٹروں کی آواز بھی آنی شروع ہو گئی تھی ہم پر حملہ ہونے والا تھا۔ دیپ نے ٹرانسمیٹر مجھے پکڑایا اور اندرا بھی جیت کو بلانے چلا گیا۔

''راضی! میرے بچے تم اب بھی بچ سکتے ہو۔۔۔۔۔۔ میں تمہیں بچا سکتا ہوں تم کابل پاکستانی ایجنسی میں چلے جاؤ گے۔'' مجھے جنرل ندیم کی آ رہی تھی۔

''راضی! ہر دیپ سنگھ کو مارنے کے لیے پوری دنیا کی فوج اکھٹی ہو گئی ہے وہ نہیں بچ سکتا ۔۔۔۔۔تم اس کے ساتھ رہو گے تو مارے جاؤ گے پلیز۔۔۔۔۔۔میرے بچے! اس کی زندگی ختم ہو چکی ہے۔ خالصتان تحریک مکمل طور پر ختم ہو گئی ہے اب تم کیوں جان دے رہے ہو۔'' جنرل ندیم مسلسل مجھے سمجھانے میں لگے ہوئے تھے۔

’’سر! آپ نے کبھی بھی محبت نہیں کی ناں۔۔۔۔۔۔اسی لیے آپ کو سمجھ نہیں آئے گی کہ جو مزا یار کی گود میں سر رکھ کر مرنے میں ہے وہ مزہ زندگی میں کہاں ہے۔۔۔۔۔؟ سر جی! جس زندگی کی آپ بات کر رہے ہو وہ زندگی تو کب کی میں نے دیپ کے قدموں میں رکھ دی ہے اب کیا جینا ۔۔۔کیا مرنا۔۔۔۔؟ سب ایک جیسا ہے۔‘‘ میں نے فلسفیانہ انداز میں کہا اور ٹرانسمیٹر بند کر کے اندر کمرے کی طرف بھاگ گیا۔

اندر دیپ نے تمام لڑکوں کو اُٹھا دیا تھا وہ لوگ اب جلدی جلدی سامان اور اسلحہ اکھٹا کر رہے تھے۔

’’جلدی کرو۔۔۔۔نکلو ادھر سے ہیلی کاپٹر بالکل نزدیک آ گئے ہیں۔‘‘ میں نے دیپ کا ہاتھ پکڑا اور اُسے باہر کی طرف جانے کا کہا۔

اسی وقت پانچ چھ مزائل اکھٹے فائر ہوئے اور سیدھے قلعے کے اندر آ گئے۔ مزائلوں کے پھٹتے ہی زوردار دھماکے ہوئے اور ہمارے کمرے کی چھت گر گئی۔ میں دیپ کو لے کر کمرے کے دروازے پر کھڑا تھا دھماکے سے چھت گری تو ہم اُڑتے ہوئے باہر صحن میں جا گرے۔ یہ پتھروں سے بنی ہوئی چھت تھی نیچے گرتے ہی میں دیپ کو اپنے نیچے کر لیا اور اُڑتے ہوئے پتھروں کے درمیان آ گیا۔ درجنوں کی تعداد میں چھوٹے چھوٹے پتھر تیر کی رفتار سے ہماری طرف آئے اور برسنے لگے۔

مزائلوں کے پھٹنے سے چاروں طرف آگ لگ گئی۔ یہاں قلعے میں کوئی ڈیڑھ سو کے قریب طالبان جنگجو موجود تھے جو حملے کے بعد ادھر اُدھر بھاگ رہے تھے پہلے مزائل حملے کے دوبارہ دوسرا مزائل حملہ ہوا۔ اس بار بھی پانچ ہی مزائل فائر کئے گئے تھے۔ میں دیپ کو لے کر قلعے کی کچی دیوار کے قریب لیٹ گیا۔ قلعے کے اندر بنی ہوئی کوئی تین فٹ موٹی کچی دیوار نے اُس بار ہمیں بچا لیا اور ہم دوسرے مزائل حملے سے بھی بچ گئے۔ دوسرے حملے کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹروں سے فائرنگ ہونے لگی اور اس کے ساتھ امریکی کمانڈوز قلعے سے باہر اُترنے لگے۔

ہیلی کاپٹروں سے فائرنگ ہونے کے بعد نیچے بچ جانے والے طالبان بھی اُوپر فائرنگ کرنے لگے۔ چھوٹی رائفلیں ہیلی کاپٹروں کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھیں لیکن یہاں ہمارے پاس مشین گینز بھی موجود تھیں جن کی رینج سنتالیس سو 4700 میٹر تھی صرف بارہ 12 کلووزنی یہ مشین گن MG ایک منٹ میں بارہ سو گولیاں فائر کرسکتی تھی۔ یہ مشین گنز قلعے کے چاروں طرف کونے میں لگی ہوئی تھیں۔

''دیپ! ہمیں کسی بھی طرح مشین گن تک پہنچنا ہے اگر مشین گن ہمارے ہاتھ آ گئی تو ہم ہیلی کاپٹروں کا مقابلہ کرسکتے ہیں اور پھر قلعے سے باہر نکلنے کی کوشش کریں گے۔'' میں نے دیپ کو سمجھایا اور اُسے لے کر دیوار کے ساتھ ساتھ بھاگنے لگا۔

اُوپر ہیلی کاپٹروں کی مسلسل فائرنگ ہورہی تھی ہم بھاگتے ہوئے قلعے کے کونے میں پہنچے تو ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ابھی جیت وہاں پہنچ چکا تھا۔ وہ CIA کا تربیت یافتہ کمانڈو تھا اُسے ایسی جنگیں لڑنے کا پورا تجربہ تھا۔

''راضی بھائی! آپ نے تو بہت دیر کردی پہنچنے میں ۔۔۔۔۔۔'' وہ مجھے دیکھ کر طنزیہ مسکرایا اور مشین گن کا پٹہ سیدھا کرنے لگا۔

''بھائی جی! CIA اور ISI میں فرق تو ہوتا ہے ناں ۔۔۔۔۔آپ بڑے ملک سے ہو جبکہ ہم تو چھوٹے سے ملک سے ہیں۔'' میں نے مسکراہٹ سے اُسے جواب دیا اور اُس کے ہاتھ سے پٹہ لے کر سیدھا کرنے لگا۔

مشین گن کو ہمیشہ دو لوگ مل کر چلاتے ہیں ایک گولیوں کا پٹہ سیدھا رکھتا ہے جبکہ دوسرا فائرنگ کرتا ہے۔

''چلیں ۔۔۔۔CIA تو دیکھ لی اب خالصہ فوج کی طاقت بھی دیکھ لیجئے ۔۔۔۔واہے گرو جی کا خالصہ واہے گرو جی کی فتح ۔۔۔۔'' اُس نے اپنے گرو کا نام لیا اور پہلے نزدیک ترین ہیلی کاپٹر کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔

گرر۔۔۔۔۔۔گرر۔۔۔۔۔۔گرر۔۔۔۔۔۔۔کی تیز گونجتی ہوئی آواز آئی اور ایک ساتھ درجنوں گولیاں مشین گن کی بیرل سے نکلیں اور سیدھی کاپٹر سے ٹکرا گیں دو انچ سے بھی لمبی گولیاں ہیلی کاپٹر کی باڈی پھاڑتی ہوئی اندر گھس گئیں۔ہیلی کاپٹر کی پٹرول کی ٹینکی پھٹی اور فضا میں ہی دھماکے سے پھٹ گیا۔

''جو بولے سونہال۔۔۔۔۔ست سری اکال۔۔۔۔۔'' ابھی جیت نے پوری طاقت سے نعرہ لگایا اور دوسرے ہیلی کاپٹر کو بھی مار گرانے میں کامیاب ہو گیا جب کہ تیسرا ہیلی کاپٹر فوراً وہاں سے دور نکل گیا۔

''ابھی! رائفل پکڑو۔۔۔۔۔ہمیں جلد سے جلد یہاں سے باہر نکلنا ہے ہیلی کاپٹروں کے بعد پھر سے مزائل اٹیک ہوگا۔'' میں نے تیزی سے اُسے مشین گن اٹھانے کا کہا اور خود گولیوں کے بکسے اٹھانے لگا۔

ہم نے وہاں سے اسلحہ اُٹھایا اور فوراً قلعے سے باہر نکل گئے۔قلعے سے باہر ہمیں نیٹو افواج کا سامنا تھا جو قلعے کو چاروں طرف سے گھیر رہی تھی ہمارے پاس مشین گن کے علاوہ روسی ساختہ رائفلیں AK 47 بھی تھیں جبکہ دستی بموں ص بھرے ہوئے بیگ ہم تینوں کی پشت پر لدھے ہوئے تھے۔

''راضی بھائی! چلوان گوروں کو اپنی دیسی طاقت دکھاتے ہیں۔'' ابھی جیت نے مشین گن MG اپنے کندھے سے لٹکا کر اسے اپنی کمر سے سلنگ سے باندھا اور رائفل کو کاک کرنے لگا۔

ہم ہر دیپ کو درمیان میں رکھا اور سامنے کی طرف فائرنگ کرتے ہوئے بھاگنے لگے ہمارا رُخ قلعے کی شمالی جانب پہاڑوں کی طرف تھا۔اُوپر کوئی ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے کنڑ (KUNAR) تھا جس کی دوسری طرف جنگلات کا ایک نا ختم ہونے والا سلسلہ تھا۔یہیں سے ہندوکش (HINDUKUSCH) کا پہاڑی سلسلہ شروع ہوتا تھا جو اُوپر پورے شمالی افغانستان تک پھیلا ہوا تھا۔

ہم دریائے کنڑ اور دریائے کابل کے درمیانی علاقے میں تھے ہمارے شمالی جانب دریائے کنڑ ڈیڑھ کلومیٹر جبکہ کابل کوئی پچیس 25 کلومیٹر کے قریب تھا جو آگے پاکستان کی طرف چلا جاتا ہے انڈیا نے اُسی دریائے کابل پر پاکستانی بارڈر سے محض ایک کلومیٹر اندر دریائے کابل پر ڈیم بنا دیا ہے۔ ہندوکش سے نکلنے والا یہ دریا سات سو 700 کلومیٹر طویل ہے اور پاکستانی صوبے کے پی کے KPK کی زراعت اسی دریا کے پانی پر چلتی ہے جسے ہندوستانی حکومت ڈیم بنا کر روکنے کی کوشش کر رہی ہے۔

میں یہاں پاکستان کے باقی دریاؤں کا بھی ذکر کروں گا جو سبھی کے سبھی آزاد کشمیر سے نکلتے ہیں مستقبل میں اگر کبھی کشمیر پر رائے شماری ہوتی ہے تو کشمیر کبھی بھی انڈیا یا پاکستان کے حق میں ووٹ نہیں دے گا یہ علیحدہ ملک ہی بنے گا جو پاکستان کے حق میں نہیں ہوگا۔ یہ کشمیر آزاد ہونے کے محض پانچ دس سال بعد ہی پاکستان کی تمام قربانیوں کو بھول جائے گا اور وہیں سے ہماری مشکلات کا ایک نا ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

کشمیر سے آنے والے تمام دریاؤں پر بندھ بنیں گے اور دریاؤں کے رُخ ہندوستان کی طرف ہوں گے جو پاکستان کے مقابلے میں کشمیر کو زیادہ مراعات اور پیسے دے گا۔ انڈیا تو کشمیر کی طرف سے براہِ راست افغانستان کا راستہ ملے گا اور تینوں ملک مل کر پاکستان کی حالت خراب کر دیں گے۔ ہمارا چین کے ساتھ بے رڈر بھی ختم ہو جائے گا اور سی پیک (C-PACK) کا نام ونشان بھی ختم ہو جائے گا جو لوگ میری بات سے اختلاف کرتے ہیں وہ آج کے افغانستان اور بنگلا دیش کو دیکھ لیں۔

ملک ہمیشہ مذہب کی بجائے مفادات کو دیکھتے ہیں مفادات بائیس کروڑ پاکستانیوں کی بجائے ڈیڑھ ارب ہندوستانی مارکیٹ سے وابستہ ہوں گے۔ کشمیر کا سب سے بہترین حل لائین آف کنٹرول کو انٹرنیشنل باؤنڈری بنا دینا ہے۔ میری نظر میں تو یہی ٹھیک رہے گا کی پاکستان اور انڈیا انٹرنیشنل ڈکلیئر کریں اور آرام سے دوستوں اور بھائیوں کی طرح رہنے کی کوشش کریں دونوں

طرف ویزہ نری انٹری ہو آزاد نہ تجارت ہو۔

لوگ ایک دوسرے کے ملک میں بغیر روک ٹوک کے آئیں گے تو یہ دشمنی اور نفرت چند سالوں میں ختم ہو جائے گیا ور ہندوستان میں موجود پچیس کروڑ مسلمان بھی سکون کا سانس لیں گے ۔ یہ میرا غریب لکھاری کا مشورہ ہے باقی میں زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہوں مجھ سے زیادہ بہتر اور تعلیم یافتہ لوگ موجود ہیں جو اس معاملے کو مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں ۔ میں اب مزید سیاست کی طرف جانے کی بجائے اصل داستان کی طرف آتا ہوں ۔

ہم ہر دیپ کو دونوں طرف سے کور دے کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے ہمارے چاروں طرف فوج پھیلی ہوئی تھی کمانڈوز ہمیں گھیرے میں لیے آہستہ آہستہ قلعے کی طرف بڑھ رہے تھے ۔ قلعے میں مزائل حملے باوجود اب بھی کافی طالبان موجود تھے جواب باہر کی طرف بھاگتے ہوئے فائرنگ کرر ہے تھے ۔ ہمارے چاروں طرف فوج پھیلی ہوئی تھی ۔ کمانڈوز ہمیں گھیرے میں لیے آہستہ آہستہ قلعے کی طرف بڑھ رہا تھے ۔ قلعے میں میزائل حملے ے باوجود اب بھی کافی طالبان موجود تھے جواب باہر کی طرف بھاگتے ہوئے فائیرنگ رر ہے تھے ۔

دونوں طرف لڑائی شروع ہو چکی تھی ۔ چھوٹے اور بھاری ہتھیاروں سے مسلسل فائیرنگ ہو رہی تھی ۔ ہمارا اس قدر شدید حملے میں بچ نکلنا ناممکن سا لگ رہا تھا لیکن پھر بھی ہمیں کوشش تو ضرور کرنی تھی ہم تینوں اپنی جان ہتھیلی پر لیے گھوم رہے تھے ۔

”دیپ! زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے یہ موت تو ایک دن آنی ہی آنی ہے بس ایک ہی خواہش ہے یہ جان جب بھی جائے تمہارے سامنے تمہارے نام پر جائے ہماری آنے والی نسلیں اپنے بچوں کو لوری سنائیں کہ ایک مسلاء (MUSLA) (سکھ پنجابی میں مسلمان کو مسلاء بھی بولتے ہیں) راضی ہوتا تھا جو ہمارے خالصتانی لیڈر ہر دیپ سنگھ رندھاوہ پر قربان ہو گیا ۔“ میں نے نشانہ لیکر سامنے ایک لمبا برسٹ مارا اور آگے کی طرف دیپ کو لیکر بڑھنے لگے ۔

میرے برسٹ نے سامنے موجود کمانڈوز کی ایک چھوٹی ٹکڑی کو نشانہ بنایا جو آگے ہماری

طرف آ رہا تھا میرے ساتھ ساتھ ابھی جیت اور ہر دیپ بھی فائیرنگ کرنے لگے۔ دیپ کے ایک طرف پاکستانی آئی ایس آئی اور دوسری طرف امریکی سی آئی اے CIA کے تربیت دو جاں نثار موجود تھے ہم دونوں دیپ پر اپنی جان کی بازی لگانے آئے تھے دنیا کی دو طاقتور ترین ایجنسیوں کے تربیت یافتہ کمانڈوز آج اپنے ہنر اپنی تربیت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ ہمارے سامنے نیٹو اور افغان آرمی ریت کی دیوار ثابت ہو رہی تھی۔ ہم دس منٹ کی شدید ترین فائیرنگ کے بعد ان کا حصار توڑنے میں کامیاب ہو گئے۔

ہم فائیرنگ کرتے ہوئے کوئی پانچ سو میٹر کے قریب آگے نکل آئے تھے ابھی ہمارے سامنے کوئی ایک کلومیٹر کے قریب سفر موجود تھا ہم کسی بھی طرح یہ سفر طے کر کے کنڑ پار کر جاتے تو ہمارے بچ نکلنے کے امکانات ہو سکتے تھے ہم لگاتار فائیرنگ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ دیپ بار بار ہمارے رمیان سے نکل کر فائیرنگ کرنے لگتا تھا ہم دونوں سے کور دے تھے وہ خالصتان تحریک کی آخری امید تھا اس کی جان بہت قیمتی تھی جبکہ میری اور ابھی جیت کی کوئی ویلیو نہیں تھی دیپ کا بچنا ضرور تھا لیکن وہ بار بار ہمیں کور دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

”بابا! پلیز۔۔۔۔آگے مت جائیں اگر اس طرف آنے والی کوئی گولی مجھے چھوڑ کر پہلے آپ کو لگ گئی تو یقین کیجئے میرے اگلے سات جنم اس پچھتاوے میں گزر جائیں گے کہ میں آپ پر قربان نہ ہو سکا۔“ ابھی جیت نے دیپ کو پکڑ کر پیچھے کیا اور آگے کی طرف فائیرنگ کرتے ہوئے دوڑنے لگا۔

میں اور دیپ اس کے پیچھے پیچھے دائیں بائیں اور پیچھے فائیرنگ کر رہے تھے۔ اگلے دس منٹ میں ہم نے افغان اور نیٹو فوج کے دوسرے گھیرے کو بھی کراس کر لیا۔

”راضی بھائی! آپ اب آگے آ جائیں میں پیچھے آپ دونوں کو کور کروں گا۔۔۔۔۔۔“ آگے کی طرف سے خطرہ کم ہوا تو ابھی جیت پیچھے آ گیا۔

”نہیں! ابھی تم آگے ہی رہو میں پیچھے سے سنبھال لیتا ہوں۔۔۔۔۔۔ میں نے آئی ایس

آئی میں رہتے ہوئے ایسی درجنوں جنگیں لڑی ہیں۔'' میں اسے آگے بھیجنے لگا۔

''راضی بھائی! آج ہی تو لڑنے کا مزہ آرہا ہے۔ دیپ بابا پر قربان ہونے کا وقت آئے اور ایک مسلاء بازی لے جائے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔۔۔۔۔؟'' اس نے مجھے آگے کی طرف دھکا دیا۔

ابھی جیت صحیح کہہ رہا تھا۔ دیپ پر جان قربان کرنے کا وقت آیا تو وہ مجھ سے پہلے کھڑا تھا ۔ہم تینوں دریائے کنڑ کے کنارے پر پہنچے تو پیچھے سے فائیرنگ کا ایک پورا برسٹ آیا جسے ابھی جیت نے اپنے جسم پر روکا وہ فائیرنگ کے اندر سے تقریباً اڑتا ہوا ہم سے ٹکرایا اور ہم تینوں کنڑ کے کنارے پر گر گئے۔

''ابھی۔۔۔۔۔۔ابھی۔۔۔۔۔۔۔'' میں نے نیچے گرتے ہوئے کروٹ ندلی اور ابھی جیت کے پاس آ گیا۔ میں نے اپنا ہاتھ اس کے جسم پر پھیرا تو میرا ہاتھ سرخ خون سے نچڑ گیا۔

''ابھی۔۔۔۔۔ابھی یار یہ کیا ہوگیا۔۔۔۔۔؟'' ابھی جیت کی دوسری طرف دیپ بھی آ گیا تھا۔آسمان پر چمکنے والے چاند کی ہلکی روشنی میں ابھی جیت کا خون سے لت پت جسم واضح نظر آرہا تھا اسے ایک ہی برسٹ میں درجن کے قریب گولیاں لگ چکے تھی۔

''بابا! آج زندگی سپھل (SAFAL) ہوگئی۔۔۔۔۔'' وہ دیپ کے قدموں کو چھونے کے کوشش کر رہا تھا لیکن دیپ اسے حرکت کرنے سے منع کرنے لگا۔

''بابا! آپ جلدی سے دریا پار کرلیں دوسری طرف جنگل ہے جہاں آپ محفوظ رہیں گے۔'' وہ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بول رہا تھا۔

موت اس کے لبوں تک پہنچ چکی تھی لیکن زندگی کے آخری لمحات میں بھی اسے اپنے لیڈر کی جان کی فکر ہو رہی تھی ۔دیپ کو ایسے ہی سکھ جانثاروں کا ساتھ تھا جو اس پر اپنی جان چھڑکتے تھے دیپ نے ایسے ہی سکھ جانثاروں کے ساتھ پنجاب پر دوبارہ قبضہ کرلیا تھا۔دیپ خالصتان بنانے کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا لیکن امریکی نائین الیون (گیارہ ستمبر) حملے کے بعد سب کچھ بکھر گیا تھا ۔

''ابھی! میں تمہیں یہاں زخمی حالت میں چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔۔۔۔'' دیپ نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔

''بابا! پلیز۔۔۔۔آپ کو گرونانک صاحب کی قسم آپ نکل جائیں ادھر سے آپ زندہ رہیں گے تو میرے جیسے لاکھوں ابھی جیت اور آجائیں گے لیکن اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو ہمیں دوسرا دیپ سنگھ رندھاوا نہیں ملے گا۔'' وہ دیپ کی منتیں کرنے لگا۔

ہمارے پیچھے اتحادی فوج آہستہ آہستہ دریا کی طرف بڑھ رہی تھی۔ہم مزید کچھ دیر وہاں رہتے تو تینوں ہی مارے جاتے۔میں نے دیپ کا بازو پکڑ کر ہلایا اور اسے چلنے کا اشارہ کیا۔

''بابا! وعدہ کیجئے۔۔۔۔آپ خالصتان ضرور بنائیں گے۔۔۔۔میرا دوسرا جنم آزاد خالصتان میں ہو۔'' اس نے دیپ کے ہاتھ کو پکڑ کر آنکھوں سے لگایا اور قریب پڑی ہوئی رائفل اٹھانے لگا۔

''ابھی! تم بہت بہادر سپاہی ہو۔۔۔۔سکھ قوم تمہارے جیسے بہادر یودھا کو ہمیشہ یاد کرتی رہے گی۔'' دیپ نے اس کے خون آلودہ ماتھے کو چوما اور مجھے لے کر دریائے کنڑ مین اتر گیا۔

''راضی بھائی! ایک سکھ ابھی جیت ہوتا تھا جو خالصتانی قبیلے پر قربان ہو گیا۔بولے سونہال ست سری اکال۔۔۔۔'' ابھی نے میرا نام لیکر نعرہ لگایا اور ہمیں کور دہنے کے لئے پھر سے فائیرنگ کرنے لگا۔

میں اور دیپ تیرتے ہوئے دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچے تو ہمارے پیچھے گولیوں کی بوچھاڑ ایک بار پھر آئی اور ابھی جیت کو چاٹتے ہوئے گزر گئیں۔ایک زوردار چھپاکا ہوا اور ابھی جیت کا جسم دریائے کنڑ میں جا رہا تھا وہ شہید ہو چکا تھا۔

اترپردیش یوپی کے باندہ شہر کا ابھی جیت ٹھاکر اپنے گھر سے ہزاروں کلومیٹر دور افغانستان کے دریائے کنڑ میں اپنی جان کا نزانہ پیش کر رہا تھا۔اس کی لاش دریائے کنڑ میں تیرتی ہوئی آگے جا رہی تھی۔دریائے کنڑ سے آگے کابل میں جاتی اور اس سے آگے کابل میں بہتی ہوئی پاکستانی

حدود میں چلی جاتی۔

جہاں انسانی حقوق کی تنظیم اس کی لاوارث لاش کو دریا سے نکال کر جنازہ پڑھاتی اور کسی گمانام قبر میں دفن کر دیتی۔ وہ ہندو پیدا ہوا تھا۔ سکھ مذہب قبول کر کے سکھ بنا لیکن اسے مسلمان ہی سمجھ کر دفنایا جانا تھا یہ مسلمان خطہ تھا اور اس کی چھلنی لاش کو آخر میں قبر ہی نصیب ہونی تھی۔ میں اور دیپ دریا سے باہر نکلے اور ہم دونوں اندر جنگل کی طرف بھاگتے چلے گئے۔

ہم جنگل کے بیچوں بیچ ہوتے ہوئے آگے کوہِ ہندوکش کے پہاڑی سلسلے کی طرف بڑھ رہے تھے کوہِ ہندوکش افغانستان کا سب سے بڑا پہاڑی سلسلہ ہے۔ جو آگے دنیا کے سب سے بڑے اور بلند ترین پہاڑی سلسلے کوہِ ہمالیہ سے ملتا ہے دریا کو پار کرنے کے بعد دوسری طرف کوز کنڑ کا چھوٹا سا شہر تھا۔ یہ افغانستان کے صوبے ننگرہار کا ایک شہر تھا۔ ہم کوز کنڑ کی طرف جانے کی بجائے اوپر پہاڑی سلسلے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

چار دن کے مسلسل پیدل سفر کرنے کے بعد ہم نے دریائے پنج شیر کو عبور کیا اور دوسری طرف ایک چھوٹے سے گاؤں خاور پہنچ گئے۔ یہاں سے ہم نے کانے پینے کا کچھ سامان لیا۔ اور مزید دو دن کا سفر کرتے ہوئے ہم بغلان صوبے کے ایک چھوٹے سے گاؤں اندراب پہنچ گئے۔

اندراب گاؤں کوہِ ہندوکش کے پہاڑی سلسلے کے دامن میں ایک خوبصورت سا گاؤں تھا ۔گاؤں کے چاروں طرف سنگلاخ پہاڑ تھے جبکہ وادی سرسبز و شاداب تھی اوپر پہاڑوں پر پڑنے والی برف کا پانی آبشاروں اور چھوٹے چھوٹے نالوں کی سورت میں نیچے آتا تھا۔ جس آب پاشی کی جاتی تھی۔ اندراب گاؤں میں سیب، خوبانی اور آلو بخارے کے باغات تھے۔ جبکہ بغیر بکریوں کے ریوڑ بھی موجود تھے۔

جو اوپر چرتی رہتی تھی۔ اندارب گاؤں طالبان اور دہشت گردی سے قدرے محفوظ علاقہ تھا یہاں کے لوگ کافی ملنسار اور مہمان نواز تھے۔ مسلسل چھ دن کا سفر کرتے ہوئے ہم دونوں ٹھیک گئے تھے۔ میں نے دیپ سے بات کی اور ہم دونوں اندراب گاؤں میں آ گئے۔ یہاں سے ہم نے

کانا کھایااور ایک ڈالے والے کو پیسے دیے جس نے ہمیں ڈالے میں بیٹھایااور علی آباد پہنچا دیا۔علی آباد افغانستان کے شمالی صوبے قندوز کا شہر ہے۔

یہ صوبے قندوز کے مرکزی شہر قندوز سے محض 20 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ہماری منزل قندوز شہر تھی یہاں طالبان کمانڈر نصیر خان موجود تھا۔کمانڈر نصیر خان مزار شریف کا قلعی کمانڈر تھا جو امریکی فوج کے حملے کے بعد ادھر قندوز شہر میں آ گیا تھا۔نصیر خان کا قندوز شہر میں بہت اثر ورسوخ تھا۔ یہاں اب بھی طالبان کا کنٹرول تھا۔قندوز شہر تا جکستان باڈر سے محض پچاس کلومیٹر دور تھا۔ ہم تا جکستان جانے کے لیے ہی اس طرف آئے تھے۔

نصیر خان ہمیں تا جکستان کا باڈر کراس کرواسکتا تھا افغانستان میں نیٹو NATO اور امریکی فوج قدم جمارہی تھی۔انڈین ایجنسی را بھی اپنا نیٹ ورک بنا رہی تھی۔ایسے میں ہمارا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میرے ساتھ موجود خالصتان لیڈر ہردیپ سنگھ رندھاوہ ،اسامہ بن لادن اور ملا عمر کے بعد افغانستان میں تیسرا مطلوب ترین شخص بن چکا تھا پوری دنیا کی فوج افغانستان میں دیپ کو تلاش کر رہی تھی۔

ہم ایک بار تا جکستان پہنچ جاتے تو اس سے آگے آسانی سے چین کی طرف جاسکتے تھے۔تا جکستان سے چین کی طرف جانے کا مشورہ ہمیں جنرل ندیم نے ہی دیا تھا۔ہم دونوں کو چین میں خفیہ سیاسی پناہ مل سکتی تھی۔چین کی انڈیا کے ساتھ سرحد جنگ چل رہی تھی۔انڈیا چینی علاقے تبت کے علحدگی انڈیا کے چین کے ساتھ سرحدی تنازعات تھے۔ڈرائیور نے ہمیں شام کے وقت شہر علی آباد مضافات میں چھوڑا اور واپس چلا گیا ہم نے شہر کے اندر جانے کی بجائے اسے باہر سے ہی کراس کیا اور ایک بار پھر پیدل ہی کھیتوں کے درمیان سے ہوتے ہوئے آگے بڑھنے لگے ہم انتہائی احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے لیکن پھر بھی قسمت خارب ہو ہی گئی۔ہم ایک تنگ پہاڑی درے میں سے گزر رہے تھے۔

جب اچانک دونوں طرف سے ہمیں گھیر لیا گیا یہاں پہاڑی درہ انتہائی تنگ تھا جب کے

حملہ آور کافی تعداد میں تھے یہاں سے مقابلہ کر کے بچ نکلنا ناممکن تھا اس لیے ہم نے ہتھیار ڈال دیے۔ یہ شمالی اتحاد کے لوگ تھے۔جنہوں نے ہمیں گرفتار کیا اور آگے قندوز شہر کی طرف لے گئے ۔وہ ہمیں کوئی عام لوگ ہی سمجھ رہے تھے۔انہوں نے ہمیں شہر سے باہر بھیڑوں کے ایک فارم میں رسیوں سے باندھا اور ہم سے پوچھ گچھ کرنے لگے۔

کدھر سے ہو پاکستان ،ایران یا نیٹو فوج سے تعلق ہے۔ایک افغانستان سردار آگے بڑھا اور ہم سے پشتو میں بات کرنے لگا ہمارے پاس اسلحے سے ان کو ہمارا نیٹو (NATO) فوج سے تعلق سے بھی شک ہو رہا تھا ۔پاکستان سے ہیں سردار افغانستان میں جہاد کرنے آئے ہیں میں نے قدرے طنزیہ اندز میں کہا۔افغانستان میں حملے کے بعد بہت سے پاکستانی نوجوان جہاد کی غرض سے افغانستان گئے تھے۔

جو بے چارے سبھی کے سبھی افغانستان میں مارے گئے تھے۔امریکی نائن الیون حملے کے بعد پاکستانی KPK فاٹا کی مسجدوں میں شدت پسند مولویوں نے جہادی تقریں کر کے معصوم نوجوان قبائلیوں کو ورغلا کر افغانستان بھیج دیا تھا۔یہ نوجوان ہزاروں میں تھے جو ایک بار افغانستان گئے اور پھر واپس نہیں آ سکے۔

لیکن ایک مسلمان لکھاری کی حیثیت سے یہ میرا فرض بنتا ہے کہ میں صحیح اور سچے اسلام کو بیان کرنے کی کوشش کروں اور اسلام کہتا ہے کہ جہاد فرض ہے یہ کلمہ پڑھنے والے مسلمان پر جہاد فوض ہے لیکن اس جہاد کا حکم صرف اسلامی ملک کا کوئی حکمران ہی دے سکتا ہے۔اس جہاد کا حکم کوئی بھی اسلامی ملک دے سکتا ہے لیکن کوئی عام آدمی مولوی مفتی یا علما کرام اس کا حکم نہیں دے سکتے اگر دنیا میں ہر کوئی ہر کسی کے خلاف جہاد کا حکم دے گا تو یہ دنیا ہی ختم ہو جائے گی۔

شاید کچھ دوست اب بھی اعتراض کریں کہ ہمارے موجودہ حکمران صحیح اور سچے حکمران نہیں ہیں۔ یہ بات ٹھیک بھی ہو پھر بھی اسلام مجھے اس چیز کی اجازت نہیں دیتا کہ میں اپنے طور پر خود کو صحیح سمجھوں اور اور لوگوں کو جہاد کا حکم دوں ۔ میں حافظِ قرآن ہوں مفتی ہوں میں نے حدیث کی

ساتوں کتابیں سینے میں اتاری ہوئی ہیں پھر بھی میں کسی دوسرے شخص یا گروہ کے خلاف جہاد کا حکم نہیں دے سکتا۔

جہاد کے لئے سب سے بڑی شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ یہ خالص خدا کی راہ میں ہوتا ہے جہاد صرف ان کے خلاف فرض ہوتا ہے جو اسلام یا اسلام کی تبلیغ سے روکتے ہیں ایک عام مسلمان اگر یورپ یا امریکہ میں آزادانہ نماز روزہ رکھ سکتا ہے۔ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کر سکتا ہے اگر اسے ان سب چیزوں کی اجازت ہے تو پھر ان ملکوں کے خلاف لڑنا جہاد نہیں ہے۔ القاعدہ، داعش، طالبان ،لوکوحرام الشباب یہ سب دہشت گرد تنظمیں ہیں۔

جو اسلام کے نام پر اسلامی ملک میں ہی دہشت گردی کرتی ہیں جو اسلام کو بدنام کر رہی ہیں ان کے خلاف لڑنا جہاد ہے اور یہی جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ ان تنظمیوں کے خلاف اسلامی ملک بھی لڑ رہے ہیں اور یہی جہاد کا اصل فتوی ہے پاکستان اور افغانستان طالبان کے خلاف لڑتے ہیں تو عام عوام بھی ان کے خلاف لڑ کر جہاد کر سکتی ہے۔ امریکی حملے کے وقت چونکہ ہزاروں پاکستانی باڈر کراس کر کے اس طرف اکھٹے تھے اس لیے میں نے خود کو پاکستانی ہی بتایا۔

پاکستانی ہو کون سے علاقے سے ہو فاٹا یا صوبے سرحد مرے سامنے بیٹھے سردار نے اردو میں سوال کیا۔ پچاس پچپیس سال کا بوڑھا بار بار ہردیپ کی طرف دیکھ رہا تھا جی سردار ہم دونوں پشاور سے ہیں۔ میں نے مختصر جواب دیا۔

بچے تم بھی پشاور سے ہو نام کیا ہے تمہارہ بوڑھا سردار اب براہِ راست دیپ سے سوال کر رہا تھا۔ اس کی انکھوں میں شیطانیت جھلک رہی تھی۔ لمبے سنہری بال ہلکی سبز آنکھیں اور سفید کتابی چہرے کے ساتھ دیپ خطرناک حد تک حسین نوجوان تھا۔ بوڑھا سردار دیپ کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا نام کیا ہے تمہارا اور کتنی عمر کے ہو۔ سردار اب دیپ کی گالوں کو ہاتھ لگانے لگا سردار ایسا سوچنا بھی مت اپنی گندی سوچ کو ختم کرو ورنہ خود ختم ہو جاؤ گے میں نے غصے سے دھاڑتے ہوئے کہا۔

میرا پورا جسم غصے سے کھول رہا تھا۔ میں دیپ کی طرف گندی نظر سے دیکھنے والے سردار کی انکھیں نکال دینا چاہتا تھا۔

''ارے ماڑا۔۔۔۔ ہم افغان لوگ ہے ہم پہلے کام کرتا ہے اور بعد میں سوچتا ہے۔'' بوڑھے سردار نے فخریہ لہجے میں کہا۔ اور پھر دیپ کی طرف ہاتھ بڑھانے لگا۔

''بڈھے! تم افغان ہو اور ہم سکھ سردار تم کام کرنے کے بعد سوچتے ہو اور ہم سکھ کام کرنے کے بعد بھی نہیں سوچتے۔۔۔۔ ہم تم افغانوں سے زیاد کھر دماغ ہوتے ہیں۔'' دیپ نے اپنے ہاتھوں جھٹکا دیا اور اس کے ہاتھ رسی سے باہر نکل گئے۔

اس کے پتلے پتلے ہاتھ تھے جو با آسانی رسیوں سے نکل گئے ہاتھ آزاد ہوتے ہی اُس نے سامنے بیٹھے بوڑھے کو زور سے دھکا دیا اور اُس کے پیچھے گرتے ہی اُس کی رائفل اُٹھا لی۔ اندر کمرے میں پانچ لوگ تھے جن کے سنبھلنے سے پہلے ہی دیپ نے رائفل کا ایک لمبا برسٹ مارا اور پانچ کے پانچ ہی اُس کی فائرنگ کی لپیٹ میں آ گئے۔ گولیاں ختم ہونے کے بعد دیپ نے میگزین تبدیل کی اور زمین پر پڑے نیم مُردہ افغانیوں پر دوسرا راؤنڈ بھی فائر کر دیا۔

''دیپ! باہر مزید لوگ بھی ہوں گے۔۔۔۔۔'' میں نے چلاتے ہوئے کہا تو اُس نے جلدی سے ایک چاقو اُٹھایا اور میری رسیاں کاٹ دیں۔

''دیپ! تم اندر ہی رہنا۔۔۔۔'' میں نے آزاد ہوتے ہی ایک رائفل اور کچھ میگزین اُٹھائے اور جلدی سے باہر آ گیا۔

احاطے میں کافی لوگ تھے جو فائرنگ کی آواز سن کر اس طرف آ رہے تھے۔ میں نے دروازے پر ہی پوزیشن سنبھالی اور فائرنگ کرنے لگا۔ احاطے میں تقریباً دس بارہ مزید لوگ تھے جنھیں میں نے پانچ منٹ میں ہی مار گرایا وہ عام سادہ افغانی جنگجو تھے جبکہ میں آئی ایس آئی ISI کا تربیت یافتہ کمانڈو تھا۔ وہ میرے مقابلے میں کہاں کھڑے ہو سکتے تھے میں اُس طرف سے فارغ ہوا تو اندر آ گیا۔

’’دیپ! باہر سب او کے OK ہے تم چلو۔۔۔۔۔۔ہمیں ادھر سے نکلنا ہے۔‘‘ میں نے دیپ کو باہر بھیجا اور بوڑھے سردار کے مردہ جسم کے قریب کھڑا ہو گیا۔

’’راضی! وہ مر چکا ہے اب اُس کی لاش کو مت بگاڑو۔‘‘ میں چاقو لے کر اُس کی آنکھیں نکالنے لگا تو دیپ میرے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا۔

’’دیپ! اس نے گندی نظر سے تمہاری طرف دیکھا تھا اس کی سزا موت تو بہت تھوڑی ہے ۔۔۔۔۔میں اُس کی آنکھیں اور ہاتھ کاٹ کر کتوں کو کھلانا چاہتا ہوں اس کی لاش کو جلانا چاہتا ہوں اس سالے کو تو قبر کی مٹی بھی نہیں ملنی چاہیے۔‘‘ میں نے خنجر اُس کی آنکھ پر رکھا اور جھٹکے سے اس کی آنکھ باہر نکال دی۔

’’راضی!۔۔۔۔۔۔پاگل تو نہیں ہو گئے یہ گناہ ہے۔۔۔۔وہ غلط کر رہا تھا تو کیا تم بھی غلط کرو گے۔۔۔۔۔؟‘‘ دیپ نے مجھے بازو سے پکڑا اور کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔

’’دیپ! قصے کہانیوں میں سنا تھا لوگ عشق میں فنا ہو جاتے ہیں یقین نہیں آتا تھا کہ کوئی انسان کیسے دوسرے انسان پر فنا ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔؟ یقین نہیں تھا لیکن تمہیں دیکھ کر یقین آ گیا ہے۔‘‘ احاطے سے باہر نکل کر دیپ نے نرمی سے میرے گالوں کو چھوا اور مجھے گلے لگا لیا۔

ہم دونوں پیدل ہی چلتے ہوئے قندوز شہر میں داخل ہوئے اور کمانڈر نصیر خان کے پاس چلے گئے۔

’’راضی بھائی! شکر ہے آپ لوگ بچ گئے مجھے آپ لوگوں کی بڑی فکر ہو رہی تھی ۔۔۔۔۔۔‘‘ نصیر خان ہمیں دیکھ کر خوش ہو گیا۔

اس نے ہمیں ساتھ لیا اور اندر آ گیا اس نے ملازم کو قہوہ لانے کا حکم دیا اور ہمیں کمرے میں بچھے قالین پر بیٹھنے کا کہنے لگا۔

’’ہر دیپ بھائی! مجھے ابھی کی موت کا بہت دکھ ہوا ہے وہ بہت بہادر نوجوان تھا۔‘‘ کریم خان ہر دیپ سے ابھی جیت کی موت کا افسوس کرنے لگا۔

''بس کریم خان! ہم کیا کر سکتے ہیں ۔۔۔۔؟ واہے گرو کی یہی مرضی تھی وہ بہت بہادر لڑکا تھا اُس کی شہادت سے ہماری خالصتان کو بہت بڑا نقصان ہوا ہے۔'' ہردیپ نے دھیمے لہجے میں کہا۔

اُس کی آواز غم کی شدت میں لڑکھڑا رہی تھی ۔ابھی جیت ہمارے ساتھ شروع دنوں سے ہی تھا وہ ہردیپ کے اولین جانثاروں میں سے تھا ہندو سے سکھ مذہب قبول کرنے والا ابھی جیت اپنے آزاد ملک خالصتان پر قربان ہو گیا۔ ہماری باتوں کے درمیان میں ہی ملازم قہوہ لے کر آ گیا اور ہم سب قہوہ پینے لگے۔

''یار! ہمارے ملک افغانستان کو پتہ نہیں کس کی نظر لگ گئی ہے۔۔۔۔؟ پوری دنیا ہی اکھٹی ہو کر ہمارے خلاف لڑنے لگی ہے ہم طالبان تو صرف افغانستان میں ایک اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں کیا اسلامی حکومت کا خواب دیکھنا بھی دہشت گردی ہے ۔۔۔۔؟'' کمانڈر نصیر سنجیدگی سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔

''نصیر خان! ایک بات بولوں گا شاید آپ کو بُری لگے لیکن بہرحال کہنا میرا فرض ہے آپ طالبان میں اسلامی حکومت کی بات کر رہے ہو وہ اسلامی نہیں ہے ایران اور سعودی عرب میں بھی اسلامی حکومتیں نہیں ہیں یہ سب لوگ صرف مذہب کے نام پر لوگوں کو غلام بنا کر بادشاہت قائم کر رہے ہیں۔ یہ اسلام نہیں ہے۔'' دیپ نے نصیر خان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا اور قہوے کی چسکیاں لینے لگا۔

وہ ایسا ہی تھا میں نے دیپ سے زیادہ بہادر اور نڈر انسان اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا وہ طالبان کے گھر میں بیٹھ کر طالبان کو غلط کہہ رہا تھا۔ وہ ڈرتا نہیں تھا کسی سے ہمیشہ حق بات سامنے والے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بول دیتا تھا۔

'' اچھا اگر یہ اسلامی حکومت نہیں ہے تو کون سا ملک اسلامی حکومت پر عمل کر رہا ہے ۔۔۔۔۔۔؟'' نصیر خان کو ہردیپ کی بات سن کر غصہ آ گیا اور قدرے تیکھے لہجے میں بول رہا تھا

۔

ہردیپ نے تو طالبان کے ساتھ ساتھ ایران اور سعودی عرب کو بھی غیر اسلامی حکومت کہہ دیا تھا۔

''کریم خان! اسلامی حکومت دیکھنی ہے تو پاکستان کی حکومت دیکھو ایک صحیح اور سچے اسلام پر مشتمل حکومت دیکھنی ہے تو پاکستان کی حکومت کو دیکھو۔۔۔۔۔وہ لوگ صحیح ہیں وہاں زبردستی کسی پر اسلام نافذ نہیں کیا جاتا۔ اسلام نے واضح طور پر ایک اسلامی ریاست کو ایک حد تک اختیار دیا ہے کوئی بھی اسلامی ریاست اس سے زیادہ اختیارات حاصل نہیں کرسکتی اسلامی ریاست کسی کو زبردستی مسلمان نہیں بنا سکتی۔۔۔۔۔آپ نے یہ فقرہ تو ضرور سنا ہوگا لیکن اس کی تشریح آپ کو سمجھ نہیں آئی اس فقرے کا ایک اور بھی مطلب ہے کہ اسلامی ریاست کسی عام مسلمان کو زبردستی پکا مسلمان نہیں بنا سکتی، مجھے داڑھی نہیں رکھوا سکتی، مجھے زبردستی نماز روزے نہیں رکھوا سکتی، عورتوں کو برقعہ نہیں پہنوا سکتی پاکستان میں یہی کچھ تو ہے آپ مسجد میں جائیں یا سینما گھر میں یہ آپ کا اپنا عمل ہے اور قیامت کے دن آپ نے خدا کو جوابدہ ہونا ہے۔

دنیا میں فلمیں اور گانے سننے کی کوئی دنیاوی سزا نہیں ہے قیامت کے دن ضرور پگھلتا ہوا سیسہ آپ کے کانوں میں ڈالا جائے گا۔ یہ آپ کا امتحان ہے اسلام میں شراب کی دنیاوی سزا ہے اور پاکستان میں بھی اس پر سزا ہے۔ خدا نے شراب پر سزا دینے کا اختیار حکومت کو دیا ہے اور اس کی سزا بھی لکھی ہوئی ہے۔ آپ مجھے عورتوں کے برقعہ نہ پہننے کی سزا بتا دیں میں آپ کی طالبان حکومت کو سچ مان لوں گا۔ عورتوں کو پردہ کرنے حکم بالکل اُسی طرح ہے جس ایک مرد کو داڑھی رکھنے کا ہے اور اُس کا نہ ماننے والے گناہ گار ضرور ہیں لیکن مجرم نہیں ہے۔ گناہ گار کو سزا دینے کا اختیار صرف اور صرف خدا کے ہاتھ میں ہے میری بہن اگر پردہ نہیں کرتی تو آپ کون ہوتے ہیں اُسے زبردستی پردہ کروانے والے۔۔۔۔۔؟ آپ کو کس نے اختیار دیا ہے کہ آپ اس سے زبردستی پردہ کروائیں۔۔۔۔۔؟'' ہردیپ نے غصے سے اُس کی طرف انگلی کی اشارہ کیا اور اُٹھ کر کھڑا

ہو گیا۔

اُس نے ہمارے اسلام پر پوری ایک تقریر کر دی تھی ۔ ہر دیپ کا اسلام پر مطالعہ بہت گہرا ہو گیا تھا نصیر خان پر ہر دیپ کی باتوں کا اثر ہو گیا تھا۔ اُسے گناہ اور مجرم کے درمیان فرق کا پتہ چل گیا تھا۔ یہ ہم مسلمانوں کی بدقسمتی تھی کہ ہم لوگ جرائم کو چھوڑ کر گناہوں پر سزا دینے لگ گئے تھے حالانکہ گناہوں پر سزا صرف خدا کے ہاتھ میں تھی جسے ہم اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔

''نصیر خان! ایک بات اور کہوں گا شاید آپ کو پھر بُرا لگے لیکن پھر بھی کہوں گا ضرور کہ شاید آپ میری بات کی گہرائی کو سمجھ جائیں آپ کے افغانستان کی تمام عورتیں جنت میں جائیں گی ۔۔۔۔۔میں لکھ کر دے دیتا ہوں کہ افغانستان کی تمام عورتیں سیدھی جنت میں جائیں گی پتہ ہے کیوں۔۔۔۔؟'' اس نے اپنی بات میں ایک پل کے لیے وقفہ لیا اور پھر بولنے لگا۔

''کیونکہ آپ لوگوں نے انہیں دنیا کے امتحان میں بیٹھنے ہی نہیں دیا۔گھروں کے اندر سات پردوں میں پیدا ہونے کے بعد وہیں ساری زندگی گزار کر مر جانا کون سی زندگی ہے خدا نے اس دنیا کو امتحان کی جگہ بنایا ہے ہمارے سامنے صحیح اور غلط دونوں راستے ہوتے ہیں اور یہ ہماری مرضی ہوتی ہے کہ ہم کون سا راستہ اختیار کرتے ہیں۔۔۔۔؟ یار! پلیز کو عورتوں کو بھی صحیح اور غلط راستے کا انتخاب کرنے کا اختیار کرنے دو ورنہ گناہوں سے پاک خدا کی عبادت کرنے والے فرشتے بہت ہیں اس دو جہانوں کے مالک کو سجدوں کی کمی نہیں ہے اُسے اس سجدے کی ضرورت نہیں جو زبردستی دلوایا جاتا ہے۔وہ اس سجدے سے خوش ہوتا ہے جو خالص اُس کی رضا کے لیے دل سے دیا جاتا ہے۔'' ہر دیپ نے اپنی بات مکمل اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

ہم نے دن کا وقت ادھر نصیر خان کے گھر میں ہی گزارہ اور رات کو نصیر خان ہمیں ایک ڈالے میں لے کر تاجکستان بارڈر کی طرف آ گیا۔ ہم بارڈر ملحق ایک چھوٹے ٹاؤن امام صاحب (IMAM.SAHIB) پہنچے امام صاحب ٹاؤن بالکل بارڈر کے اُوپر تھا۔ ٹاؤن کے شمالی طرف

دریائے پنج (PANJ.RIVER) تھا جو کہ افغانستان اور تاجکستان کا بارڈر تھا۔ دریائے پنج وسط ایشیاء کے سب سے بڑے دریا دریائے آمو (AMU.RIVER) میں جا گرتا ہے۔

دریائے پنج دریائے آمو کا ہی حصہ ہے جو چھبیس سو بیس 2620 کلومیٹر لمبا ہے۔ یہ افغانستان، تاجکستان، ترکمانستان اور ازبکستان سے ہوتا ہوا بحیرہ ارال میں جا کر گرتا ہے۔

ہم نے رات تین بجے کے قریب ایک کشتی کی مدد سے دریائے پنج عبور کیا اور تاجکستان آ گئے یہاں ایک گاڑی پہلے سے ہی تیار کھڑی تھی جو ہمیں تاجکستان کے دارالحکومت دوشنبے لے جاتی۔ نصیر خان نے ہی اس گاڑی کا انتظام کیا تھا۔ آج سے بیس سال پہلے افغانستان کی طرح تاجکستان کے حالات بھی خراب تھے۔ تاجکستان کو روس سے آزاد ہوئے ابھی صرف دس 10 سال ہی ہوئے تھے اور پورے ملک کے اندر افراتفری اور دہشت گردی کا ماحول ابھی تک قائم تھا

۔

"ٹھیک ہے دوستو! یہاں سے آگے تمہیں یہ لوگ دوشنبے تک لے جائیں گے مجھے واپس قندوز جانا ہے۔" نصیر خان نے ہمیں گاڑی میں سوار کرایا اور الوداعی سلام لینے لگا۔

"نصیر خان! میں آپ کو ایک بھائیوں والا مشورہ دوں گا پلیز۔۔۔۔اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنا۔" وہ واپس جانے لگا تو دیپ نے اسے آواز دے کر روک لیا۔

"نصیر بھائی! طالبان کو چھوڑ کر شمالی اتحاد سے مل جاؤ تمہارے ملک افغانستان کا مستقبل اب شمالی اتحاد کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ لوگ افغانستان کو ٹھیک بھی کریں گے حکومت اب شمالی اتحاد کی ہوگی اور حکومت سے لڑنا جہاد نہیں ہے شمالی اتحاد سے مل جاؤ اور مل کر رہنے اور ملک کا مستقبل سنوارنے کی کوشش کرو۔" ہردیپ نے اُسے طالبان کی بجائے شمالی اتحاد کے ساتھ دینے کا مشورہ دیا۔

نصیر خان نے تائیدی لہجے میں سر ہلایا اور واپس افغانستان چلا گیا۔ نصیر خان نے دیپ کا مشورہ مان لیا تھا اور واپس جاتے ہی شمالی اتحاد سے مل گیا۔ اُس نے شمالی اتحاد اور نیٹو فوج کے

ساتھ مل کر طالبان اور القاعدہ کے خلاف ایک طویل ترین جنگ لڑی اور وہ لوگ افغانستان پر حکومت بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ ہردیپ کی بات سچ تھی ملک کا مستقبل شمالی اتحاد کے ہاتھ میں ہی آگیا تھا۔ نصیر خان کو افغانستان کی پہلی حکومت میں شمال مغربی صوبہ بلخ ملا اور وہ بلخ کا گورنر بن گیا۔ وہ افغانستان کا سب سے کم عمر ترین صوبائی گورنر تھا۔

نصیر خان کا آدمی ہمیں گاڑی میں تاجکستان کے دارالحکومت دوشنبے میں لے آیا۔ اُس نے ہمیں شہر میں اُتارا اور چلا گیا۔ یہاں سے ہم نے کمانڈر علی شیر کے پاس جانا تھا۔ کمانڈر علی شیر ازبکستان کی شدت پسند تنظیم اسلامی تحریک ازبکستان کا کمانڈر تھا اسلامی موومنٹ آف ازبکستان بنیادی طور پر ازبکستان کی شدت پسند تحریک تھی لیکن اُن کا دائرہ کار پورے سنٹرل ایشیا سے لے کر نیچے پاکستان کے قبائلی علاقوں تک پھیلا ہوا تھا۔

اس تنظیم کے پاس سینکڑوں خودکش بمبار تھے جو اس پورے خطے میں دہشت گردی پھیلا رہے تھے۔ یہ تنظیم بظاہر ایک اسلامی شدت پسند تنظیم تھی لیکن اس کے مین کمانڈرز سی آئی اے CIA، کے جی بی KGB، را RAA اور موساد کے لیے کام کرتے تھے یہ لوگ پیسہ لیتے تھے اور پورے سنٹرل ایشیا میں اپنے خودکش بمبار بھیج دیتے تھے جو کہیں بھی دہشت گردی کی کاروائی کر سکتے تھے پاکستان سب سے زیادہ اسی ازبک تنظیم کے دہشت گردوں سے متاثر ہوا تھا۔ پاکستان میں دہشت گردی کی زیادہ تر کاروائیوں میں یہی ازبک باشندے ملوث ہوتے تھے۔

دہشت گردی کے بعد بے شک تحریک طالبان پاکستان پر حملے کی جواب داری قبول کر لیتی تھی لیکن وہ صرف نام کی حد تک تھے۔ حملے کی اصل منصوبہ بندی انڈین را RAA کرتی تھی جو ازبکستان میں اس تحریک کو پیسے دیتی تھی۔ آج سے بیس سال پہلے انڈین را RAA کا پاکستانی طالبان کے ساتھ کوئی براہِ راست تعلق نہیں تھا۔ انڈین ایجنٹ پنجاب سے آگے جا ہی نہیں سکتے تھے وہ صرف ازبکستان میں پیسے دیتے تھے اور اسلامی تحریک ازبکستان اپنا پورا نیٹ ورک استعمال

کرتے ہوئے پاکستان آتی تھی وہ لوگ پاکستانی طالبان کوسپورٹ کار بناتے تھے اُن کے ساتھ مل کر ہشت گردی کرتے تھے۔

حملے کے بعد پاکستان کی ہی کوئی تنظیم ذمہ داری قبول کر لیتی تھی اور پوری دنیا کی نظریں اس تنظیم پر لگ جاتی تھیں جبکہ اصل ذمہ دار صاف بچ نکلتے تھے۔ یہ بالکل شروع شروع کی بات ہے بعد میں افغان ادارے تھوڑے ٹھیک ہوئے تو افغان خفیہ ایجنسی NDS را RAA کے ساتھ مل گئی۔ آج کی پاکستانی دہشت گردی کے پیچھے NDS اور را RAA ہے جو پاکستانی طالبان کو کنٹرول کر رہے ہیں۔

را RAA کے پاس لامحدود پیسہ ہے اور وہ افغان خفیہ ایجنسی NDS کا مکمل خرچہ برداشت کر رہی ہے۔ افغانستان کی یہی سب سے بڑی بدنصیبی ہے کہ وہ اپنے گھر کو ٹھیک کرنے کی بجائے دوسروں کے گھر تباہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ افغان خفیہ ایجنسی NDS بہت اچھی خفیہ ایجنسی ہے۔ اُن کے پاس بہت اچھے اور بہادر ایجنٹ موجود ہیں جو اپنی صلاحتیں پاکستان کے خلاف ضائع کر رہے ہیں۔ وہ اگر طالبان کے خلاف لڑیں تو افغانستان کو دہشت گردی سے نجات مل سکتی ہے۔

پاکستان اگر اپنے محدود وسائل میں دہشت گردی پر کنٹرول کر سکتا ہے تو افغانستان کیوں نہیں۔۔۔۔؟ اُن کے پاس NATO دنیا کے اٹھائیس 28 ملکوں کی اتحادی فوج موجود ہے اُن کے پاس وسائل اور پیسے کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اُن کے پاس سب کچھ ہے لیکن پھر بھی دہشت گردی ختم نہیں ہو رہی ہے کیوں۔۔۔۔؟ کیونکہ NDS چاہتی ہی نہیں ہے کہ حالات ٹھیک ہوں۔ اگر پاکستان اور افغانستان کے حالات ٹھیک ہو گئے تو افغانستان کو اربوں ڈالر کی امداد بند ہو جائے گی جبکہ سمگلنگ، منشیات اور اغواہ برائے تاوان سے ملنے والا پیسہ بند ہو جائے گا۔ مریکی اور اتحادی فوج لڑتی ضرور ہے لیکن کوئی امریکی یا یورپی فوجی آزادانہ افغان شہروں یا دیہات میں نہیں گھوم سکتا۔

شہروں اور دیہادتوں میں انٹیلی جنس کی معلومات صرف NDS ہی حاصل کر سکتی ہے وہ لوگ ہی شہروں میں چھپے طالبان کمانڈرز کو تلاش کر سکتے ہیں جیسے پاکستانی ISI کرتی ہے ہماری ایجنسی طالبان کو ڈھونڈتی ہے اُن سے معلومات لیتی ہے اُن کے اندر اپنے ایجنٹوں کو شامل کرواتی ہے جو خفیہ معلومات اکھٹی کرتے ہیں اور پھر خاموشی سے طالبان کو مارنا شروع کر دیتے ہیں

دوشنبے ہم دریائے کوفرنیہوں کنارے پر بنے ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں اگئے دریائے کوفرنیہوں دوشنبے شہر کے بالکل درمیان میں بہتا ہے اور آگے جا کر یہ دریا بھی دریائے آمو میں جا گرتا ہے۔ کمانڈر علی شیر نے ہمیں اسی ریسٹورنٹ میں ملنے کا کہا تھا وہ ہمیں دوشنبے سے باحفاظت چین پہنچانے والا تھا۔ علی شیر سے میرا براہِ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔

میرا رابطہ روسی KGB کے ایک اہلکار جیمز سے تھا وہ میرا پرانا دوست تھا۔ چین میں ایک ملٹری کورس کے دوران میری اُس سے دوستی ہوئی تھی۔ ہم دونوں چین میں ایک تین مہینے کا مختصر ملٹری کورس کرنے آئے تھے۔ ایسے ملٹری کورسز اکثر ہوتے رہتے ہیں جہاں مختلف ممالک سے آفیسرز آتے ہیں۔ خود پاکستان میں بھی بین الاقوامی ملٹری کورسز ہوتے ہیں جہاں ترقی پذیر ممالک کے فوجی افسران پڑھنے کے لیے آتے ہیں۔

لیفٹیننٹ جیمز سے میری دوستی کوئی پانچ سال پرانی تھی وہ KGB میں تھا اور نوے 90 کی دہائی میں سنٹرل ایشیا کے تقریباً تمام ممالک میں کام کر چکا تھا۔ اس کا رابطہ کمانڈر علی شیر سے تھا اور اسی نے ہمیں علی شیر کے پاس بھیجا تھا۔ ہماری کمانڈر علی شیر سے پچیس ہزار (25000) ڈالر میں بات ہوئی تھی۔ وہ پچیس ہزار ڈالر لے کر ہمیں چین پہنچانے والا تھا۔ دریا کے کنارے بنے ریسٹورنٹ میں ہماری ملاقات کمانڈر علی شیر ہوگئی اور وہ ہمیں اپنے ساتھ سیف ہاؤس میں لے کر آ گیا۔

ہم نے یہاں سیف ہاؤس میں تین دن گزارے اس دوران دیپ تحریک ازبکستان کے

اندرا پنے رابطے بنانے کی کوشش کرتا رہا۔خدا نے دیپ کو سحر انگیز شخصیت سے نوازا تھا وہ کسی کو بھی متاثر کرسکتا تھا۔ یہ دیپ کی خداداد صلاحیت ہی تھی کہ تین دنوں میں ہی ازبکستان تحریک کے مرکزی رہنما سے ملاقات کرنے میں کامیاب ہوگیا۔دیپ اس سے انڈیا میں دھماکے کروانے کا کہنے لگا۔دیپ مرکزی کمانڈر کو دھماکوں کی منہ مانگی قیمت دینے کے لیے تیار تھا۔

ہمارے پاس پیسوں کی کمی نہیں تھی ہمارے پاس سویس بنکوں میں درجنوں اکاؤنٹ تھے جن میں اربوں ڈالر پڑے ہوئے تھے۔ہماری افغانستان تحریک کو پوری دنیا سے فنڈنگ ہوئی تھی ۔دنیامیں چودہ کروڑسکھ تھےاوارسبھی خالصتان چاہتے تھے۔دیپ اس کوپیسوں کی آفر کرر ہا تھالیکن وہ انکار کرر ہا تھا۔ازبکستان تحریک کا کوئی بھی نیٹ ورک انڈیا میں موجود نہیں تھا وہ انڈیا کی طرف نہیں جاسکتے تھے۔

''امیر صاحب! آپ مسلمان تو بڑے خوش قسمت ہیں آپ کے پاس پچاس سے زائد آزاد مسلم ممالک ہیں لیکن ہم سکھ بچارے مظلوم ہیں۔ہمیں ہندوستان نے غلام بنایا ہوا ہے ہم آزادی کی جنگ لڑرہے ہیں ہمارے معصوم سکھوں کو بے دردی سے ذبح کیا جارہا ہے لیکن کوئی بھی ہماری مدد نہیں کرتا۔۔۔۔ہماری ماؤں اور بہنوں کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔'' دیپ نے غم سے نڈھال لہجے میں کہا۔

اسے مرکزی کمانڈر کی طرف سے انکار ہوگیا تھا لیکن وہ اب یہ سب کچھ مستقبل کے لیے کرر ہا تھا۔آج ازبکستان تحریک انڈیا میں نہیں تھی لیکن کل کو ہوسکتی تھی اسے ازبکستان تحریک انڈیا میں نہیں تھی لیکن کل کو ہوسکتی تھی۔اُسے ازبکستان یا تاجکستان میں جگہ مل جاتی تو وہ اپنی خالصہ فوج کو یہاں پھر سے تیار کرسکتا تھا۔یہ علاقے بھی افغانستان کی طرح آؤٹ آف کنٹرول تھے۔ہم انڈیا کے خلاف لڑنے کے لیے اپنی خالصہ فوج یہاں اکٹھی کرسکتے تھے یہاں اسلحے کی بھی کوئی کمی نہیں تھی ۔

''ہردیپ سنگھ! میرے پاس تمہارے لیے ایک چیز ہے جو شاید تمہارے خالصتان کی آزادی

کے کام آسکے۔۔۔۔۔'' مرکزی رہنما نے سنجیدگی سے کہا۔

ہمیں اس کا نام معلوم نہیں تھا یہاں کسی کو بھی اس کا نام پتہ نہیں تھا وہ سب اُسے امیر صاحب ہی کہا کرتے تھے۔امیر صاحب کے اصل نام سے کوئی بھی واقف نہیں تھا۔

''شکریہ امیر صاحب! مجھے خوشی ہوئی کہ آپ ہمارے ملک کی آزادی کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔'' دیپ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

امیر صاحب کچھ دیر تک دیپ کے چہرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر کمرے میں موجود تمام لوگوں کو باہر جانے کا بولنے لگے۔

''راضی! تم بھی باہر جاؤ۔۔۔۔۔ مجھے دیپ سے تنہائی میں بات کرنی ہے۔'' امیر نے مجھے بھی باہر جانے کا کہا تو میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور باہر جانے لگا لیکن دیپ نے مجھے ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

''امیر صاحب! آپ راضی پر اعتماد کرسکتے ہیں یہ میرا جاں نثار ہے۔یہ اپنی جان سے سکتا ہے لیکن مجھے دھوکا نہیں دے سکتا۔'' دیپ نے مجھے اپنے پاس بیٹھا لیا۔

''نہیں ہردیپ! یہ بہت بڑا معاملہ ہے میں تمہارے علاوہ اور کسی پر اعتماد نہیں کرسکتا ۔۔۔۔۔''وہ پھر سے انکار کرنے لگے۔

''امیر صاحب! یہ لڑکا مجھ پر اپنی جان دے سکتا ہے میرا اور اس کا ساتھ پہلے دن سے ہے۔اس نے اپنے ماں باپ، گھر بار دوست سب کچھ میرے لیے چھوڑ دیا ہے یہ صرف میری خاطر آج دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد بنا ہوا ہے۔اسے نہ پیسے کی چاہت ہے اور نہ اقتدار کی یہ صرف میری خوشی میرے ملک خالصتان کے لیے دردر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔مجھے اگر اس پر اعتماد نہیں ہوگا تو پھر کس پر ہوگا۔آپ بے فکر کر بات کیجئے۔'' دیپ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

وہ کافی دیر تک دیپ کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔شاید یہ کوئی بہت بڑی بات تھی اسی لیے وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔

’’کوئی بات نہیں امیر صاحب! آپ کو اگر بتانے میں مشکل آ رہی ہے تو میں باہر چلا جاتا ہوں مجھے اپنی خودداری سے زیادہ خالصتان کے مستقبل کی فکر ہے میری حیثیت خالصتان کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔‘‘ میں ایک بار پھر اُٹھ کر کھڑا ہوا لیکن اس بار امیر صاحب نے ہی مجھے روک لیا وہ میرے سامنے ہی بات کرنے پر تیار ہو گیا تھا۔

’’ہردیپ سنگھ! میرے پاس دو کلوگرام کے قریب تیار شدہ یورنیم موجود ہے۔ یہ یورنیم پانچ پانچ سو گرام کی چار سلاخوں پر مشتمل ایک کیس میں موجود ہے تیار شدہ یورنیم بانوے روس کا ایک چھوٹا لیکن طاقت ور ترین ایٹمی ہتھیار تھا جو سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد از بکستان کی ایک ایٹمی لیبارٹری سے چوری ہو گیا تھا۔۔۔۔ایٹمی لیبارٹری تو روس کے جانے کے بعد مکمل طور پر ختم ہو گئی ہے لیکن وہ ہتھیار آج بھی میرے پاس موجود ہے جو الگ الگ چار بڑے شہروں کو دھماکے سے اُڑا سکتا ہے۔‘‘ میں اور دیپ امیر صاحب کی بات سن کر شاک میں آ گئے۔ ہماری آنکھیں حیرانگی سے پھٹ رہی تھیں۔

’’پانچ پانچ سو گرام کے چار ایٹمی ہتھیار۔۔۔۔۔۔راضی! یہ انڈیا کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں گے۔‘‘ دیپ نے میری طرف دیکھتے ہوئے پنجابی میں کہا۔

وہ صحیح کہہ رہا تھا ایٹمی ہتھیاروں کا خوف انڈیا کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتا تھا لیکن یہ سب بہت خطرناک تھا دنیا ایٹمی ہتھیاروں کو برداشت نہیں کرتی تھی۔

’’امیر صاحب! آپ کا بہت بہت شکریہ لیکن ہم یہ ہتھیار نہیں لے سکتے۔۔۔۔آپ بھی کوشش کیجیے انہیں روسی حکومت کو واپس کرنے کی۔ ورنہ اگر مہذب دنیا کو اس کی خبر مل گئی تو آپ اور آپ کی از بکستان تحریک دونوں کا نام ونشان مٹ جائے گا۔‘‘ میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور دیپ کو بھی اُٹھنے کا اشارہ کرنے لگا لیکن اُس نے مجھے نظر انداز کیا اور وہیں امیر کے سامنے بیٹھا رہا۔

’’امیر صاحب! میں اُن ہتھیاروں کو لینے کے لیے تیار ہوں۔۔۔۔۔‘‘ دیپ ان ہتھیاروں کو لینا چاہتا تھا۔

’’دیپ! ہم ان ہتھیاروں کونہیں لے رہے ہیں ہم خالصتان کے لیے جدو جہد ضرور کریں گے لیکن یہ جد جہد ایٹمی ہتھیاروں کے ساتھ نہیں ہوگی۔‘‘ میں نے دیپ کو کندھے سے پکڑ کر اُوپر اُٹھا لیا تھا۔

’’دیپ! ایٹمی دھماکہ بہت بڑی تباہی لے کر آتا ہے یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔اس کوممبئی یا دہلی میں مارو گے تو پورے کا پورا شہر ہی صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔ دھماکے سے ہونے والی ایٹمی تابکاری اس پورے خطے کے لیے تباہی لے کر آئے گی۔آپ دہلی میں دھماکہ کرو گے تو ہوا کے زور پر ایٹمی تابکاری پورے پنجاب تک پھیل جائے گی ۔ کی کرو گے ایسی آزادی لے کر جہاں کوئی انسان ہی سلامت نہیں رہے گا۔۔۔۔۔؟ دیپ بھائی! ایٹمی ہتھیاروں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا ایک بار چل گیا تو شاید خالصتان تو رہے گا لیکن اس خالصتان میں ایک بھی زندہ سکھ نہیں ہوگا۔‘‘ میں انتہائی سنجیدگی سے اُسے سمجھانے لگا۔

’’راضی بھائی! ایٹمی ہتھیار چلانے کے لیے نہیں ہوتے یہ صرف ڈرانے کے لیے ہوتے ہیں اور ہم صرف ہندوستان کو ڈرائیں گے۔۔۔۔۔‘‘ وہ اب بھی اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

’’دیپ! یہ تمہاری بھول ہے کہ تم ہندوستان کو دوکلو یورینیم سے ڈرا دو گے۔۔۔۔۔تمہاری دھمکی انڈیا کے خلاف نہیں پوری دنیا کے خلاف ہوگی اور پوری دنیا ہی تمہارے ایٹمی ہتھیاروں کے خلاف لڑے گی تم کبھی بھی دوکلو یورینیم سے خالصتان نہیں کر سکتے اُلٹا پوری دنیا کی خفیہ ایجنسیاں تمہیں تلاش کریں گی اور مار ڈالیں گے۔تمہارے ساتھ ساتھ میرا بھی مارا جاؤں گا مجھے اپنی زندگی کی کوئی فکر نہیں ہے دیپ ! مجھے صرف اور صرف تمہاری فکر ہے میں تمہیں نہیں بچا سکوں گا ۔۔۔۔۔‘‘ میں اُسے گلے لگا کر سمجھانے لگا۔

’’راضی! میں اپنی زندگی کی آخری اننگز کھیل رہا ہوں۔ میری زندگی بہت مختصر سی رہ گئی ہے آج نہیں تو کل میں پکڑا جاؤں گا اور مار دیا جاؤں گا۔ زندگی ختم ہوگئی ہے راضی! میں بس مرنے سے پہلے آخری کوشش کرنا چاہتا ہوں۔ مرنے سے پہلے آخری اور بڑی جنگ لڑنا چاہتا ہوں میں

بزدلوں کی طرح نہیں شیروں کی طرح مرنا چاہتا ہوں۔'' دیپ میرے سامنے اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر بول رہا تھا۔

وہ مجھ سے اپنی زندگی کی آخری جنگ لڑنے کی اجازت مانگ رہا تھا لیکن میں اُسے یہ سب کچھ کرنے نہیں دے سکتا تھا۔

''دیپ! میں تمہیں مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔۔۔۔۔۔'' میں نے اس کے دونوں بندھے ہوئے ہاتھ پکڑ لیے۔

''راضی! لاکھوں سکھ سردار مجھ سے عشق نبھاتے ہوئے سولی پر چڑھ گئے۔ پتہ نہیں کتنی مائیں بہنیں میرے پیارے خالصتان کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ ابھی جیت شہید ہو گیا، کمل باجوہ کپور تھلے والا شہید ہو گیا ایک دن سب نے ہی دنیا چھوڑ کر چلے جانا ہے تم نے بھی میں نے بھی کونسی زندگی ۔۔۔؟ کون سی موت۔۔۔۔؟ صرف وہ سچا رب۔۔۔صرف اُس کا نام زندہ رہے گا باقی سب نے ایک دن فنا ہو جانا ہے۔'' دیپ نے انگلی سے اُوپر کی طرف اشارہ کیا اور دوبارہ قالین پر بیٹھ گیا۔

''امیر صاحب! ہم یورینیم کو لے جانا چاہتے ہیں۔۔۔۔آپ ہمیں دکھا دیجئے اور پیسے بھی بتا دیجئے آپ کتنی ڈیمانڈ کر رہے ہیں۔۔۔۔؟'' دیپ اُس سے یورینیم کی خریداری کی بات کرنے لگا۔

''یورینیم کی سلاخیں یہاں نہیں ازبکستان میں ہیں آپ کے ساتھ سودا طے ہو جاتا ہے تو میں کل ہی انہیں لا کر آپ کو دے سکتا ہوں مجھے اس کے لیے ایک ارب ڈالر چاہیں۔۔۔'' امیر نے اپنی قیمت بتاتے ہوئے کہا۔

''امیر صاحب! ہمارے پاس اتنے زیادہ پیسے نہیں ہیں۔ ہم زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ ڈالر دے سکتے ہیں ہماری حیثیت صرف اتنی ہی ہے۔'' میں نے دیپ کے بولنے سے پہلے ہی ایک لاکھ ڈالر کی آفر کر دی۔

''راضی بھائی ! وہ ایک ارب ڈالر مانگ رہا ہے اور آپ ایک لاکھ کی آفر کررہے ہو ۔۔۔۔؟ ایٹمی ہتھیار ہے کوئی گاڑی نہیں ہے جو ایک لاکھ میں مل جائے گی۔'' دیپ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔امیر کے ساتھ ساتھ دیپ بھی میری آفر سن کر حیران رہ گیا تھا۔

''دیپ صاحب ! مجھے معلوم ہے دوکلو تیار شدہ یورنیم کی قیمت اربوں ڈالر میں ہوتی ہے لیکن یہ دکانوں پر فروخت ہونے والی چیز نہیں ہے اس کو ہمارے علاوہ اور کوئی گاہک بھی نہیں ملے گا ۔یہ بلیک مارکیٹ میں بیچنے کی کوشش کرے گا تو KGB یا CIA کے ہاتھوں کتے کی موت مارا جائے گا افزودہ یورنیم بہت قیمتی ہے لیکن یہ بک نہیں سکتی۔'' میں نے پنجابی میں دیپ کو سمجھایا اور ہم دونوں امیر صاحب سے بھاؤ تاؤ کرنے لگے۔

وہ ایک ارب ڈالر سے پچاس کروڑ اور پچاس لاکھ سے ہوتا ہوا دس لاکھ ڈالر تک آ گیا۔اس دور میں ڈالر پاکستانی پچاس روپے میں آتا تھا۔دس لاکھ ڈالر پاکستانی پچاس کروڑ روپے بنتے تھے ۔ہم امیر صاحب کو مزید پانچ لاکھ ڈالر نیچے لے کر آئے اور ہمارا سودا پانچ لاکھ ڈالر میں طے ہوگیا۔ پانچ لاکھ ڈالر میں اُس نے یورنیم کو چین کا بارڈر کراس کروا کر چینی علاقے تبت تک لے کر آنا تھا۔ وہ ہمیں یورنیم کے ساتھ چینی علاقے تبت پہنچا دیتا اور اس سے آگے ہم نے ہمالیہ کو خود کراس کرنا تھا۔

امیر صاحب ہمیں بورنگ تک پہنچا دیتے ۔ بورنگ سطح سمندر سے تیرہ ہزار دوسو پانچ (13,205) فٹ کی بلندی پر موجود ایک چھوٹا سا ٹاؤن ہے۔یہ انڈیا اور نیپال کے بارڈر کے نزدیک واقع ہے۔ یہاں سے انڈین ریاست اُتراکھنڈ لگتی ہے۔ نیپال سے آگے انڈیا کی چار ریاستیں اُتراکھنڈ ، ہماچل پردیش ، لداخ اور جموں کشمیر چین کے ساتھ لگتی ہیں ۔اُوپر والی تین ریاستوں میں انڈیا اور چین کا سرحدی تنازعہ چل رہا ہے جبکہ اُتراکھنڈ کا بارڈر انٹرنیشنل باؤنڈری ہے اور یہاں سرحدی گشت بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔

یہ پورا ہمالیہ کا خطہ ہے جو پندرہ سے بیس ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہاں سال کے

بارہ مہینے ہی برف جمی رہتی ہے اس قدر بلند برفانی علاقے میں زندہ رہنا بہت مشکل ہے اس لیے یہاں انسانی آبادی بھی نہ ہونے کے برابر ہے ہم نے اسی ہمالیہ کو کراس کر کے دوسری طرف انڈیا جانا تھا۔

''راضی بھائی! ہم نے ٹوٹل کتنا سفر پیدل طے کرنا ہے۔۔۔۔۔۔؟'' دیپ مجھ سے پوچھنے لگا۔

امیر صاحب نے ہمیں ہمالیہ کا نقشہ لا کر دے دیا تھا جسے میں پچھلے ایک گھنٹے سے دیکھ رہا تھا

۔

''دیپ! ویسے تو ہمیں ٹوٹل سو 100 سے ایک سو دس 110 کلومیٹر کا سفر پیدل کرنا ہے ایک عام انسان تین سے چار دن میں اسے طے کر لیتا ہے لیکن یہ پہاڑی علاقہ ہے بلکہ ہمالیہ پہ تو یہ ایک کلومیٹر کو دس سے ضرب دے دو۔ ہمالیہ کا ایک کلومیٹر میدانی علاقے کے دس کلومیٹر کے برابر ہوگا ہمیں تیس 30 سے پینتیس 35 دن لگ جائیں گے اگر سب کچھ ٹھیک رہا تو۔۔۔۔۔۔ ورنہ یہ پندرہ سے بیس ہزار فٹ بلند برفانی علاقہ ہے جہاں قدم قدم پر موت ہمارا راستہ دیکھ رہی ہوگی۔ ہم سردی سے مر سکتے ہیں، پہاڑی کی چوٹی سے نیچے گر سکتے ہیں، اُوپر سے پتھر اور برف ٹوٹ کر نیچے ہم پر گر سکتی ہیں، طوفان کی صورت میں پورے کا پورا پہاڑی تودہ ہی ٹوٹ کر نیچے گر جاتا ہے اگر اُن سے بچ گئے تو نیچے کسی کریبس میں بھی گر سکتے ہیں۔

ہمالیہ میں پانی کی بڑی بڑی جھیلیں اور ندی نالے زیر زمین بچھے ہوئے ہیں جن کے اُوپر برف کی تہہ جمی ہوئی ہے یہ جھیلیں یا نالے اُوپر سے نظر نہیں آتے۔ آپ چل رہے ہوں اور اچانک برف کی کوئی پتلی تہہ ٹوٹ جائے تو آپ نیچے پانی میں گر جاؤ گے اور زیر زمین پانی میں کئی کلومیٹر آگے چلے جاؤ گے۔ ایک بار بندہ پانی میں گر گیا تو دوبارہ اُوپر نہیں آ سکتا۔ آپ نیچے پانی کے اندر سے اُوپر برف کی تہہ کو نہیں توڑ سکتے اور نہ ہی واپس اس جگہ پر آ سکتے ہو جہاں سے برف کی تہہ ٹوٹ کر نیچے گرتے ہو۔ آپ کو واپس وہ ٹوٹا ہوا سوراخ ہی نہیں ملتا اور برف کے پانی میں انسان زیادہ

سے زیادہ ایک منٹ تک ہی سروائیو کرسکتا ہے اس کے بعد برفیلا پانی آپ کے خون کو جما دے گا اور آپ کا دل بند ہو جائے گا۔ دیپ! میرا اب بھی تمہیں مشورہ ہے کہ تم یورنیم کا خیال چھوڑ دو اور ہم دونوں چین جا کر سیاسی پناہ کی کوشش کرتے ہیں ہمیں چین سیاسی پناہ مل جائے گی۔'' میں نے ایک آخری کوشش کرتے ہوئے کہا لیکن دیپ نے انکار کر دیا۔

وہ اپنی زندگی کی آخری بازی لگانا چاہتا تھا۔ اس کے پیچھے لاکھوں سکھ شہید ہو چکے تھے وہ بھی اب خالصتان پر شہید ہو جانا چاہتا تھا میں ہر چیز سے بے نیاز صرف اپنا فرض نبھا رہا تھا۔ میری زندگی کا صرف ایک ہی مقصد تھا اور وہ مقصد دیپ کی اطاعت کرنا تھا۔ مجھے دیپ کی طرف سے ہری سنگھ نلوا کا خطاب ملا تھا اور میں اسی خطاب کو اپنے سینے سے لگائے خالصتان پر شہید ہو جانا چاہتا تھا۔

دوسرے دن امیر صاحب کا ایک آدمی تیارہ شدہ یورنیم 92 لے کر آ گیا۔ یہ دس ضرب دس انچ کا چھوٹا سا چوکور ڈبہ تھا جس کے اندر ایک انچ موٹی اور آٹھ انچ لمبی سلاخیں موجود تھیں یورنیم کا کیس پلاٹینم شیشے اور پلاسٹک کو مکس کر کے بنایا گیا تھا جو کہ بلٹ پروف کے ساتھ تابکاری پروف بھی تھا کیس کے اندر چار چھوٹے چھوٹے خانے تھے جن کے اندر سلاخیں رکھی ہوئی تھیں کیس مکمل طور پر بند تھا جس کے اُوپر چھ نمبروں والا لاک (تالا) لگا ہوا تھا۔

امیر صاحب کا آدمی تابکاری چیک کرنے والا آلہ بھی لے کر آیا تھا۔ میں نے انٹیلی جنس میں رہتے ہوئے یورنیم دیکھی ہوئی تھی۔ پاکستان میں ایٹمی بجلی گھر بھی تھا جہاں کچی یورنیم ہوتی تھی۔ میں نے وہ بھی دیکھی ہوئی تھی جبکہ تیار شدہ یورنیم بھی ایٹمی لیبارٹری کی حفاظت کے دوران دیکھی تھی۔ میں نے امیر صاحب سے ایٹمی تابکاری چیک کرنے والا آلہ لیا اور یورنیم کی سلاخ چیک کرنے لگا۔

یورنیم کی سلاخ کے اُوپر پلاسٹک کی پتلی لیکن مضبوط ترین تہہ چڑھی ہوتی تھی دھماکے کے لیے اس تہہ کو پہلے آگ سے جلانا پڑتا تھا۔ یورنیم کی کی سلاخ کو آگ میں پھینکا جاتا یا اُسے آگ

لگائی جاتی ۔ یہ آگ دو سے تین منٹ میں پلاسٹک کی تہہ کو جلا دیتی اور آگ کے نیچے یورینیم تک پہنچتے ہی دھماکہ ہو جاتا جو ایک محدود دھماکے کے برابر تھا۔ میں نے آلے کی مدد سے تابکاری چیک کی اور مطمئن ہو گیا۔ یہ کوئی ایٹم بم نہیں تھا یہ صرف ایک بم تھا۔

جس کے اندر صرف دس صفیہ تیار شدہ یورینیم کی سلاخ ایٹمی دھماکہ تو نہیں کر سکتی تھی لیکن پھر بھی یہ ایک عام بم سے سو 100 گنا زیادہ طاقت ور تھی ۔ یہ ایک پورے شہر کو تباہ کر سکتی تھی لیکن صرف دس فیصد افزودگی کی وجہ سے اس کی تابکاری چالیس 40 سے پچاس 50 کلومیٹر تک ہی پھیل سکتی تھی اس سے آگے اس کا اثر بالکل ختم ہو جاتا تھا۔ میں نے سلاخ کو چیک کرنے کے بعد واپس کیس میں رکھا اور اسے بند کر دیا۔

کیس بند کرنے کے بعد میں نے دوبارہ اُوپر سے تابکاری چیک کی لیکن اس کیس سے باہر تابکاری نہیں پھیل رہی تھی ۔ وہ بالکل محفوظ کیس تھا میں نے ہر طرف سے اطمینان کرنے کے بعد دیپ کو بتا دیا اور اس نے سوئس بنک کے ذریعے آدھے پیسے امیر صاحب کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دیے باقی کے آدھے پیسے ہم نے تبت پہنچنے کے بعد ادا کرنے تھے۔

شام کو چار بجے کے قریب امیر صاحب نے ہمیں کمانڈر علی شیر کے حوالے کیا جس نے ہمیں پک اپ گاڑی میں بیٹھایا اور ہم پوری رات سفر کرتے ہوئے صبح ساڑھے تین بجے کے قریب تاجکستان کے سرحدی گاؤں رنگ کل پہنچ گئے ۔ یہ گاؤں چین بارڈر سے محض تین کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ یہاں بارڈر پر سختی تو تھی لیکن علی شیر پہاڑی علاقے کے چپے چپے سے واقف تھا۔

وہ ہمیں مختلف راستوں سے گھماتا ہوا صبح پانچ بجے کے قریب بارڈر کراس کر گیا یہ سارا سمگلنگ کا علاقہ تھا ۔ یہ چین کا سب سے غریب ترین صوبہ شنگیا نگ تھا جہاں سب سے زیادہ مسلمان رہتے تھے۔ شنگیا نگ کے ایغور مسلمان مرکزی چین سے بہت مختلف تھے۔ یہ سارا شورش زدہ علاقہ تھا جہاں چین کی مرکزی حکومت کنٹرول کرنے کی کوشش کرتی تھی۔

بظاہر اس علاقے میں پھیلنے والی بدامنی اور دہشت گردی کا الزام فی الفور مسلمانوں اور

ہمسایہ ریاستوں پر لگایا جاتا تھا لیکن بحرحال سب غلط تھا۔چین کی مرکزی حکومت خود بھی یہاں کے حالات ٹھیک کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھی ۔ بدامنی اور دہشت گردی سے متاثرہ علاقہ چین کی معیشت ٹھیک کرتا تھا۔شنگیانگ کے مرکزی شہر کاشغر کو پانچ ملکوں کا کا باڈر لگتا تھا۔ان میں سے پاکستان ،افغانستان ،تاجکستان ،کرغستان اور قازقستان تھے چین میں سستا تیار ہونے والا سامان اسی کاشغر شہر میں آتا تھا۔ جہاں سے یہ سامان سمگلنگ کے ذریعے ان پانچوں ممالک میں جاتا تھا شین قانونی اور غیر قانونی دونوں طریقوں سے اپنا سامان یہاں فروخت کررہا تھاان ممالک میں سو ہزار 100 میں کی قانونی تجارت ہوتی تھی۔

تو 1000 روپے کی غیر قانونی سمگلنگ ہوجاتی تھی چین کا سب سے غریب ترین صوبہ شنگیانگ ماہانہ اربوں ڈالر کما کردے رہا تھا۔ یہاں حالت ٹھیک ہوجاتے تو ڈیوتی ٹیکس اور انکم ٹیکس کی صورت میں چینی مصنوعات کی قیمت بڑھ جاتی اوراس سے چین کے کارخانے اور فیکٹریاں بند ہو جائیں یہی حالات پاکستان اور افغانستان کے ہے ۔افغانستان امریکہ اور نیٹو افواج اسی سمگلنگ کو برقرار رکھنے کے لئے باڈر پر تار لگانے کے خلاف ہے۔

وہ لوگ باڈر سیل نہیں ہونے دے رہے شاید آپ لوگ اسے منشیات کی سمگلنگ سمجھیں وہ بھی ٹھیک ہے لیکن اُس سے زیادہ امریکی اور یورپی مصنوعات کی سمللگنگ ہے جو افغانستان میں بغیر ڈیوتی ٹیکس کے جاتی ہیں اور سمگل ہوکر پاکستان آجاتی ہیں ۔الیکٹرانکس کی کوئی چیز لاہور میں ہزار 1000 روپے کی ملتی ہے کیونکہ اس پر پاکستانی ڈیوٹی ٹیکس اور انکم ٹیکس لاگو ہوتا ہے جبکہ وہی چیز پشاور،کوئٹہ یا قبائیلی علاقوں سے 100 روپے میں مل جاتی ہے۔

یہ ملکوں کی سیاست ہے وہ لوگ صرف اپنے ملک کا بزنس دیکھتے ہیں ایشیائی ممالک کے حالات جتنے خراب ہوں گے ان کا سامان اتنا ہی بکے گا کمانڈر علی شیر نے ہمیں باڈر کراس کروایا اوراور کاشغر لیکر آ گیا۔ یہاں شہر میں ہم نے ایک دن گزارہ اور دوسرے دن بھیڑ بکریوں سے بھرے ہوئے ایک ٹرالے میں سوار کروا دیا کنٹینر نما ٹرالہ کاشغر سے ہانگ کانگ کی طرف جا رہا

تھا۔

یہ ٹرالا تبت کی طرف سے ہو کر جا رہا تھا۔ یہ بہت لمبا روٹ تھا۔ ٹرالے تین دن کا مسلسل سفر کرتے ہوئے یہاں تک پہنچتے تھے۔ یہاں ٹرالوں میں دو دو ڈرائیور ہوتے تھے۔ جو باری باری ٹرالا چلاتے تھے۔ ٹرالے میں ڈرائیور سیٹ پیچھے ہی ایک آدمی کے سونے کی جگہ بنی ہوتی ہے ۔ جہاں ڈرائیور سوتے ہیں مجھے اور دیپ کو ٹرالے کی پچھلی جانب بھیڑوں کے درمیان رکھا گیا تھا۔

ہم دونوں وہاں چھپے ہوئے تھے چینی حکومت ایسے لمبے روٹ کے ٹرالوں کو زیادہ چیک نہیں کرتی تھی۔ صرف شہر سے نکلتے ہوئے چیک پوسٹ پر چیکنگ ہوتی تھی اور سیل کرنے کے بعد ٹرالے کو اجازت نامہ دے دیتی تھی راستے میں ہر چیک پوسٹ پر پولیس والے یہی اجازت نامہ دیکھ کر چھوڑ دیتے تھے۔ وہ لوگ سو میں سے کسی ایک ٹرالے کو چیک کرتے تھے۔ باقی ویسے ہی چھوڑ دیتے تھے ہانگ کانگ کا سفر تین دن (بہتر گھنٹے) کا تھا لیکن ہماری منزل ہانگ کانگ سے بہت پہلے تبت تھی ٹرالے نے ہمیں تقریباً تیس 30 گھنٹوں میں ہی بورنگ پہنچا دیا۔ یہاں سے ہمیں امیر صاحب کے آدمی نے ہمیں گاڑی میں بیٹھایا اور انڈین باڈر کے قریب کوہ ہمالیہ کے دامن میں پہنچا دیا۔

''مسٹر ہردیپ سنگھ! یہ سٹلائیٹ ٹریکر ہے۔ آپ اگر دوران سفر کسی گلیشیر یا پہاڑی کھائی میں پھنس جاتے ہیں اور بچنا ناممکن ہو جاتا ہے تو آپ اس ٹریکر کو آن کر سکتے ہیں۔ یہاں اس علاقے میں مدد ملنا ناممکن ہے ہمالیہ کی چوٹیوں پر ہیلی کاپٹر بھی نہیں اُڑ سکتے۔ اُوپر چوٹیوں پر ہوا نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ اور ہیلی کاپٹر کے پنکھوں کو اڑنے کے لئے ہوا کی ضرورت ہے۔ ہیلی کاپٹر اوپر نہیں جا سکتا جہاں چھوٹے فوکر طیاروں کو اُترنے کے لئے ایک مخصوص رن وے کی ضرورت ہوتی ہے۔ رن وے کے بغیر فوکر طیارے بھی نہیں آسکتے اور بس موت ہی کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ یہ ٹریکر ایک چھوٹی سی امید ہوتی ہے کہ شاید مدد مل جائے اس لیے آپ اسے جائیں۔'' اس آدمی نے ایک چھوٹا سا ٹریکر دیپ کو دیتے ہوئے کہا۔

یہ امیر صاحب نے اسپیشل دیپ کو دینے کے لیے دیا تھا۔امیر صاحب ہر دیپ کی شخصیت سے بہت زیادہ متاثر ہو گئے تھے اور اسی لیے وہ ٹریکر دے رہے تھے ہم نے اس آدمی کا شکریہ ادا کیا اور ہمالیہ کی پہلی چوٹی کی طرف بڑھنے لگا۔

ہمارے پاس سامان سے بھرے ہوئے دو بیگ تھے جو ہماری پیٹھ پر لدے ہوئے تھے ان میں کھانے پینے کا سامان تھا اور کچھ میڈیکل کی دوائیاں وغیرہ تھیں جو راستے میں ہمارے کام آسکتی تھیں۔ ہمارے پاس کپڑے کا بنا ہوا ایک چھوٹا خیمہ بھی تھا۔ جو ہم اوپر پہاڑوں میں رات گزارنے یا بارش اور برف باری سے بچنے کے لیے لگا سکتے تھے۔

''راضی بھائی! کیا کہتے ہو۔۔۔۔؟ کیا ہم ہمالیہ کو کراس کرلیں گے۔۔۔۔؟ دیپ نے اپنے سامنے پھیلے اونچے پہاڑوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اسے پہاڑوں پر چڑھنے کا شوق تھا۔ میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور رسے کی مدد سے اُسے باندھنے لگا میں نے رسے کا ایک سرا اُس کے کمر کے گرد گزار کر باندھا اور اور دوسرا سرا اپنی کمر سے باندھ لیا۔ یہ پانچ 5 میٹر کے قریب لمبا رسہ تھا۔ جس سے ہم دونوں باندھے ہوئے تھے۔ یہ کریبس میں گرنے سے بچنے کے لیے تھا۔ راستے میں گلیشیر کے اُوپر سے گزرتے ہوئے اگر برف کی تہہ ٹوٹ جاتی اور ہم میں سے کوئی پانی میں گر جاتا تو دوسرا رسے کی مدد سے اُسے باہر کھینچ سکتا تھا۔

''دیپ! ہمیں صرف رات کو ہی سفر کرنا ہوگا۔۔۔۔دن کے وقت سورج کی روشنی پڑتی ہے تو پہاڑوں کے اُوپر جمی ہوئی برف ٹوٹنا شروع ہو جاتی ہے۔ پہاڑ کی چوٹی سے ایک پتھر نیچے گرتا ہے تو وہ نیچے آتے آتے پورا پہاڑ بن جاتا ہے اُوپر سے گزرنے والے پتھر نیچے آتے آتے پورے پہاڑ کی برف بھی لے آتے ہیں رات کو سردی ہوتی ہے۔اس لیے برف جمی رہتی ہے۔ رات میں سفر کرنا مشکل تو ضرور ہوتا ہے لیکن یہ محفوظ ہے۔'' میں نے اسے ہمالیہ کے بارے میں تھوڑا سمجھایا اور آگے آگے چلنے لگا۔

’’راضی! بتایانہیں تم نے ۔۔۔۔کیا ہم ہمالیہ کو کراس کرلیں گے ۔۔۔۔۔۔؟‘‘ اس نے دوبارہ سوال کیا۔

’’واہے گرو مہر کرے گا دیپ! وہ سدگرو سچا بادشاہ ہے۔اس کے فیصلے ہمیشہ بندے کے حق میں ہوتے ہیں۔‘‘ میں نے سنجیدگی سے کہا اور مسلسل آگے کی طرف چلتا رہا۔

(واہے گرو یا سدگرو کے الفاظ سکھ مذہب کے لوگ استعمال کرتے ہیں ان سے مراد خدا ہوتا ہے سکھ مذہب میں خدا کے لئے زیادہ تر واہے گرو ہی استعمال ہوتا ہے ہمارے مسلمان بھائی واہے گرو سے مراد گرونانک صاحب لیتے ہیں جو کہ صحیح نہیں ہے ۔۔۔۔واہے گرو کا لفظ سب سے پہلے گرونانک صاحب نے ہی خدا کے لئے استعمال کیا تھا جس کا مطلب عظیم بادشاہ ہے جو دلوں کے اندھیرے دور کرتا ہے یہ خدا کے ننانوے ناموں میں سے ایک صفاتی نام کا پنجابی ترجمہ ہے۔سکھ مذہب کی زیادہ تر تعلیمات اسلام سے متاثر ہو کر ہی لکھی گئی ہیں۔سکھوں ی پہلی مذہبی کتاب سکھ منی صاحب کا پہلا پیرا گراف جسے جپ جی (JAAP GI) کہتے ہیں یہ بھی سورۃ اخلاص کا گور مکھی ترجمہ ہے)

’’دیپ! ایک بات پوچھوں ۔۔۔۔آپ سکھ لوگ ہم مسلمانوں کی طرح ایک خدا کی ہی عبادت کرتے ہوناں ۔۔۔۔۔۔؟‘‘ میں نے اُس سے سوال کیا تو اس نے سر کو اثبات میں ہلا کر میری تائید کردی۔

ہم دونوں پہاڑوں کے درمیان بنی ہوئی ایک پتلی پگڈنڈی پر چل رہے تھے۔

’’آپ لوگ ہندوؤں کی طرح بت پرست نہیں ہو۔۔۔۔۔آپ لوگ صرف ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہو اور اسی کے آگے اپنا سر جھکاتے ہو۔‘‘

’’راضی بھائی! آپ صحیح کہتے ہو ۔۔۔۔۔ہم سکھوں کی آدھی سے زیادہ عبادت اور تعلیمات مسلمانوں سے زیادہ ملتی چلتی ہیں۔ ہندوؤں کی بجائے ہمارا مذہب مسلمانوں سے ملتا جلتا ہے۔‘‘ دیپ اب مجھے اپنے سکھ مذہب کے بارے میں بتانے لگا۔

''یار!ایک آخری بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر تم میرے نبی محمد ﷺ کو خدا کا آخری نبی مان لو۔اگر تم یہ مان لو کہ محمد ﷺ اس دنیا میں خدا کا پیغام لیکر آئے تو کیا تم سکھ نہیں رہو گے۔۔۔۔۔؟'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں چلتے چلتے رک گیا تھا ہمیں مسلسل چلتے ہوئے چار گھنٹے سے اوپر ہو گئے تھے اور میں کچھ دیر رُک کر آرام کرنا چاہتا تھا۔

''راضی بھائی! ہمارے گرونانک صاحب آپ کے نبی محمد ﷺ کو خدا کا نبی مانتے تھے اور اسی لیے وہ پیدل مکہ بھی گئے تھے۔'' وہ ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

''ہردیپ !اگر گرونانک صاحب مانتے تھے تو تم کیوں نہیں مان رہے۔۔۔۔۔۔؟ تم بھی ہمارے نبی محمد ﷺ کو خدا کا آخری نبی مان لو'' اس کی طرف مسلسل دیکھ رہا تھا۔راضی'' بھائی !میں تو بالکل مانتا ہوں۔مجھے معلوم ہے محمد ﷺ خدا کے آخری نبی ہیں اور میں اس پر یقین بھی کرتا ہوں۔آپ کے نبی کو ماننے سے میرے سکھ مذہب کو کوئی فرق نہیں پڑتا ہم صرف ہندوؤں کو نہیں مان سکتے وہ لاکھ خداؤں کو مانتے ہیں جبکہ ہمارا مذہب اک اومکار(IK-OMKAR)ایک خدا کا درس دیتا ہے۔'' اس نے ایک بار پھر مجھے پوری تفصیل سے سمجھایا۔

''دیپ بھائی! دل سے ماننا اور بات ہے ایک بار زبان سے بھی اقرار کرلو۔۔۔۔۔صرف ایک بار کلمہ پڑھ لو میں جنت میں تم کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔'' میں نے اٹک اٹک کر بولتے ہوئے کہا، میرے دل میں ایک موہوم سی امید تھی کہ وہ کلمہ پڑھ کر اقرار کر لے گا۔

''راضی بھائی! مسلمان کرنا چاہتے ہو۔۔۔۔۔۔؟'' اُس نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا تو میں نے ہلکا سا سر ہلا دیا۔

''دیپ! اسلام کی تبلیغ کرنا ہمارے مذہب میں فرض ہے۔ہم اپنے دوستوں ، رشتے داروں اور ساتھ رہنے والوں سب کو سلام کی دعوت ضرورت دیتے ہیں باقی اگلے کی مرضی ہے وہ اسلام قبول کرے یا نہ کرے ہم مسلمان اپنا تبلیغ کا فرض ضرور نبھاتے ہیں۔'' میں نے اس کی

طویل خاموشی دیکھی تو دوبارہ بولنے لگا۔

''راضی! تبلیغ تو میں بھی کرسکتا ہوں ۔۔۔۔میرا بھی دل کرتا ہے کہ تم ہمارا سکھ مذہب قبول کرلو۔۔۔۔'' دیپ میری طرف دیکھ رہا تھا اس کی آنکھیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''دیپ! آپ کے گرونانک صاحب کو بھی میں مانتا ہوں مجھے معلوم ہے کہ گرونانک صاحب خدا کے ایک نیک اور پرہیزگار آدمی تھے جنھوں نے دنیا کو انسانیت کا سبق دیا تھا میں سکھ منی صاحب کو بھی مانتا ہوں کہ اُس کے اندر صرف اور صرف خدا کی عظمت اور اُس کی مخلوق کی خدمت ہی لکھی ہوئی ہے میں مسلمان ہوں ایک اچھا مسلمان ہوں اور میرا مذہب مجھے گرونانک صاحب کو خدا کا نیک اور پرہیزگار بندہ ماننے سے نہیں روکتا۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا اور اُوپر پہاڑ کی طرف دیکھنے لگا۔

ہم نے کافی دیر آرام کرلیا تھا اس لیے دوبارہ اُٹھے اور پھر سے سفر شروع ہوگیا۔ہم مسلسل ایک ہفتے تک سفر کرتے رہے اس دوران کوئی ناخوشگوار واقع پیش نہیں آیا۔سردی پہلے دو تین دن تک تو مسلسل پریشان کرتی رہی لیکن آہستہ آہستہ ہمارا جسم سردی کو قبول کرنے لگا اور ہم آرام برف پوش چوٹیوں کو کراس کرکے آگے بڑھتے رہے۔ایک ہفتے کے سفر کے بعد ہم ہندوستانی بارڈر کے قریب پہنچ چکے تھے۔

ہم بارڈر سے محض دس کلومیٹر دور تھے جسے ہم دو سے تین دن میں عبور کرسکتے تھے۔اس کے بعد انڈیا کی طرف سے بھی ہمیں مزید پینتالیس 45 کلومیٹر کا سفر پیدل طے کرنا تھا۔ہمیں بارڈر سے پینتالیس 45 کلومیٹر دور لیلم (LEELAM) گاؤں پہنچنا تھا۔یہ صرف دس گھروں پر مشتمل ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جن کا ذریعہ معاش بھیڑ بکریاں چرانا تھا۔لیلم (LEELAM) میں ہر ہفتے دہلی (DELHI) سے فتح سنگھ ٹرالا لیکر آتا تھا۔

فتح سنگھ کا تعلق پنجاب کے چھوٹے سے شہر سلطان پور لودھی (SULTANPUR LODHI) سے تھا۔سلطان پور لودھی میں گرونانک صاحب نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ گزارہ

تھا۔ گرونانک صاحب کی زندگی کو تین بڑے ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ انہوں نے ابتدائی زندگی ننکانہ صاحب (جسے پرانے زمانے میں تلونڈی بھی کہا جاتا تھا) میں گزاری۔ جوانی میں وہ سلطان پور لودھی آ گئے۔ وہ سولہ سال کی عمر میں اپنی بہن کے پاس رہنے آئے تھے اُن کی شادی یہیں پر ہوئی تھی اور اس کے بعد زندگی کے آخری کے دس سال انہوں نے کرتار پور میں گزارے تھے۔

فتح سنگھ کا تعلق سلطان پور لودھی سے تھا لیکن وہ دہلی میں رہتا تھا وہ دہلی سے الیکٹرانک اور کھانے پینے کا سامان لے کر اترا اکھنڈ آتا تھا۔ وہ ہمالیہن کے دامن میں پھیلے ہوئے چھوٹے چھوٹے گاؤں اور شہروں میں کریانہ سٹور جنرل سٹور اور الیکٹرانک کا سامان، سگریٹ، کولڈ ڈرنکس وغیرہ لے کر آتا تھا اور واپسی میں ادھر سے پھل فروٹ بھیڑوں کے دودھ سے بنا ہوا پنیر مکھن، گھی، اُن کی اون، کھالیں وغیرہ لے جاتا تھا۔

فتح سنگھ خالصتان تحریک کا خفیہ رُکن تھا ہر دیپ نے اس سے دوشنبے میں فون پر رابطہ کیا تھا اور وہ ہمیں لیلم سے لینے والا تھا۔ ہم لیلم پہنچ کر اس کا انتظار کرتے وہ سامان لے کر لیلم آتا اور واپسی میں ہمیں ٹرالے میں بیٹھا کر دہلی لے جاتا۔ ہم نے صرف بارڈر سے 45 کلومیٹر لیلم پہنچنا تھا بظاہر بہت معمولی سا لگ رہا تھا لیکن یہ فضائی سفر تھا۔ زمینی پہاڑوں کی پگڈنڈیوں پر چلتے ہوئے ہی سفر 100 کلومیٹر سے زائد بن جاتا تھا جو ہمالیہ کی پندرہ ہزار فٹ بلندی پر واقع تھا۔ یہاں برف سے ڈھکی ہوئی درجنوں چوٹیاں تھیں جنہیں ہم نے پیدل کراس کر کے انڈین حدود میں داخل ہو گئے تھے۔

ہم بہت احتیاط سے سفر کر رہے تھے لیکن پھر بھی ہمارے بوٹوں کے اندر پانی چلا گیا تھا۔ برف کا پانی پاؤں کو لگا تو ہمارے پاؤں میں خون جمنے کی وجہ سے سوجن ہونے لگی ایک دو دن تک تو ہم برداشت کرتے رہے لیکن آہستہ آہستہ یہ سوجن مزید بڑھتی چلی گئی۔

''راضی! ہمیں پیروں کے ٹھیک ہونے تک یہیں کیمپ لگا کر رہنا پڑے گا مجھ سے اب ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا جا رہا۔'' دیپ ایک پتھر کی آڑ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

سوجن کی وجہ سے میرے پیروں کی حالت بھی خراب ہوگئی تھی لیکن میں دیپ کی وجہ سے برداشت کر رہا تھا۔ میں اس کے سامنے خود کو کمزور نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ دیپ نے آرام کرنے کا فیصلہ کیا تو میں نے شکر کیا اور ایک محفوظ جگہ پر کپڑے کا خیمہ لگانے لگا۔ میں نے خیمے کے چاروں کونوں میں لکڑی کے کلے ٹھونکے اور خیمہ کھڑا کر کے اسی کی مدد سے اُسے لکڑی کے کلوں سے باندھنے لگا۔

''دیپ! تم آرام کرو میں دس منٹ میں خیمہ لگا دیتا ہوں۔'' دیپ میری مدد کرنے لگا تو میں نے اُسے روک دیا۔

''ارے نہیں یار! میں اتنا تو کر ہی سکتا ہوں۔'' وہ اپنے ایک پیر کو گھسیٹ کر چل رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا اس کے پاؤں میں تکلیف تھی لیکن وہ پھر بھی میرے ساتھ کام کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''مہاراجہ صاحب! آپ مہاراجہ ہو اور مہاراجہ کام نہیں کرتے۔۔۔کام اُن کے غلام کرتے ہیں آپ آرام سے بیٹھئے آپ کا غلام خیمہ لگا رہا ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور رسیاں باندھنے لگا۔

''راضی یار! کیوں شرمندہ کرتے ہو۔۔۔۔۔؟ غلام تم نہیں غلام تو میں ہوں ایک مہاراجہ بھی تو غلام ہوسکتا ہے ناں۔۔۔۔۔ویسے ہندوستان کا پہلا مسلمان بادشاہ بھی ایک غلام تھا۔'' وہ شہاب الدین غوری کے غلام سلطان قطب الدین ایبک کی بات کر رہا تھا۔

قطب الدین ایبک ہندوستان کا پہلا مسلمان حکمران تھا جو ترکی سے غلام بن کر سلطان شہاب الدین غوری کے پاس آیا تھا۔ میرے مسلسل روکنے کے باوجود وہ میرے ساتھ مدد کرتا رہا۔ ہم نے خیمہ لگایا اور اس کے اندر آ گئے۔ دیپ نے اپنے جوتے اتارے تو میں اس کے پاؤں کی مالش کرنے لگا۔

''راضی! تمہیں اپنی پچھلی زندگی یاد نہیں آتی۔۔۔۔۔؟ تم پاکستان آرمی میں کیپٹن رینک

کے افسر تھے تمہارے والد گاؤں کے بڑے زمینداروں میں سے ایک تھے تم اُن کی اکلوتی اولاد تھے۔ زمین جائیداداور بہترین نوکری تم تو دنیا میں ہی جنت کے مزے لے رہے تھے پھر کیوں اس طرف آ گئے۔۔۔۔۔؟ کیا تمہیں اپنی پرانی زندگی یاد نہیں آتی۔۔۔۔؟ کیا تمہیں کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔۔۔۔؟'' دیپ مجھ سے سوال کرر ہا تھا۔ میں پورے انہماک سے اس کے پیروں کی مالش کرر ہا تھا۔

''دیپ! پاکستان میں میری زمینیں، جائیداد، نوکری، کاروبار سب کچھ تھا لیکن میری جنت پاکستان میں نہیں خالصتان میں ہے۔ میری جنت تمہاری خوشیوں کے ساتھ جڑی ہوئی ہے میرے لیے پوری دنیا کی خوشیاں ایک طرف ہیں اور تم دوسری طرف ہو۔ تمہارے پاؤں کی مالش ہی میرے لیے اعزاز کی بات ہے۔ اس دنیا میں چودہ کروڑ سکھ رہتے ہیں جو تمہاری ایک جھلک کے لیے اپنی پوری زندگی قربان کرسکتے ہیں میں تو خوش قسمت ہوں دیپ! جو میری زندگی ایک ایک پل تمہارے ساتھ تمہاری خدمت میں گزرر ہا ہے۔'' میں نے عقیدت سے اس کے پیر کو سینے سے لگایا اور دوبارہ مالش کرنے لگا۔

ہم دودن تک اسی خیمے میں آرام کرتے رہے مسلسل آرام سے ہمارے پاؤں کی سوجن کم ہوگئی اور ہم دوبارہ سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ سفر کی تیسری رات ہم ایک اُونچی پہاڑی کے دامن سے گزرر ہے تھے جب اچانک موسم خراب ہونا شروع ہو گیا پہلے بارش شروع ہوئی پھر اس کے ساتھ ہی تیز ہوائیں چلنا شروع ہوگئیں ہم بارش سے بچنے کے لیے خیمہ لگاتے تھے لیکن اتنی تیز ہوا میں کپڑے کا خیمہ پھٹ سکتا تھا۔ شمال کی طرف سے آنے والی تیز ٹھنڈی ہوائیں ہمارے جسم کے آر پار ہورہی تھیں یہاں تاحدِ نگاہ تک برف سے جمی ہوئی پہاڑیاں تھیں ہمیں پناہ کے لیے کوئی درخت بھی نہیں مل رہا تھا۔

ہمیں پورا طوفان کھلے آسمان تلے جھیلنا تھا۔ میں نے دیپ کو ساتھ لیا اور ایک بڑے پتھر کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنی جیکٹ کھول کر دیپ کو اپنے جسم کے ساتھ لگا کر جیکٹ

دوبارہ بند کردی تھی وہ میرے جسم کے ساتھ چمٹ گیا تھا میں نے اُسے پتھر کی طرف کیا اور خود طوفان کے آگے دیوار بن گیا۔ دیپ اب براہِ راست طوفانی ہواؤں سے محفوظ ہوگیا تھا طوفانی بارشیں پورا دن چلتی رہیں اور رات کو برف باری شروع ہوگئی۔ صبح تک میرا پورا جسم سردی سے اکڑ چکا تھا۔

دیپ میری جیکٹ سے باہر نکلا تو میں نیچے برف پر گر پڑا مجھ میں کھڑے ہونے کی ہمت بھی ختم ہوچکی تھی۔ طوفان کے گزر جانے کے بعد موسم ٹھیک ہوگیا تھا۔ دیپ نے اکیلے ہی خیمہ لگایا اور مجھے گھسیٹ کر خیمے میں لے آیا۔ میں نیم مردہ سا ہوگیا تھا میری سانس بند ہورہی تھی مجھے بڑی مشکل سے سانس آرہا تھا۔ دیپ نے میری جیکٹ اور شرٹ اُتاری اور میرے سینے کی مالش کرنے لگا وہ میرے اُوپر جھکا مالش کررہا تھا۔

''راضی! مرنا نہیں یار۔۔۔۔۔ مجھے تمہاری بہت ضرورت ہے میں تمہارے بغیر کچھ نہیں کرسکتا خالصتان کا خواب تمہارے بغیر ادھورا ہے یار۔۔۔۔'' وہ میرے سینے کی مالش کرتے ہوئے رو رہا تھا۔

اس کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو میرے ننگے سینے پر گر رہے تھے اور مالش سے زیادہ یہ گرم آنسو مجھے زندگی کی طرف واپس لا رہے تھے۔ میری اکھڑتی ہوئی سانس بحال ہوئی اور میں واپس ہوش میں آنے لگا۔ مہاراجہ ہر دیپ سنگھ رندھاوا شاید کوئی جادوگر تھا جو اس نے میری رکی ہوئی سانس کو بحال کردیا تھا۔ میں ایک بار پھر زندگی کی طرف لوٹ آیا تھا۔ دن کو ہم خیمے کے اندر ہی رہے اور رات کو ایک بار پھر آگے کی طرف بڑھنے لگے۔

رات کے پچھلے پہر ہم پہاڑی کو کراس کیا تو دوسری طرف وادی تھی پہاڑی سے نیچے اُترتے ہوئے دیپ کا پیر پھسلا اور وہ نیچے گہری کھائی گر پڑا۔ ہم دونوں رسے کی مدد سے ایک دوسرے سے بندھے ہوئے تھے۔ دیپ نیچے کھائی میں گرا تو جھٹکے کے ساتھ میں بھی اس کے پیچھے ہی گر پڑا نیچے کھائی کوئی سوفٹ سے زائد گہری تھی۔ دیپ نیچے کھائی میں پڑے ایک پتھر سے جا کر ٹکرایا اور

اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ٹانگ کے ساتھ اس کے سینے پر بھی چوٹ آئی اور سینے میں دو پسلیاں بھی ٹوٹ کر باہر کی طرف مُڑ گئیں۔

میں دیپ کے ساتھ ہی نیچے برف پر گرا اور میرا پاؤں بھی گھٹنے کے قریب سے مڑ گیا۔ میں برف پر گرنے کی وجہ سے بچ گیا تھا جبکہ دیپ پتھر پر گرنے کی وجہ سے شدید ترین زخمی ہو گیا تھا میں نیچے گرتے ہی تیزی سے اُٹھ کر دیپ کی طرف بڑھنے لگا لیکن پیر میں آئی موچ کی وجہ سے میں وہیں گر پڑا۔ میرے پاؤں میں درد سے ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ مجھے اپنے سے کچھ فاصلے پر دیپ خون میں لت پت نظر آ رہا تھا۔ وہ درد کی شدت سے کراہ رہا تھا میں پاؤں کی موچ کی وجہ سے کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اس لیے رینگتا ہوا آگے بڑھا اور زمین پر گھسٹتے ہوئے دیپ کے پاس پہنچ گیا۔

''دیپ! کیا ہو گیا یار۔۔۔۔؟ تم کیسے زخمی ہو گئے۔۔۔۔؟'' میں اس کے سینے پر اُبھری ہوئی پسلیوں کو ہاتھ سے دبا کر نیچے کرنے لگا۔

''راضی! مت کرو یار۔۔۔۔بہت درد ہو رہا ہے۔'' دیپ مجھے روکنے لگا۔

وہ درد کی شدت سے کراہ رہا تھا اس کی دائیں طرف کی پسلیاں سینے کو توڑ کر باہر نکل آئی تھیں میں اُن کو واپس پیٹ کے اندر کر کے سینے کو کپڑے سے بند کرنا چاہتا تھا۔ابھی زخم تازہ تھا میں پسلیوں کو واپس سینے میں ڈال کر باندھ سکتا تھا۔ کپڑے کی مدد سے میں اُس کا بہتا ہوا خون بند کرنا چاہتا تھا سردی کی وجہ سے خون تو آسانی جم کر بند ہو جاتا تھا لیکن اگر پسلیاں باہر کی طرف رہتیں اور زخم ٹھنڈا ہو جاتا تو پھر دوبارہ واپس نہیں جا سکتی تھیں ٹھنڈا ہونے کی صورت میں وہ دوسری طرف سے بھی ٹوٹ سکتی تھیں اسی لیے میں نے دیپ کی کراہوں کو نظر انداز کیا اور اس کے سینے کو دبا کر پسلیوں کو اُن کی جگہ پر فکس کرنے لگا۔

دیپ کی کراہیں اب چیخوں میں بدل گئی تھیں وہ نا قابل برداشت درد کی شدت سے چلا رہا تھا۔ میں نے جلدی سے اپنے بیگ سے کپڑا نکالا اور دیپ کے سینے کو کپڑے سے مضبوطی سے باندھ دیا۔ سینے کی طرف فارغ ہونے کے بعد میں نے اُس کی ٹانگ کی بھی مرہم پٹی کی اور اُسے

بھی ایک کپڑے کی مدد سے سیدھا کر کے باندھ دیا۔مرہم پٹی کی وجہ سے اس کا خون نکلنا بند ہو گیا تھا لیکن وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہا تھا خود میرے بھی پاؤں میں موچ آ گئی تھی اور مجھ سے بھی چلا نہیں جا رہا تھا۔

''راضی !زندگی ختم ہو گئی یار۔۔۔۔۔زندگی کی آخری اننگز کھیلنے سے پہلے ہی زندگی ختم ہو گئی ۔۔۔۔۔۔'' وہ بے بسی سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

''نہیں دیپ !ابھی زندگی ختم نہیں ہوئی ہے ابھی میں زندہ ہوں اور میں اپنی زندگی کی آخری سانس تک جدو جہد کروں گا۔'' میں نے ایک پتھر کی کھوہ میں اپنا پیر دیا اور منہ کے اندر کپڑا رکھ کر پوری طاقت سے پیر کو جھٹکا دیا کڑاخ کی آواز کے ساتھ ایک تیز چیخ میرے منہ سے نکلی اور میرا پیر سیدھا ہو گیا۔

میں کافی دیر تک وہیں پڑا درد سے کراہتا رہا مجھ سے کچھ فاصلے پر دیپ بھی برف پر پڑا کراہ رہا تھا وہ شدید زخمی تھا وہ اب اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔میں کچھ دیر تک اپنے پیر کو ہلکی مالش سے گرمائش دیتا رہا اور پھر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا درد کی ایک تیز لہر میرے پاؤں سے اُٹھی لیکن میں برداشت کر گیا۔میں نے اپنے بیگ سے لکڑی کے کلے نکالے اور انہیں رسی کی مدد سے باندھنے لگا ۔میں نے چاروں کلوں کے اوپر کپڑا لپیٹا اور پھر رسی سے باندھ دیا۔میرے پاس اب ایک عارضی سٹریچر تیار ہو گیا تھا میں نے دیپ کو سہارہ دے کر اسے سٹریچر پر منتقل کیا۔

''راضی !میری زندگی کا آخری وقت آ گیا ہے۔۔۔تم مجھے پلیز چھوڑ دو اور خود یورنیم لیکر چلے جاؤ مجھ سے زیادہ خالصتان کو تمہاری ضرورت ہے۔'' دیپ مجھے اکیلے جانے پر زور دینے لگا ۔

اسے یورنیم کی فکر ہو رہی تھی وہ یورنیم کو ہندوستان پہنچانا چاہتے تھا تا کہ خالصتان آزاد ہو جائے وہ مرنے والا تھا لیکن پھر بھی اسے اپنی فکر نہیں ہو رہی تھی اسے اپنی قوم کی فکر ہو رہی تھی۔

''دیپ !میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا میں یہاں برف پوش ہمالیہ میں مر جاؤں گا لیکن

تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔'' میں نے سٹریچر کے ساتھ بندھی ہوئی رسی کو اپنی کمر کے گرد گزار کر باندھا اور آگے چلنے لگا۔

دیپ سٹریچر پر لیٹا ہوا تھا اور میں اسے لے کر برف پر کھینچ رہا تھا میں کوئی گھنٹے تک اسے ایسے ہی کھینچتا رہا ہم کھائی کے کنارے کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے آگے چڑھائی آئی تو میں نے دیپ کے سٹریچر کو پشت پر باندھ لیا اور اسے لیکر اوپر چڑھائی چڑھنے لگا میں پہاڑ پر چڑھنے اور اترنے وقت دیپ کو اپنی پشت پر اٹھا لیتا تھا جبکہ سیدھے راستے پر سٹریچر کو کھول کر برف پر گھسیٹتے ہوئے لے جاتا تھا ہماری رفتار اب بہت کم ہوگئی تھی۔ میری پیر کی موچ ٹھیک ہوگئی تھی لیکن درد اب بھی ہوتا تھا دیپ کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی تھی۔

اس کے سینے کا زخم ٹھیک ہونے کی بجائے بگھڑ رہا تھا اسے جلد سے جلد ہسپتال پہنچانے کی ضوروت تھی۔

وہ اگر ہسپتال پہنچ جاتا تو بچ سکتا تھا ہمارے پاس مدد حاصل کرنے کے لئے ٹریکر موجود تھا لیکن وہ ہمارے کسی کام کا نہیں تھا یہ ہندوستانی علاقہ تھا اور ہندوستانی تو ویسے بھی دیپ کے خون کے پیاسے تھے ہندوستانی پولیس اور فوج کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ دیپ کو دیکھتے ہی گولی مار دیں وہ دوبارہ دیپ کو گرفتار نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہاں آرمی کا ہیلی کاپٹر آتا تو دیپ کو ہسپتال پہنچانے کی بجائے گولی مار دیتے ہمارے پاس یورنیم کا کیس بھی تھا۔ جو ہم کسی بھی حالت میں گنوانا نہیں چاہتے تھے یہاں سردی اب بہت زیادہ ہوگئی تھی۔

ہم دونوں کو مسلسل سفر کرتے ہوئے ڈیڑھ مہینے سے اوپر ہو چکا تھا۔ ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان بھی ختم ہوگیا تھا۔ سردی کا موسم شروع ہوگیا تھا اور اب برف زورانہ ہو رہی تھی۔

''راضی یار! کیوں ضد کر رہے ہو۔۔۔۔؟ میرا زندہ بچنا ناممکن ہے تم کیوں میری وجہ سے خود بھی خودکشی کر رہے ہو۔۔۔۔؟'' میں ایک ٹھوکر کھا کر نیچے گرا تو دیپ ایک بار پھر مجھے اکیلے جانے کا بولنے لگا۔ وہ یہ بات پچھلے ایک مہینے سے مسلسل بول رہا تھا لیکن میری بھی ضد تھی میں اسے

چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔

''راضی! تمہیں میری قسم تم چلے جاؤ ادھر سے کیوں میری وجہ سے اپنی زندگی بھی داؤ پر لگا رہے ہو۔۔۔۔۔۔؟'' میں نیچے گرنے کے بعد اس کے پاس سٹریچر کے قریب آ کر بیٹھ گیا اس کی انکھیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں وہ بے بسی سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

''راضی! میرا بچنا ناممکن ہے میں مر جاؤں گا تمہاری اب تمام کوششیں بے کار ہیں پلیز۔۔۔تمہیں میری قسم تم مجھے یہیں چھوڑ دو اور یورینیم لے کر چلے جاؤ خالصتان کو آزاد کرانے کا خواب اب تم پورا کرو گے۔'' دیپ نے کراہتے ہوئے ایک بار پھر مجھے اپنی قسم دیتے ہوئے کہا۔

میں تھوڑا سا مزید آگے ہو کر اسٹریچر کے قریب ہوا اور اس سے اس کا چہرہ اُٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔

''راضی! موت کی بڑی خواہش ہے۔۔۔یقین کرو میں ہر وقت خدا سے اپنی موت کی دعائیں کرتا ہوں تا کہ تم آزاد ہو جاؤ۔'' وہ بے بسی سے بول رہا تھا اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو نکل رہے تھے جو اس کے چہرے کو بھگوتے ہوئے نیچے میری گود میں گر رہے تھے۔

''دیپ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔تمہاری موت اگر یہاں لکھی ہے تو میں اُسے روک نہیں سکتا لیکن تم سے اتنا وعدہ ضرور کرتا ہوں کہ تمہیں یہاں ہمالیہ میں نہیں چھوڑوں گا۔تم مر بھی گئے تو پھر بھی میں تمہاری لاش کو پنجاب لے کر جاؤں گا۔ میں یہاں تمہاری لاش کو برفانی چیتوں کی خوراک نہیں بننے دوں گا۔ جب تک میری سانس میں سانس ہے میں تمہیں ساتھ لے جاتا رہوں گا۔ جب میری بھی آخری سانس نکل گئی تو پھر دونوں بھائی ہی یہاں ہمالیہ میں برفانی چیتوں کی خوراک بنیں گے۔'' میں نے پُرعزم لہجے میں کہا اور اس کے بالوں میں پیار سے انگلیاں پھیرنے لگا۔

''راضی! تمہارا عشق میری سمجھ سے باہر ہے کیا کوئی انسان اتنی محبت بھی کر سکتا ہے۔۔۔۔۔؟'' دیپ کی آنکھوں سے اب بھی آنسو نکل رہے تھے میں اب ہاتھ سے اس کے

چہرے پر آنے والے آنسوؤں کو صاف کرنے لگا۔

''دیپ! محبت اور عشق کا تو پتہ نہیں ہے بس اتنا پتہ ہے کہ تمہارے ساتھ گزرا ہوا ایک ایک پل جنت کی طرح محسوس ہوتا ہے۔'' میں نے اس کے چہرے کو اُوپر اُٹھایا اور اس کا ماتھا چومنے لگا۔

اس کا سرخ وسفید چہرہ برفانی ہواؤں سے مکمل مرجھا چکا تھا اس کا رنگ بھی کالا ہو گیا تھا۔ ہمالیہ کی برفانی ہوائیں اس نوجوان یودھا کو کھا گئی تھیں۔

''راضی! ویسے تمہیں داڑھی اچھی لگتی ہے۔'' اس نے میرے چہرے پر آنے والی داڑھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں نے پچھلے ڈیڑھ مہینے سے شیو نہیں کی تھی اس لیے میری داڑھی اور مونچھیں کافی بڑھ گئی تھیں دیپ ابھی نوجوان تھا اس کی داڑھی اور مونچھیں ابھی تک اُگنا شروع نہیں ہوئی تھیں اس کے چہرے پر ہلکے ہلکے لوں اُبھر رہے تھے۔

''مہاراجہ صاحب! اگر آپ نے آرام کر لیا ہے تو ہم پھر سے سفر شروع کر سکتے ہیں اور کوشش کیجئے زندہ رہنے کی مرے ہوئے مہاراجہ کو کھینچنا مشکل ہوتا ہے۔'' میں نے مزاحیہ انداز میں کہا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''راضی! اگر یہاں سے زندہ بچ گیا اور خالصتان بن گیا تو وعدہ کرتا ہوں تمہاری تصویر ایک روپے والے نانک شاہی نوٹ پر ضرور چھپواؤں گا۔ تمہاری جگہ بھانڈوں اور کھسروں کے پیروں میں ہی ہے۔'' دیپ نے شرارتی لہجے میں کہا تو میں بے اختیار مسکرانے لگا۔ مجھے دیپ کے چہرے پر زندگی سے بھرپور شرارت نظر آنے لگ گئی تھی وہ واپس زندگی کی طرف لوٹ رہا تھا۔

''دیپ! ایسے ہی مسکراتے رہا کرو۔۔۔۔۔یار! تمہاری مسکراہٹ بہت حوصلہ دیتی ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا اور دیپ کے سٹریچر کو کھینچ کر آگے لے جانے لگا۔

ہمارے سامنے کئی کلومیٹر تک پھیلا ہوا کالا بلینڈ گلیشئر تھا کالا بلینڈ گلیشئر اتراکھنڈ کے پتھوڑ

گڑھ ضلع میں تھا۔پتھوڑ گڑھ ضلع کی سرحدیں چین اور نیپال سے لگتی تھیں۔ چھ لاکھ سے زائد کی آبادی والے یہ ضلع ہمالیہ کے بلند وبالا پہاڑوں پر مشتمل تھا۔کالا بلینڈ گلیشئر اسی ضلع میں واقع تھا جسے ہم پیدل کراس کررہے تھے۔ دیپ کا زخم اب آہستہ آہستہ ناسور بن رہا تھا اس کی حالت ہر گزرتے دن خراب سے خراب تر ہوتی جارہی تھی۔

میں اب بغیر رکے دن رات مسلسل سفر کررہا تھا۔ دیپ مجھے رک کر آرام کرنے کا کہتا تھا لیکن میں آرام نہیں کررہا تھا۔ میں جلد سے جلد لیلم پہنچنا چاہتا تھا تاکہ دیپ کی جان بچ جائے۔ مجھے معلوم تھا دیپ کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے میں اب آرام نہیں کرسکتا تھا اس لیے مسلسل آگے کی طرف سفر کررہا تھا تین دن کا مسلسل سفر کرنے کے بعد ہم نے کالا بلینڈ گلیشئر عبور کرلیا اور ہم راج رمبا پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئے۔

ساڑھے اکیس ہزار (21,447) فٹ بلند راج رمبا پہاڑی اس علاقے کی سب سے اُونچی چوٹی تھی۔ یہ ہمارے راستے میں آنے والی سب سے آخری چوٹی تھی۔راج رمبا پہاڑی کے دوسری طرف کوئی بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہماری منزل لیلم تھی۔ ہم پہاڑی کے اُوپر چڑھنے کی بجائے اس کے دائیں طرف سے گزرنے لگے۔اس طرف ایک پتلی سی پگڈنڈی بنی ہوئی تھی جو پہاڑی کی سائیڈ سے ہوکر گزرتی تھی۔اس طرف سے فاصلہ دوگنا بڑھ جانا تھا لیکن یہ اُوپر چڑھائی سے آسان تھا۔میں نے ایک بار پھر دیپ کو اپنی کمر سے باندھا ہوا تھا اور تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔دن کے دس بجے کے قریب ہم نے پوری راج رمبا پہاڑی کو کراس کرلیا۔

''دیپ! وہ سامنے ہماری منزل لیلم ہے ہم آج رات ہی وہاں پہنچ جائیں گے۔'' میں نے وادی میں دور کچھ گھروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ہم اونچائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہمیں گاؤں لیلم صاف نظر آرہا تھا میں نے دس منٹ آرام کیا اور پھر سے شروع کردیا لیلم گاؤں دیکھنے میں بہت قریب محسوس ہورہا تھا لیکن وادی کراس کرنے میں پورا دن لگ گیا ہم رات آٹھ بجے کے قریب گاؤں پہنچ گئے فتح سنگھ نے یہاں گاؤں

کی مغربی طرف بارشی نالے کے قریب ایک بکریوں کا باڑہ لے لیا تھا۔اس نے بھیڑ بکریاں بھی خرید لی تھیں اور پنجاب سے دولڑکوں کو بھی لاکر یہاں ملازم رکھ لیا تھا۔

دونوں لڑکے وادی میں بھیڑ بکریاں چراتے تھے یہ دونوں خالصتان کے مجاہد تھے جو یہاں دیپ کے پہنچنے کا ہی انتظار کر رہے تھے۔فتح سنگھ تو یہاں ہفتے میں صرف ایک بار ٹرک لیکر آتا تھا جبکہ کہ لڑکے یہیں رک کر ہمارا انتظار کر رہے تھے گاؤں کے باہر نالے کے قریب بکریوں کے باڑے کے کی لوکیشن اور تمام نشانیاں ہمیں تاجکستان میں ہی بتا دی گئیں تھیں اس لیے میں دیپ کو لیکر سیدھا ہی باڑے میں پہنچ گیا۔

''دیپ بابا! شکر ہے واہے گرو کا آپ آ گئے ۔۔۔۔۔ہم کب سے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔'' دونوں لڑکے دیپ کو دیکھ خوش ہو گئے۔وہ بار بار زخمی دیپ کے پیروں کو ہاتھ لگا کر چوم رہے تھے۔

''بچے! تمہارے بابا دیپ کی طبیعت بہت خراب ہے انہیں جلد سے جلد علاج کی ضرورت ہے تم فتح سنگھ سے جلدی سے رابطہ کرو اور انہیں یہاں فوراً پہنچنے کا کہو۔'' میں نے ایک لڑکے سے کہا اور چارپائی پر بیٹھ گیا۔

یہاں باڑے کے ساتھ ہی پتھروں کی مدد سے ایک جھونپڑی بھی بنائی ہوئی تھی۔جس کی چھت پر درختوں کے لیے ڈال کر اوپر مٹی ڈالی ہوئی تھی دونوں لڑکے جھونپڑی میں رہتے تھے۔''جی راضی بھائی! میں ابھی منسوری کی طرف نکل جاتا ہوں کل صبح آٹھ بجے پی سی او (PCO) کھلے گا تو میں فتح سنگھ کو کال کر دوں گا واہے گرو مہر کرے گا اور کل رات تک وہ بھی ٹرک لیکر آ جائیں گے۔'' اس لڑکے نے جلدی سے کہا اور کپڑے تبدیل کرنے لگا۔

پندرہ بیس منٹ تک وہ تیار ہو گیا اور ہم سے اجازت لیکر منسوری ی طرف نکل گیا۔لیلم سے منسوری تقریباً بیس 20 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک بڑا شہر تھا۔یہاں پبلک پی سی او بنے ہوئے تھے جہاں سے فون کیا جا سکتا تھا۔وہ لڑکا وہیں فون کرنے جا رہا تھا۔اس لڑکے کے جاتے ہی دوسرے

لڑکے نے دودھ گرم کیا اور آٹا گوندھ کے روٹی بھی بنالی۔ آلو گوبھی کا سالن پہلے ہی بنا ہوا تھا اس لڑکے نے ہمیں روٹی اور دودھ دیا میں نے روٹی کے ٹکڑے دودھ میں بھگوئے اور نرم کرکے اسے دیپ کو کھلانے لگا۔ دیپ کی حالت بہت خراب تھی وہ روٹی چبا نہیں سکتا تھا۔

''راضی بھائی! میں دیپ کو روٹی کھلانا چاہتا ہوں اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔'' بیس سال کی عمر کے لڑکے کا نام کلویندر سنگھ تھا جو عقیدت دؤسے دیپ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

یہ سکھ سرداوروں کی اپنے لیڈر دیپ سے محبت کا عالم تھا وہ لوگ دیپ بابا پر اپنی جان بھی قربان کرنے پر تیار تھے۔ خالصتان کا خواب دیپ نے انہیں دکھایا تھا اور وہ جانتے تھے کہ اس خواب کو سچ بھی مہاراجہ دیپ سنگھ کر سکتا ہے۔ وہ لوگ آزادی کا خواب دیکھ رہے تھے۔

میں نے نظر اُٹھا اس کی طرف دیکھا اور دودھ اور روٹی کا برتن اُسے پکڑا کر خود کھڑا ہو گیا۔

''دھنے واد۔۔۔۔۔۔ راضی بھائی! واہے گرو آپ کو چڑھدی کلا میں رکھے اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور خود دیپ کی چارپائی کے کونے میں بیٹھ گیا اس نے روٹی کے ٹکڑے کو دودھ میں بھگویا اور دیپ کو کھلانے لگا۔ دیپ کو کھانے میں بہت تکلیف ہو رہی تھی کلویندر سنگھ اس کے منہ میں نوالہ ڈالتا تھا جو دیپ چوس کر باہر نکال دیتا تھا وہ دیپ کے منہ سے نکلنے والے نوالوں کو ایک پلیٹ میں اکٹھا کر رہا تھا۔

دیپ نے جب مزید کھانا کھانے سے انکار کر دیا تو اس لڑکے نے دیپ کے منہ سے نکلنے والے نوالوں کی پلیٹ اٹھائی اور اسے کھانے لگا کھانا ختم ہونے کے بعد اس نے پلیٹ دھوئے بغیر اپنے بیگ میں رکھا اور دیپ کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کے پیروں کی مالش کرنے لگا۔

''نام کیا ہے دوست! تمہارا۔۔۔۔۔۔؟'' دیپ نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں اُس سے سوال کیا۔ وہ شدید تکلیف کے باوجود حوصلہ نہیں ہار رہا تھا۔

''کلویندر بابا! کلویندر سنگھ ہوں۔۔۔۔۔ آپ کے شہر کیورتھلہ سے ہی ہوں۔'' لڑکا جلدی

سے اپنا نام بتانے لگا۔

''بابا! آپ جلد ہی ٹھیک ہو جاؤ گے۔۔۔۔واہے گرو مہر کرے گا اور آپ ایک دن ضرور ہمارے خالصتان کو آزاد کروالو گے۔۔۔۔۔'' لڑکے کی عقیدت اس کے چہرے سے نظر آرہی تھی۔

''صحیح کہتے ہو بچے! واہے گرو ضرور مہر کرے گا اور ایک دن ہم سکھ آزاد خالصتان میں سانس لیں گے۔'' دیپ نے اسے تسلی دی اور آنکھیں بند کرلیں۔

وہ اب کچھ دیر آرام کرنا چاہتا تھا میں نے کلویندر سنگھ کو ساتھ لیا اور کمرے سے باہر آ گیا دوسرے دن دوپہر کے وقت دوسرا لڑکا فتح سنگھ کو فون کر کے واپس آ گیا جبکہ اسی رات بارہ بجے 12 کے قریب فتح سنگھ بھی ٹرک لیکر آ گیا۔ فتح سنگھ اپنے ساتھ ایک سکھ ڈاکٹر کو بھی لیکر آیا تھا۔ڈاکٹر نے دیپ کا معائنہ کیا اس کی مرہم پٹی کر کے اسے دوائی دی اور ہمیں ٹرک میں لیٹا دیا۔

''راضی بھائی! ہمیں جلد سے جلد دیپ بابا کو کسی نزدیکی ہسپتال میں لے جانا پڑ گا ۔۔۔۔اُن کا آپریشن کرنا پڑے گا۔۔۔۔۔'' ڈاکٹر دیپ کو ٹرک میں لیٹانے کے بعد مجھ سے کہنے لگا۔

''جی ڈاکٹر صاحب! دیپ کو فوری آپریشن کی ضرورت ہے لیکن انہیں ہسپتال لے جانا خطرے سے خالی نہیں ہوگا پورا ہندوستان اُن کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔'' میں نے سنجیدگی کہا۔

''راضی بھائی! یہاں سے دوسو 200 کلومیٹر کے فاصلے پر المورہ (ALMORA) شہر ہے۔المورہ میں میرا دوست ڈاکٹر کرم سنگھ اپنا ایک چھوٹا سا ہسپتال چلاتا ہے وہ سرجن ہے اور ہر دیپ بابا کا آپریشن کرسکتا ہے۔'' فتح سنگھ نے ہر دیپ کو المورہ شہر جانے کا مشورہ دیا۔

''فتح سنگھ! دیکھ لو۔۔۔۔۔وہ ڈاکٹر قابل بھروسہ ہے یہ نہ ہو کہ آپریشن کرنے کی بجائے پولیس کو مخبری کردے۔'' میں نے فتح سنگھ کی دیکھتے ہوئے کہا۔

''راضی بھائی! آپ انکھیں بند کر کے پورے ہندوستان کے سکھوں پر اعتماد رسکتے ہیں

۔۔۔۔مہاراجہ ہردیپ سنگھ ہمارے لیے گروسمان ہیں اور کوئی بھی سکھ اپنے گرو سے غداری نہیں کرسکتا آپ بے فکر رہیں ۔ڈاکٹر کرم سنگھ مرتو سکتا ہے لیکن غداری نہیں کرسکتا۔'' اس نے فخریہ انداز میں کہا اور ہمیں ٹرک میں بیٹھانے لگا۔

میں دیپ کے ساتھ ہی ٹرک کے پچھلے حصے میں چھپ گیا ہمارے آگے بھیڑوں کی کھالیں اور دوسرا سامان پڑا ہوا تھا۔ بھیڑ کی کھالوں سے تیز بدبو آرہی تھی جبکہ ٹرک کے فرش پر خون بھی پھیلا ہوا تھا راستے میں ٹرک کی تلاشی ناممکن تھی ۔کوئی بھی پولیس والا خون آلودہ کھالوں کو عبور کرکے ہمیں تلاش نہیں کرسکتا تھا۔ فتح سنگھ کے ساتھ آنے والا ڈاکٹر آگے بیٹھ گیا اور ہم المورہ شہر کی طرف جانے لگے ۔ہمارے ٹرک نے دوسو کلومیٹر کا سفر تین گھنٹوں میں طے کیا اور ہم المورہ پہنچ گئے تھے ۔ڈاکٹر کرم سنگھ نے اسی وقت آپریشن کی تیاری شروع کی اور وہ دیپ کو دوبارہ واپس زندگی کی طرف لانے میں کامیاب ہوگیا۔

ہم دو ہفتے تک المورہ میں ہی رہے اس دوران دیپ صحت یاب ہو کر اپنے پیروں پر چلنے پھرنے لگا۔ڈاکٹر کرم سنگھ نے اس کی پسلیاں کاٹ دیں اور ٹانگ میں راڈ ڈال دیا۔دیپ اب تھوڑا لنگڑا کر چلتا تھا دو ہفتے آرام کرنے کے بعد ہم المورہ سے نکلنے اور امرتسر آ گئے یہاں فوج پولیس انٹیلی جنس اور راRAA چپے چپے پر پھیلی ہوئی تھی ۔ ہرمیندر صاحب (گولڈن ٹیمپل کا نام ہرمیندر صاحب بھی ہے) اسے سکھوں کے آخری گرو گرو گھو بند صاحب نے تعمیر کروایا تھا۔ ہرمیندر صاحب کے اندر ہی اکال تخت تھا۔ جہاں بیٹھ کر گرو گھو بند صاحب نے حکومت کی تھی۔

اکال تخت سکھوں کا مقدس ترین مقام ہے۔1984ء کی خالصتان تحریک کے بانی جرنیل سنگھ بنڈرانوالہ نے بھی اسی اکال تخت پر بیٹھ کر خالصتان کا علان کیا تھا۔1984ء ہندوستانی فوج نے گولڈن ٹیمپل پر حملہ کر کے جرنیل سنگھ بنڈرانوالہ کو شہید کر دیا تھا۔ ہندوستانی فوج نے گولڈن ٹیمپل کی بے حرمتی کی تھی جس کی پاداش میں وزیراعظیم اندرگاندھی کو اس کے محافظوں نے مارڈالا تھا۔

اس وقت کے آرمی چیف جس نے آپریشن بلیوسٹار کے تحت گولڈن ٹیمپل پر حملہ کیا تھا اسے بھی سکھوں نے مار دیا تھا امرتسر شہر کے ڈی آئی جی جو پولیس آپریشن کر رہا تھا اس کی بھی ٹارگٹ کلنگ کر دی گئی سکھوں نے گولڈن ٹیمپل کی بے حرمتی کرنے والے تمام بڑے بڑے افسروں اور سیاست دانوں کو مار کر اپنا انتقام لے لیا تھا۔انہوں نے تو اکالی دل کے اس لیڈر کو بھی مار دیا تھا جس نے گولڈن ٹیمپل کے حملے ے بعد وزیر اعلیٰ بننے کے لئے صلح نامے پر دستخط کیے تھے۔دیپ اکثر مجھ سے کہا کرتا تھا۔

''راضی بھائی! دنیا ہم سکھوں کی طاقت اور بہادری سے ناواقف ہے ہم اپنا انتقام نہیں بولتے جلیانوالہ باغ جنرل ڈائر نے ہمارے سکھ بھائیوں کو شہید کیا تھا تو ہم نے اس کو انگلینڈ جا کر اس کے گھر میں جا کر مارا تھا۔ہم نے گولڈن ٹیمپ کی بے حرمتی کرنے والے پنجاب کے وزیر اعلیٰ اور ہندوستانی وزیر اعظیم آرمی چیف ڈی آئی جی سب کو مار دیا تھا ہم نے تو اکالی دل کے اس لیڈر کو بھی مار دیا تھا۔جو ہم سکھوں کا سودہ کر کے چیف منسٹر بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ہمارا ایک جرنیل سنگھ بنڈرانوالہ شہید ہوا تھا اور اس کا بدلہ ہم نے پورے ہندوستان سے لیا تھا یہ لوگ ہم سکھوں کو ڈرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔جن کی پوری تاریخ داستانوں سے بھری ہوئی ہے دیپ کو اپنی سکھ تاریخ پر فخر تھا۔

اور وہ اس تاریخ کو واپس لانا چاہتا تھا لیکن یہ سب کچھ آسان نہیں تھا۔ہندوستانی فوج نے پنجاب کے اندر ظلم کی انتہا کر دی تھی۔انہوں نے پورے پنجاب کو ہی تباہ کر کے رکھ دیا تھا پنجاب کے اندر خون کی ہولی کھیلی گئی تھی۔میں نے پنجاب کے پانچوں دریاؤں کو خون سے سرخ کر دیا تھا۔پنجاب سنتالیس 47 اور چوراسی 84 کے ایک بعد پھر جڑ چکا تھا۔

دیپ کی حالت سلگتے ہوئے پنجاب کو دیکھ کر مزید خراب ہو رہی تھی۔انڈین انٹیلی جنس کو ہمارے پنجاب میں آنے کی خبر مل چکی تھی اور وہ لوگ اب پنجاب بھر میں دیپ کو تلاش کرنے کے لئے چھاپے مار رہے تھے۔ہم پولیس انٹیلی جنس اور را سے چھپنے کے لئے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے

ہم ہر روز انے ٹھکانے تبدیل کر رہے تھے۔

''دیپ! سب کچھ ختم ہوگیا ہے یار۔۔۔۔۔ ہماری ساری طاقت بکھر گئی ہے۔'' میں نے اُوپر آسمان پر چمکتے ہوئے چاند کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ہم دونوں فیروز پور شہر کے قریب ایک چھوٹے سی گاؤں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رات کا وقت تھا اور ہم دونوں گھر کی چھت پر بیٹھے ہوئے دور آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ خالصتان کا خواب ایک بار پھر بکھر چکا تھا۔

''راضی! قیامت کسے کہتے ہیں۔۔۔۔؟ کیا تم مجھے سمجھا سکتے ہو کہ قیامت کیا ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔؟'' وہ دور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کسی گہری سوچ میں مبتلا تھا۔

''دیپ! قیامت دنیا کا آخری دن ہے ایک دن آئے گا جب پوری دنیا ختم ہو جائے گی تمام انسان چرند پرند مر جائیں گے یہ قیامت ہے۔'' میں اُسے مختصر سا سمجھانے لگا۔

''راضی! میں آج اگر مر جاتا ہوں تو میرے لیے آج ہی قیامت ہے۔۔۔۔۔۔''

''دیپ! بکواس مت کرو۔۔۔۔ میں تمہیں اتنی جلدی مرنے نہیں دوں گا ہم اپنی آخری سانس تک خالصتان کے لیے جدوجہد کریں گے اور جب موت آئے گی تو وہ پہلے میرے لیے ہوگی۔'' میں نے اُس کی بات درمیان سے کاٹتے ہوئے کہا۔

''راضی! تم تو غلام نہیں تم تو ایک آزاد ملک سے ہو پھر کیوں ہم غلاموں کے لیے جدوجہد کر رہے ہو۔۔۔۔؟'' دیپ میری طرف دیکھنے لگا اُس کی آنکھوں میں بے بسی جھلک رہی تھی۔

''دیپ! میں آزاد پاکستان میں پیدا ہوا لیکن میری جدوجہد آزاد خالصتان کے لیے ہے میرا جینا اور مرنا مہاراجہ ہردیپ سنگھ رندھاوا کے لیے ہے۔ خالصتان کی تاریخ میں مائیں اپنے بچوں کو میرے نام کی لوری سنائیں گی کہ ایک مُسلا راضی ہوا کرتا تھا جو ہمارے خالصتانی لیڈر ہردیپ سنگھ رندھاوا پر قربان ہوگیا۔'' میں نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اُٹھ کھڑا ہوگیا۔

''راضی بھائی! قربانی کا وقت آ گیا ہے آج نہیں تو کل میں پکڑا جاؤں ہندوستانی فوج کے ہاتھوں میری موت پکی ہے میں بس ایک آخری جنگ کرنا چاہتا ہوں ۔ میں پنجاب کے دریاؤں میں بہنے والے سُرخ خون کا بدلہ لینا چاہتا ہوں میں دہلی کا نام ونشان مٹا دینا چاہتا ہوں ۔'' دیپ اُٹھ کر کھڑا ہوا اور میری آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ وہ دہلی شہر کے اندر یورینیم کا دھماکہ کرنا چاہتا تھا۔

''دیپ! دہلی میں یورینیم کا دھماکہ ہوا تو خالصتان کا خواب بھی ختم ہو جائے گا ایٹمی ہتھیار کی وجہ سے دنیا خالصتان تحریک کے خلاف ہو جائے گی۔'' میں اب بھی ایٹمی دھماکے کے خلاف تھا۔

''راضی! خالصتان کا خواب تو ختم ہو گیا ہے۔ یہ خواب تو اب میری زندگی میں پورا نہیں ہو گا یہ میرے مرنے کے بعد اور کوئی پورا کرے گا میرے مرنے کے پندرہ بیس سال کے بعد کوئی اور ہر دیپ سنگھ رندھاوا پیدا ہو جائے گا جو اس خواب کو پھر سے پورا کرنے کی کوشش کرے گا۔ بس ایک وعدہ کرنا مجھ سے میرے بعد جو بھی میری جگہ لے گا تم اس کے بھی اتنا ہی وفادار رہنا جتنا میرے وفادار رہو۔'' اس نے آگے بڑھ کر میری گالوں کو بوسا دیا اور لنگڑتا ہوا نیچے جانے لگا۔

دیپ نے اسی رات ایک سکھ جانثار کو منتخب کیا اور یورینیم کی ایک سلاخ اسے دے کر دہلی بھیج دیا دوسرے دن ہندوستان کے تمام ریڈیو ٹی وی اور اخبارات ہر دیپ سنگھ رندھاوا سے بیان سے بھرے ہوئے تھے۔ دیپ نے دہلی کو چوبیس گھنٹے میں تباہ کرنے کی دھمکی دے دی تھی۔ تاریخ میں دہلی کئی بار اجڑی اور بسی تھی یہ دہلی ایک بار پھر سے اجڑنے لگی تھی۔ دیپ کی ایٹمی دھمکی نے پوری دنیا کو خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔

دہلی لوگوں سے خالی ہونا شروع ہو گیا تھا۔ انڈین انٹیلی جنس اور را RAA کے چھاپے پنجاب میں جگہ جگہ مارے جانے لگے۔ امریکی اور یورپی انٹیلی جنس ایجنسیاں بھی ہندستانی حکومت کی مدد کر رہی تھیں پوری دنیا ہی اکٹھی ہو گئی تھی اور وہ لوگ دیپ کو تلاش کر رہے تھے۔ ہم نے ایک دن میں تین جگہیں بدلی تھیں اور تینوں ہی جگہوں پر چھاپے پڑ گئے تھے۔ ہم ان چھاپوں سے بال بال بچے تھے ہمارے چھپنے کے لیے پورا پنجاب ہی کم پڑ گیا تھا دیپ گولڈن ٹیمپل جانا چاہتا تھا وہ

مقدس جگہ تھی۔

ہردیپ وہاں جانا چاہتا تھا لیکن مجھے معلوم تھا ہندوستانی فوج اس بار بھی گولڈن ٹیمپل پر حملہ کرسکتی تھی۔ انہوں نے جرنیل سنگھ بنڈرانوالہ کو بھی ہرمیندر صاحب کے اندر شہید کر دیا تھا وہ لوگ دیپ کو بھی شہید کر سکتے تھے۔

''دیپ بابا! ہرمیندر صاحب کے علاوہ ایک اور مقدس جگہ بھی ہے آپ اگر وہاں چلے جائیں تو بچ سکتے ہیں وہاں کوئی بھی دنیا کی طاقت حملہ نہیں کرسکتی تھی۔'' فتح سنگھ ہردیپ کی طرف دیکھ رہا تھا وہ ہمارے ساتھ ساتھ ہی رہ رہا تھا۔

''وہ کونسی جگہ ہے۔۔۔۔؟'' میں جلدی سے پوچھنے لگا دیپ کی جان کی فکری سب سے زیادہ مجھے تھی اور میں کسی بھی حالت میں دیپ کو موت کی طرف جاتے ہوئے نہیں دکھ سکتا تھا۔

''راضی بھائی! آپ کے پاکستان میں گردوارہ ننکانہ صاحب (جنم استھان) ہے یہ اگر وہاں چلے جائیں تو دنیا کی کوئی بھی طاقت انہیں نکال نہیں سکتی وہ سکھوں کی سب سے مقدس ترین جگہ ہے۔ پاکستانی حکومت وہاں کسی کو حملہ کرنے نہیں دے گی اور گردوارے کے اندر موجود سکھ ہردیپ بابا کو باہر نہیں جانے دے گی۔'' فتح سنگھ نے گردوارہ ننکانہ صاحب کا بتایا تو میں نے فوراً ٹرانسمیٹر آن کیا اور تاجکستان میں موجود اپنے لنک سے رابطہ کرنے لگا۔

انٹیلی جنس میں میرے کچھ پرانے دوست بھی موجود تھے جو ہمیں ہندستانی باڈر کراس کروا سکتے تھے میں جنرل ندیم سے رابطہ نہیں کرسکتا تھا وہ فوجی جرنیل تھے اور وہ کبھی بھی دیپ کی مدد نہیں کرسکتے تھے دیپ نے ایٹمی حملے کی دھمکی دے کر پوری دنیا کو اپنے خلاف کرلیا تھا جنرل ندیم اب ہمارے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے میں نے اپنے دوستوں کو بھی اصل پلان سے اگاہ نہیں کیا تھا میں نے ان سے صرف باڈر کراس کروانے کے لیے مدد مانگی تھی۔ انڈیا کے خراب حالات کی وجہ سے باڈر پر ہندستانی فوج بہت کم رہ گئی تھی۔

ہندوستانی فوج پورے ملک میں پھیلی ہوئی دہشت گردی کو روکنے میں لگی ہوئی تھی ایسے میں

ہمارا باڈر کراس کرنا آسان تھا پاکستان میں موجود ہمارے دوستوں نے ہماری مدد کی اور ہم باڈر کراس کر کے پاکستان میں داخل ہو گئے میں نے دیپ کو لیا اور اسی وقت ہم ننکانہ صاحب آ گئے ہم نے گردوارہ جنم استھان میں پناہ لے لی۔ پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسیوں کو پتہ چلنے سے پہلے ہم گردوارے پہنچ گئے اب پاکستانی گورنمنٹ بھی بے بس ہو گئی تھی۔

گردوراے کے اندر کوئی حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ سکھوں کا مقدس ترین مقام تھا اور یہاں گردوارے کے اندر حملہ کرنے کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ بات ہم نے سوچی تھی لیکن ایسا ہونا بہت مشکل نظر آ رہا تھا دہلی میں یورینیم کا دھماکہ ہو گیا اور پورا دہلی شہر تباہ ہو گیا۔ لوگ دیپ کی دھمکی کو سن کر دہلی سے باہر نکل چکے تھے اور ہم نے خالی دہلی کو ہی تباہ کیا تھا لیکن پھر بھی یہ پوری دنیا کے لیے نا قابل قبول تھا۔

پوری دنیا دھماکے کا ذمہ دار ہردیپ سنگھ کو مجرم سمجھ چکی تھی۔ وہ خالصتان تحریک کے لیڈر سے ایک بین الاقوامی دہشت گرد بن چکا تھا۔ دنیا میں اسامہ بن لادن سے زیادہ ہردیپ سنگھ رندھاوا کی دہشت زیادہ ہو چکی تھی۔ ایک ایسا سکھ رہنما جس کے پاس یورینیم ہتھیار ہوں اور اس کی ایک بات پر پوری دنیا میں پھیلے ہوئے چودہ کروڑ سکھ قربان ہونے پر تیار ہو جائیں اس سے بڑی خوف ناک بات اور کیا ہو سکتی تھی۔

ہردیپ سنگھ نے دہلی میں دھماکہ کر کے ثابت کر دیا تھا کہ وہ پوری دنیا میں کہیں بھی دھماکہ کر سکتا ہے اس کے پاس چودہ کروڑ سکھ جانثار تھے جو کہ اس کے ایک اشارے پر خودکش بمبار بن سکتے تھے دہلی تباہ ہوئی تو ہندوستانی اپنی پوری فوج لیکر پاکستانی باڈر پر آ گیا دوسری طرف امریکہ اور نیٹو فوج تھی جو پاکستان کے مغربی باڈر پر لگ چکی تھی جبکہ اوپر تاجکستان میں بھی امریکی فوج موجود تھی جو پاکستان کے شمالی علاقہ جات پر اٹیک کر رہی تھی۔

اس طرف افغانستان کی محض ایک کلومیٹر چوڑی پٹی تھی جسے امریکی فائیٹر طیارہ پلک جھپکنے میں کراس کر کے پاکستان آ جاتے تھے نیچے سمندر (بحیرہ عرب) میں بھی امریکی نیوی آ کر بیٹھ گئی

تھی پاکستان کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا تھا اور ہر طرف سے جھڑپیں شروع ہو چکی تھیں ۔پاکستان کے پاس بہت تھوڑی فوج تھی لیکن پھر بھی مقابلہ کر رہے تھے۔امریکہ اور نیٹو فورسز نے ناقاعدہ پاکستان کو جنگ کی دھمکی دے دی تھی ان کا صرف ایک ہی مطالبہ تھا کہ پاکستانی حکومت دیپ کو گردوارے سے گرفتار کر کے ہندوستان کے حوالے کر دے وہ لوگ ہر حالت میں ہر دیپ سنگھ کو زندہ یا مردہ گرفتار کرنا چاہتے تھے۔میں اور ہر دیپ سنگھ گردوارے کے اندر صدر پاکستان کی ٹی وی پر نشر ہونے والی تقریر سن رہے تھے۔

''میرے عزیز پاکستانی بھائیوں اور بہنوں! پاکستان پر اس وقت مشکل ترین وقت آیا ہوا ہے پوری دنیا کی مسلح افواج پاکستان کے چاروں طرف گھیرا ڈالے ہوئے ہیں جنگ کسی بھی وقت شروع ہو سکتی ہے پاکستان اکیلا پوری دنیا سے نہیں لڑ سکتا لیکن ہم پھر بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے ہم پر جنگ مسلط کی گئی اور ہم اپنے آخری آدمی اور آخری گولی تک لڑیں گے۔

دنیا خالصتانی لیڈر ہر دیپ سنگھ رندھاوا کو زندہ یا مردہ گرفتار کرنا چاہتی ہے۔جو گردوارہ جنم استھان میں پناہ لیے بیٹھا ہوا ہے ہمیں ہر دیپ سنگھ کی نہیں گردوارہ جنم استھان کی فکر ہے اور ہم گردوارے کے اندر فوج لیکر نہیں جائیں گے۔یہ گردوارہ پاکستان کا مقدس ترین مقام ہے اور ہم اس گردوارے کی حرمت پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے پاکستان ایک ذمہ دار ایٹمی ملک ہے ہم کسی سے بھی جنگ نہیں چاہتے لیکن اگر جنگ ہوئی تو ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔''صدر پاکستان کی پر اعتماد آواز ٹی وی میں گونج رہی تھی۔

''پاکستانی گورنمنٹ گردوارہ جنم ستھان بچانے کے لیے پوری دنیا سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔آخر میں میں اپنے سکھ بھائیوں سے بات کرنا چاہتا ہوں میں پاکستانی صدر کی حیثیت سے اپنے سکھ بھائیوں سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہماری بہادر فوج گردوارے پر جنم ستھان پر قربان ہو جائے گی لیکن اسے کوئی نقصان نہیں پہنچنے دے گی۔''

''راضی بھائی! ہم سکھوں نے 1947ء میں ہندوستان کے ساتھ جانے کی غلطی کی تھی

۔ہمیں پاکستان کے ساتھ جانا چاہیے تھا پاکستان ہندستان سے لاکھ گناہ بہتر ملک ہے۔ہم پچھلی کئی صدیوں سے پنجاب کے اندر مسلمانوں کے ساتھ اکٹھے رہ رہے تھے اور ہمیں کوئی پریشانی نہیں تھی ہندستان کی حمایت میں پنجاب کے دوٹکڑے ہوگئے ہم نے اپنا گھر بار یار دوست اس ہندستان کے لیے سب کچھ چھوڑ دیا۔ہم نے اپنے گرونانک صاحب کی سرزمین تک ہندستان کے لیے چھوڑی دی اس کے بدلے میں ہمیں کیا ملا۔۔۔؟ ہم انگریزوں سے آزاد ہوئے اور ہندؤوں کے غلام بن گئے ہمیں زبردستی پاکستان کا دشمن بنایا گیا۔

لڑائی پاکستان کی دہلی گونمنٹ سے ہوئی تھی لیکن نقصان بارڈر پر موجود ہم سکھوں کا ہوتا تھا پاکستان کے ساتھ ہونے والی پچھلی چار جنگوں میں نقصان تو صرف دونوں طرف کے پنجاب کا ہوا ہے۔جنگ انڈیا اور پاکستان کی ہوتی تھی لیکن مرتا دونوں طرف پنجابی ہی تھا پاکستان کے خلاف نفرت انگرز تقریریں کرنے والے ہندو تو دہلی کے پار مشرقی ہندستان میں رہتے ہیں جہاں تک جنگ پہنچتی ہی نہیں ہے جنگ تو ادھر مغربی ہندوستان کشمیر، پنجاب، راجھستان اور گجرات میں ہوتی ہے۔

جہاں صرف سکھ اور مسلمان رہتے ہیں جنگ تو ہم لڑ رہے ہیں پچھلے پچاس سال سے نقصان تو ہمارا ہو رہا ہے جبکہ اصل ہندوستان تو باڈر سے بہت دور مزے سے زندگی گزار رہا ہے۔

راضی بھائی! یہ جنگ ہماری نہیں ہے لیکن چونکہ ہم ہندوستان کے غلام ہیں اس لیے اسے زبردستی ہم پر مسلط کیا جاتا ہے۔'' دیپ نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا اور مجھ سے گلے مل کر رونے لگا۔

دوسرے دن گردوارے میں جنرل ندیم پہنچ گئے۔گردوراہ جنم ستھان کے پربندہ صاحب انہیں دیپ تک پہنچتے ہی نہیں دے رہے تھے لیکن میرے کہنے پر انہوں نے اجازت دے دی اور میں جنرل صاحب کو لیکر دیپ کے پاس پہنچ گیا۔

''ہردیپ سنگھ! یورنیم کی باقی تین سلاخیں کدھر ہیں۔۔۔۔۔۔؟'' انہوں نے آتے ہی

ہر دیپ سے یورنیم کے بارے میں سوال کیا۔ ہر دیپ نے میری طرف دیکھا۔

''جنرل صاحب! ہمارے پاس صرف ایک ہی سلاخ تھی اور وہ استعمال ہوگئی ہے ہمارے پاس اور کچھ نہیں ہے۔'' میں نے صاف انکار کردیا۔

''راضی بھائی! تاجکستان میں جس امیر صاحب نے آپ کو وہ ہتھیار دیا تھا اسے CIA نے پکڑلیا تھا اور تمام معلومات حاصل کر کے مار بھی دیا گیا ہے۔ وہ اور اس کی پوری تنظیم تاجکستان میں مکمل طور پر ختم ہوچکی ہے۔'' جنرل ندیم نے امیر صاحب کی ہلاکت کی اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

وہ اب بھی یورنیم کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔

''جنرل صاحب! ہمیں اس بارے میں کچھ بھی پتا نہیں ہے ہمیں صرف ایک ہی سلاخ دی گئی تھی۔'' میں اپنی بات پر قائم رہا۔

''کیپٹن رضوان علی صاحب! کیا ہمارے ماتھے پر بے قوف لکھا ہوا ہے۔۔۔۔؟ جو تم ہمیں بے قوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔ CIA پورے تاجکستان کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی ہے۔ انہوں نے KGB کے اُن خفیہ اہلکاروں کو بھی تلاش کرلیا تھا جن کو اس ہتھیار کا علم تھا۔ امیر صاحب کے ساتھ موجود تمام لوگوں کی CIA نے انتہائی تشدد کر کے ہڈیاں تک توڑ دی تھیں۔ تم کیا سمجھتے ہو یہ دنیا پاگل ہے۔۔۔۔۔؟ جو پورے پاکستان کے پیچھے لگی ہوئی ہے وہ یورنیم کو پاتال سے بھی نکال کر لے آئیں گے۔'' جنرل ندیم نے اس بار غصے سے کہا۔

''جنرل صاحب! سب سے پہلی بات وہ کوئی ایٹمی ہتھیار نہیں ہے۔ نیم افزودہ یورنیم ہے جس سے تابکاری نہیں پھیلتی اور نہ اس سے دنیا کو کوئی خطرہ ہے وہ عام ہتھیاروں کی طرح ایک ہتھیار ہے جو خالصتان کی ملکیت ہے ہم اُسے آپ کے حوالے نہیں کر سکتے۔'' ہر دیپ نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

''ہر دیپ سنگھ! تم میرے بچوں کی طرح ہو جس طرح میں راضی سے محبت کرتا ہوں ایسے ہی تم سے بھی محبت کرتا ہوں۔ پاکستانی گورنمنٹ دل سے چاہتی ہے کہ خالصتان آزاد ہو اور میں چاہتا

ہوں کہ وہ خالصتان تمہاری زندگی میں ہی آزاد ہو۔تم اس کے پہلے مہاراجہ بنو۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے اندر بہت قابلیت ہے اور تم خالصتان کو ترقی کی بلندیوں تک پہنچا سکتے ہو۔میں چاہتا ہوں کہ تم زندہ اور سلامت رہو اور اسی لیے یہاں آیا ہوں۔''

''جنرل صاحب! مجھے زندگی کی خواہش نہیں ہے۔میری خاطر ہزاروں لاکھوں سکھ شہید ہو گئے ہیں اب میری باری ہے۔میں بزدل نہیں ہوں جو موت سے ڈر جاؤں۔'' دیپ نے جنرل ندیم کی بات درمیان سے کاٹی اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''جنرل صاحب! آپ جا سکتے ہیں ہندوستان کو جا کر بول دیں وہ جو کر سکتا ہے کرے یہ ہردیپ سنگھ رندھاوا کسی سے ڈرنے والا نہیں۔'' دیپ باہر کی طرف جانے لگا لیکن جنرل ندیم نے اس کا بازو پکڑ کر روک لیا۔

''دیپ! تمہارے ساتھ ساتھ بات اس گرودوارے جنم استھان کی مرمت اور حفاظت کی بھی ہے پچھلے ایک ہفتے میں کوئی تین 3 درجن کے قریب حملے اس گرودوارے پر ہو چکے ہیں اس گرودوارے سے باہر ہماری فوج کے پانچ سو جوان شہید ہو چکے ہیں یہاں اینٹی میزائل سسٹم نصب ہو چکا ہے۔ہندوستان اب براہِ راست ننکانہ صاحب پر میزائل فائر کر رہا ہے جسے ہم فضا میں ہی روک کر تباہ کر رہے ہیں۔ہم مقابلہ کر رہے ہیں لیکن آخر کب تک۔۔۔۔۔؟ ہم کب تک مقابلہ کر سکیں گے۔۔۔۔۔؟ انڈیا ایٹمی حملے کی بھی دھمکی دے رہا ہے۔ایٹمی جنگ ہوئی تو پوری دنیا ہی تباہ ہو جائے گی۔جنگ اور موت سے ہم بھی نہیں ڈرتے لیکن ہمیں دنیا کو ساتھ لے کر چلنا پڑتا ہے پاکستان اکیلا پوری دنیا سے نہیں لڑ سکتا۔ہمیں دنیا کی حمایت کی ضرورت ہے۔'' جنرل ندیم سنجیدگی سے ہردیپ کو سمجھانے لگے۔

''جنرل صاحب! آپ ہم سکھوں کے لیے کیا کر سکتے ہو۔۔۔۔۔؟'' ہردیپ نے براہِ راست جنرل ندیم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہردیپ بیٹا! ہمارا پاکستان آپ کو ایک چھوٹا سا آزاد خالصتان دے سکتا ہے۔ہم اس

گرودوارہ جنم استھان کو نیم خود مختار ملک خالصتان ڈکلیئر کر دیتے ہیں یہ دنیا کا سب سے چھوٹا ملک ہوگا جو پاکستانی شہر ننکانہ صاحب کے پچاس ایکڑ پر مشتمل ایک آزاد گرودوارہ ہوگا جس کی سیکورٹی اور انتظام وانصرام پاکستانی گورنمنٹ کرے گی۔آپ مجھے یورنیم کا کیس دے دیں میں اسے اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل میں دے دوں گا۔تم یہاں خالصتان کے مہاراجہ بن جاؤ گے تو ایک سربراہِ مملکت کی حیثیت سے اقوام متحدہ تمہیں تسلیم کرے گی اور یہ جنگ ختم ہوجائے گی۔'' جنرل ندیم کی آواز بہت دھیمی تھی لیکن اُن کی بات نے پورے گرودوارے میں موجود سکھوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

''جنرل صاحب! کیا ہندوستان اس بات کو تسلیم کرے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟ ہردیپ نے ایک نیا سوال کر دیا۔

''مہاراجہ صاحب! ہندوستان کی ہمیں کوئی فکر نہیں ہے۔پاکستان ہندوستان کا مقابلہ کرسکتا ہے ہم ہندوستان سے نہیں ڈرتے ایک بار اقوام متحدہ نے تمہیں مہاراجہ مان لیا تو پھر مل کر ہندوستان سے مقابلہ کریں گے۔ہندوستان کو خالصتان آزاد کرنا پڑے گا۔۔۔۔۔۔14 کروڑ سکھوں کو ہندوستان غلام بنا کر نہیں رکھ سکتا۔'' جنرل ندیم نے پیار سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

ہردیپ نے یورنیم کا کیس جنرل ندیم کے حوالے کر دیا جسے جنرل ندیم نے اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل میں جمع کروا دیا۔پاکستانی پارلیمنٹ نے آزاد کشمیر کی طرح گرودوارہ ننکانہ صاحب کو بھی نیم خود مختار علاقہ ڈکلیئر کر دیا دنیا کے نقشے میں ویٹیکن سٹی سے بھی چھوٹا مغربی خالصتان مل بن گیا مشرقی خالصتان ابھی ہندوستان کے قبضے میں تھا جسے آزاد کروانا ابھی باقی تھا اقوام نے خالصتان کو تسلیم کر لیا تو امریکہ اور نیٹو فورسز پیچھے ہٹ گئیں اب صرف ہندوستان اکیلا رہ گیا تھا جس کے ساتھ پاکستان کو لڑنا آتا تھا لڑائی ایک بار پھر شروع ہوگئی۔اس بار یہ لڑائی کوئی مہینہ بھر چلتی رہی اور پھر انڈیا نے آہستہ آہستہ پسپائی اختیار کرنا شروع کر لی۔

انڈیا نے اقوام متحدہ میں اپیل کی اور دونوں ملکوں میں صلح ہوگئی انڈیا کو معلوم ہوگیا تھا وہ باقاعدہ جنگ میں پاکستان پر برتری حاصل نہیں کرسکتا۔انڈیا کی فوج میں سکھوں کی ایک بڑی

تعداد موجود تھی جو پاکستان کے خلاف لڑنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ انڈیا کو پاکستان سے زیادہ اپنے اندر موجود علحدگی پسندوں سے زیادہ خطرہ تھا۔ اگر جنگ مزید طول پکڑتی تو روس کی طرح انڈیا کے بھی کئی ٹکڑے ہو سکتے تھے۔ انڈیا نے اسی لیے جنگ سے پیچھا چھڑایا اور پاکستان کے اندر دہشت گرد کاروائیاں کرنے لگا۔

اس زمانے میں افغانستان میں جاری امریکی جنگ کی وجہ سے لاکھوں افغانی باڈر کراس کر کے پاکستان آ گئے تھے۔ ان افغانیوں میں دہشت گرد بھی موجود تھے۔ تحریک طالبان پاکستان (TTP) وجود میں آ چکی تھی۔ انڈین ایجنسی راRAA ٹی ٹی پی (تحریک طالبان پاکستان) پر پیسہ لگانے لگی اور یہ لوگ پورے پاکستان میں دھماکے کرنے لگا پاکستان ایک بار پھر سے لہولہان ہونے لگا۔ انڈین ایجنسی راRAA اپنی پوری کوشش کر رہی تھی کہ وہ کسی طرح ہر دیپ سنگھ کو شہید کر دے۔

''راضی ! مجھے یہاں سے باہر نکلنا ہے۔'' ایک دن شام کے وقت دیپ مجھ سے کہنے لگا۔ ہم دونوں گردوارہ جنم استھان کے مہمان خانے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''نہیں ! دیپ ہم باہر نہیں جا سکتے باہر تمہارے لیے خطرہ ہے۔۔۔۔۔ انڈیا اسی انتظار میں ہے کہ کب تم گردوارے سے باہر نکلتے ہو اور وہ تمہیں مار سکیں۔'' میں نے فوراً انکار کر دیا۔

''راضی موت تو یہاں بھی آ سکتی ہے تم لوگ کب تک مجھے سکیورٹی دیتے رہو گے۔۔۔۔۔؟ آج نہیں تو کل دہشت گرد اندر آئے گا اور مجھے مار دے گا۔ راضی ! میں اس گردوارے کے اندر مرنا نہیں چاہتا یہ ہمارا مکہ (MAKKA) ہے۔ ہمارے گرونانک صاحب نے گردوارے کو دنیا کے تمام مذاہب کے انسان کے لیے کھلا رکھنے کا حکم دیا تھا۔ یہ امن اور سلامتی کی جگہ ہے یہاں سیاست نہیں ہو سکتی میں نے خالصہ فوج پھر تیار کرنی ہے اور یہ کام یہاں سے نہیں ہو سکتا میں یہاں سے باہر جانا چاہتا ہوں تا کہ خالصتان تحریک پھر سے شروع ہو سکے۔'' دیپ اٹھا اور باہر صحن میں آ گیا۔

''دیپ! میرے بھائی یقین کرو۔۔۔۔تم باہر نکلتے ہی مارے جاؤ گے۔انڈین ایجنسی را کتوں کی طرح پورے پاکستان میں نظر رکھ رہی ہے۔وہ لوگ پورے پاکستان میں دہشت گردی پھیلا رہے ہیں۔انڈین پنجاب کی حالت بہت خراب ہے وہاں بھی ہر روز دھماکے ہو رہے ہیں۔وہ لوگ سکھوں کی نسل کشی کر رہے ہیں۔پلیز۔۔۔۔دیپ! تمہارے لیے گردوارہ ہی سب سے محفوظ ترین جگہ ہے۔ یہاں سے باہر ہر طرف موت ہی موت پھیلی ہوئی ہے۔'' میں دیپ کو سمجھانے لگا۔

''راضی! آج سے اسی 80 سال پہلے اس گردوارے میں خون بہا تھا ہماری انگریز فوج سے لڑائی ہوئی تھی۔چھیاسی سکھ 86 اس لڑائی میں شہید ہو گئے تھے۔گردوارے کا پورا فرش خون سے سرخ ہو گیا تھا۔میں نہیں چاہتا کہ یہ تاریخ پھر سے دہرائی جائے میرا خون اگر اس مقدس گردوارے میں گرا تو میری پوری زندگی کی محنت ضائع جائے گی۔سکھوں کی تاریخ میں مجھے بزدل راجہ کے نام سے یاد کیا جائے گا جس نے موت کے ڈر سے گردوارے میں پناہ لی اور مارا گیا۔۔مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا میں صرف گردوارے سے باہر لڑتے ہوئے مرنا چاہتا ہوں تاکہ قیامت کے دن میں سر اٹھا کر چلوں۔''

''دیپ! اگر تم کہوں تو ہم انڈین حکومت سے مذکرات کر سکتے ہیں۔۔۔۔اگر تم خالصتان تحریک سے پیچھے ہٹ جاؤ اور یہاں سے مغربی خالصتان تک ہی محدود رہو تو انڈین حکومت اس پر مان جائے گی اور یہ جنگ بھی ختم ہو جائے گی۔'' میں نے اٹکتے ہوئے کہا۔

مجھ میں یہ بات کرنے کی ہمت نہیں تھی لیکن میں دیپ کو بچانے کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔

''راضی! مجھے معلوم ہے۔ یہ جنگ صرف دو ہی صورتوں میں ہی ختم ہو سکتی ہے یا تو میں خالصتان تحریک سے پیچھے ہٹ جاؤں اور انڈیا سے صلح کر لوں یا پھر لڑتے ہوئے شہد ہو جاؤں میرے مرنے کے بعد بھی یہ جنگ ختم ہو جائے گی۔'' دیپ نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

وہ صحیح کہہ رہا تھا یہ جنگ اب صرف دو ہی صورتوں میں ختم ہوسکتی تھی۔

''راضی بھائی! میں آپ کو آپ کے اسلامی تاریخ سے ایک واقعہ سناتا ہوں۔ یہ واقع عبداللہ بن زبیرؓ کا ہے حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد جب ان کا بیٹا یزید حکمران بنا تو اس وقت حضرت امام حسینؓ نے ان کی مخالفت کی۔ نواسہ رسول حضرت امام حسینؓ اپنے نانا کے دین پر قربان ہو گئے لیکن وقت کے حکمران یزید کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ اُن کی شہادت کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ نے تلوار اٹھائی اور خلافت کے لیے لڑتے رہتے امیر معاویہ کے بعد خلافت بنو اُمیہ کی بادشاہت میں بدل گئی تھی۔ اسلامی خلافت کو واپس بدلنے کے لیے مسلسل پندرہ سال تک لڑتے رہے۔

اُن کے دوست احباب ساتھی سب ایک ایک کر کے شہید ہو گئے حجاج بن یوسف نے مکہ کا محاصرہ کیا جو مسلسل سات مہینے تک چلتا رہا مکے کے اندر لوگ محصور ہو گئے کھانا پانی ختم ہو گیا لوگ بھوک سے مرنے لگے۔ حجاج بن یوسف پورے مکہ شہر پر سنگباری کر رہا تھا اس وقت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس دو راستے تھے وہ صلح کر کے بنو اُمیہ کی بادشاہت مان لیتا اور خلاف سے دستبردار ہو جاتا یا پھر لڑتے ہوئے شہید ہو جاتا۔

راضی بھائی! عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ حضرت اسماءؓ صدیق اکبر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی تھیں۔ ایک عظیم باپ کی عظیم بیٹی جنہوں نے اپنے ہاتھوں اپنے بیٹے کو میدان جنگ میں لڑنے کے لیے بھیجا۔ حضرت اسماءؓ نے اپنے بیٹے کو کہا کہ بیٹا! اگر تم حق پر ہو اور حق کے لیے لڑتے رہے ہو تو اب بھی اس کے لیے لڑو اور شہید ہو جاؤ کیونکہ تمہارے بہت سے ساتھیوں نے اس کے لیے جان دی ہے۔ وہ سب شہید ہو گئے ہیں تمہیں بھی اب لڑتے ہوئے شہید ہو جانا چاہیے صلح کر کے کب تک زندہ رہو گے جاؤ اور حق پر اپنی جان دے دو۔ یہ دنیا کی زندگی سے ہزار گناہ بہتر ہے۔

راضی بھائی! یہ آپ کے مذہب اسلام کی ایک ماں تھیں جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے

بیٹے کو اسلام پر قربان ہونے کے لیے میدان جنگ میں بھیجا تھا ایک عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلے پر حجاج بن یوسف کی لاکھوں کی فوج تھی ۔کوئی عام آدمی ہوتا تو صلح کر کے اپنی جان بچا لیتا لیکن وہ ابوبکر صدیقؓ کے نواسے عبداللہ بن زبیرؓ تھے ۔ جو لڑے اور شہید ہو گئے ۔تین دن 3 تک ان کی لاش مکہ شہر کے چوراہے میں لٹکتی رہی وہ شہید ہو گئے لیکن اسلام سے پیچھے نہیں ہٹے۔

راضی بھائی! میں بھی یہی چاہتا ہوں میرے بہت سے ساتھیوں نے اس خالصتان کے لیے اپنی جانیں دی ہیں اب میری باری ہے اور میں بزدلوں کی طرح یہاں چھپ کر نہیں مرنا چاہتا ۔میں باہر نکل کر موت کا سامنا کرنا چاہتا ہوں ۔'' اس نے میرے کندھے پر پیار سے تھپکی دی اور لنگڑاتا ہوا اندر چلا گیا اس کی ٹانگ ہمالیہ سے آتے ہوئے ٹوٹ گئی تھی اور وہ اب لنگڑا کر چلتا تھا۔

میں نے جنرل ندیم سے مدد مانگی اور وہ ہمیں بلوچستان کے راستے ایران میں سمگل کرنے پر تیار ہو گئے ۔ بلوچستان سے مسقل ایرانی علاقہ سسیتان قدرے محفوظ علاقہ تھا۔ہم وہاں سے مسقط یا دبئی کی طرف بھی جا سکتے تھے یا پھر حالات زیادہ خراب ہو جائے تو آگے یورپ کی طرف بھی راستہ کھلا تھا ۔دوسرے دن رات ہم ننکانہ صاحب سے باہر نکل گئے آئی ایس آئی ISI کا ایک جاسوس ہمیں کار میں بیٹھا کر بہاول پور لے آیا۔

ہم نے ایک دن بہاول پور میں گزارہ اور دوسرے دن رحیم یار خان کی طرف سے ہوتے ہوئے ڈیرہ بگٹی پہنچ گئے ۔ڈیرہ بگٹی سے ہم نے صحرا کے بیچوں بیچ سے سفر کیا اور خضدار آ گئے خضدار سے تفقان بارڈر ساڑھے پانچ سو کلومیٹر تھا ہم شام کو تفقان پہنچے اور اسی رات باڈر کراس کر کے ایرانی شہر زاہدان پہنچ گئے ۔زاہدان سے ہم نے زابل (ZABOL) شہر کی طرف جانا تھا۔

یہ افغانستان باڈر کے اوپر تھا اور یہی ہماری منزل تھی ۔صبح کے تین بجے کے قریب ہم ایک ایرانی وین کے اندر بیٹھے تیزی سے زابل شہر کی طرف بڑھ رہے تھے جب اچانک ایک ڈرون ہماری وین کے اوپر آ گیا۔ یہ ہندوستانی ڈرون تھا۔ جو افغانستان کے شہر قندھار سے اڑ کر ادھر آیا تھا انڈین خفیہ ایجنسی راRAA پورے افغانستان اور ایران کے سرحدی علاقے میں پھیلی ہوئی تھی وہ

لوگ خالصتانی لیڈر رہر دیپ سنگھ رندھاوا کے لیے اربوں ڈالر خرچ کررہے تھے۔

یہ میری غلطی تھی مجھے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ انڈین ایجنسیاں ہردیپ کو ایران میں تلاش کرسکتی ہیں میں نے انڈین ایجنسی کو کمزور سمجھ کر غلطی کی تھی اور اس غلطی کی سزا ہمیں مل رہی تھی انڈین ڈرون ہماری وین کو ٹارگٹ کررہا تھا۔ان کا پہلا میزائل وین کے اگلے بونٹ پر لگا اور ہماری وین الٹ گئی۔وین الٹی ہوئی تو ہم تیزی سے باہر نکلنے کی کرنے لگے۔یہاں چاروں طرف ریت ہی ریت پھیلی ہوئی تھی چاروں طرف پھیلے ہوئے صحرا میں کہیں بھی چھپنے کی جگہ نہیں تھی۔ہمارا بچنا ناممکن تھا۔

ڈرون آگے سے پھر ایک بار پھر ہماری طرف آرہا تھا۔میں وین سے باہر نکلا اور دیپ کو باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگا اس کی ایک ٹانگ سیٹ کے درمیان پھنس گئی تھی میں زور لگا کر اسے چھڑانے کی کوشش کررہا تھا۔

''دیپ۔۔۔۔دیپ جلدی باہر نکلنے کی کوشش کرو ڈرون پھر سے آرہا ہے۔'' میں اسے باہر کی طرف کھینچنے لگا لیکن اس کی ٹانگ بری طرح وین کے اندر پھنسی ہوئی تھی۔

''راضی! میں زبان سے اقرار کررہا ہوں کہ تمہارا مذہب اسلام ایک سچا مذہب ہے اور محمد ﷺ صاحب خدا کے آخری پیغمبر ہیں۔جنت میں ملاقات ہوگی۔'' اس نے میری خاطر آج میرے اسلام کا کلمہ بھی پڑھ لیا تھا۔ڈرون ایک بار پھر وین کی چھت پر آ گیا ہمارے پاس مقابلے کے لیے کوئی اسلحہ نہیں تھا۔

''واہے گرو جی کا خالصہ واہے گرو جی کی فتح۔۔۔۔۔۔'' اس نے اپنی دونوں آنکھیں بند کرلیں وہ زندگی کے آخری لمحات میں خدا کو یاد کررہا تھا۔

میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔میں دیپ کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا میں مرنے سے پہلے اس کا چہرا اپنے ذہن میں نقش کرلینا چاہتا تھا۔میرے ہاتھ اس کے پیروں کو چھو رہے تھے۔ہم دونوں مررہے تھے میں نے ایسے ہی موت کی خواہش کی تھی۔دیپ کے چہرے کو آنکھوں میں

سجائے اس کے قدموں میں جان دینا اس سے بڑی اور کیا بات ہوسکتی تھی یہی تو عشق تھا جو آج مکمل ہورہا تھا۔ڈرون سے میزائل نکلا اور وین کی چھت سے ٹکرایا۔

'' اکو اومکار۔۔۔۔ست نام ۔۔۔۔ست نام ۔۔۔۔واہے گرو ۔۔۔۔واہے گرو ۔۔۔۔'' دیپ کے چہرے پر مسکراہٹ اُبھری اُس نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا ہم دونوں کی نظریں ایک دوسرے ملیں اور میزائل پھٹا۔

''راج کرے گا خالصہ۔۔۔۔۔۔'' یہ دیپ کے آخری الفاظ تھے۔

ایک زوردار دھماکہ ہوا اور میں اُڑتا ہوا وین سے باہر جا گرا۔ بارود کے کئی ٹکڑے میرے جسم میں گھسے اور میں بے ہوش ہوگیا۔ میزائل نے پوری گاڑی ہی اُڑ دی تھی دیپ شہید ہو چکا تھا۔ ڈرون نے دوسرے میزائل کے بعد تیسرا میزائل بھی فائر کیا اور مکمل اطمینان کرنے کے بعد واپس افغانستان چلا گیا۔خدا نے ابھی میری زندگی لکھی ہوئی تھی میں نیم مردہ حالت میں کئی گھنٹے تک صحرا میں بے حس وحرکت پڑا رہا۔

ہمیں ایران کی بارڈر فورس نے وہاں سے اُٹھایا اور واپس زاہدان لے آئے۔ جنرل ندیم کو جب اس حملے کی اطلاع ملی تو وہ خود مجھے دیکھنے ایرانی شہر زاہدان آ گئے۔ میں نیم مردہ حالت میں اپنی زندگی کی آخری سانس لے رہا تھا۔ میرے بچنے کے چانسز نہ ہونے کے برابر تھے لیکن وہ پھر بھی مجھے کوئٹہ سی ایم ایچ CMH ملٹری ہسپتال لے کر آ گئے۔ ایک مہینے کی سر توڑ کوششوں کے بعد مجھے ہوش آ گیا۔

ملٹری ہسپتال کے فوجی ڈاکٹروں نے میرے درجن کے قریب آپریشن کئے تھے مجھے مکمل صحت یاب ہونے میں چھ مہینے لگ گئے اور میں اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔

''راضی! اب آگے کیا ارادہ ہے۔۔۔۔۔؟ تم اب بھی انٹیلی جنس میں کیپٹن رینک کے افسر ہو تم واپس پاکستان آرمی جوائن کر سکتے ہو۔'' جنرل ندیم مجھے واپس ملٹری جوائن کرنے کا کہنے لگے۔ ہر دیپ کی شہادت کے بعد خالصتان تحریک مکمل ختم ہو چکی تھی۔

’’سر! دیپ تو چلا گیا ہے لیکن اُس کی نشانی اُس کا بیٹا امیزون کے جنگلات میں موجود ہے۔ میں اب دیپ کے بیٹے کی پرورش کروں گا اور اُسے بڑا کر کے پھر سے خالصتان تحریک کو شروع کروں گا۔ یہ دیپ کی خواہش تھی۔ خالصتان کی آزادی کا خواب دیپ نے دیکھا تھا اور اب اُس کی شہادت کے بعد اُس کا بیٹا یہ خواب پورا کرے گا۔‘‘

’’راضی! کیوں خوابوں کے پیچھے بھاگ رہے ہو۔۔۔۔۔۔؟ تم لوگ یہ جنگ ہار چکے ہو اب اس ہاری ہوئی جنگ کو تم دوبارہ جیت نہیں سکتے۔‘‘ جنرل ندیم پیار سے مجھے سمجھانے لگے۔

’’سر! مذہب کے نام پر لڑی جانے والی جنگیں کبھی جیتنے کے لیے نہیں لڑی جاتیں۔ یہ صرف اور صرف مذہب کے نام پر لڑی جاتیں ہیں اور اس کے اثرات صدیوں تک پھیل جاتے ہیں۔ خالصتان کی جنگ تب تک لڑی جائے گی جب تک ہندوستان کا ایک بھی فوجی پنجاب سے نکل نہیں جاتا۔ ہر دیپ سنگھ چلا گیا تو کیا۔۔۔۔؟ اُس کا بیٹا اب اس جنگ کو شروع کرے گا جہاں سے ہر دیپ اُسے چھوڑ کر گیا تھا۔‘‘ میں نے اُسی رات ہسپتال کو چھوڑا اور واپس کراچی آ گیا۔

یہاں سے میں نے یورپ کا جعلی پاسپورٹ بنوایا اور جنوبی امریکہ کے ملک کولمبیا آ گیا ۔میں دیپ کے بیٹے مرس کو لینے امیزون پہنچ گیا اس کی والدہ بھی چھ مہینے پہلے فوت ہو چکی تھی دیپ کی بیوی اور میری منہ بولی بہن امل بھی چھ مہینے پہلے ننھے مرس کو اکیلا چھوڑ کر اوپر خدا کے پاس چلے گئی تھی ۔اوپر خدا کے پاس امل اور دیپ اکٹھے ہو گئے تھے۔ میں نے امل کے بھائی لوکس سے اجازت لی اور مرس کو لیکر کینیڈہ آ گیا۔

یہاں ہم نے ایک نئی زندگی شروع کی اور مرس کے اٹھارہ سال کے ہوتے اسے اپنے ساتھ لیکر ایک بار پھر پاکستان آ گیا لاہور ائیر پورٹ پر ہمارا جہاز آ کر رکا تو میں نے مرس کا ہاتھ پکڑا اور جہاز سے باہر آ گیا۔ ہمارے سامنے جنرل ندیم اپنی فل یونیفارم کے ساتھ کھڑے تھے۔ میں مرس کے ساتھ جہاز سے اترا تو وہ ہمیں سلیوٹ کرنے لگے۔

مرس گردوارہ جنم ستھان (ننکانہ صاحب) پر مشتمل چھوٹے سے مغربی خالصتان کا مہاراجہ

بن چکا تھااور یہ سلیوٹ ایک سربراہِ مملکت کی حیثیت سے مرس کوملا تھا۔

''ویلکم ٹو پاکستان راجا صاحب! ہم آپ کو پاکستان میں خوش آمدید کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔''

جنرل ندیم نے خوشدلی سے ہاتھ ملایا اور ہمیں اپنے ساتھ لیکرایک بلٹ پروف گاڑی میں بیٹھ گئے

۔

''راضی میرے بچے! کیسے ہو۔۔۔۔۔؟'' میں جنرل ندیم کے ساتھ کار میں پیچھے بیٹھا تو جنرل ندیم پیار سے پوچھنے لگے۔

وہ پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ ہردیپ کی شہادت کے بعد میں اس کے بیٹے مرس کولیکر غائب ہوگیا تھا۔میں نے اٹھارہ سال تک کسی کو بھی پتہ نہیں چلنے دیا تھا کہ میں کہاں ہوں۔آج اٹھارہ سال بعد جنرل ندیم مجھے دیکھ رہے تھے۔

''ٹھیک ہوں جنرل صاحب! زندگی گزر رہی ہے۔۔۔۔۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

ہم دونوں گاڑی کے پیچھے بیٹھے تھے جبکہ مرس آگے درائیور کی ساتھ والی فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ہمارے ساتھ سیکورٹی کی درجن کے قریب گاڑیاں موجود تھیں جو ہمارے ساتھ چل رہی تھیں ۔ہم لاہور سے ننکانہ صاحب کی طرف جارہے تھے ننکانہ صاحب شہر کے اندر گردوارہ ننکانہ صاحب اب مغربی خالصتان بن چکا تھا پاکستانی گورنمنٹ نے ننکانہ صاحب شہر کے اندر بڑے بڑے ہوٹل اوراور شاپنگ مالز بنادیے تھے۔

پوری دنیا سے آنے والے سکھ زائیرین پاکستانی ویزے پر ننکانہ صاحب آتھ تھے اور آگے گردوارے کے اندر ویزہ فری انٹیری تھی یہ نیم خودمختیار علاقہ تھااور اس کی تمام سیکورٹی اور دوسرے دیگر معمالات حکومت پاکستان کی ذمہ داری میں آتے تھے۔

''راضی! لگتا ہے ہردیپ کو ابھی تک بھولے نہیں ہو۔۔۔۔کیا اب بھی اس کی یاد آتی ہے ۔۔۔۔۔۔؟'' جنرل ندیم میری طرف دیکھ رہے تھے۔

''جنرل صاحب! یاد تو انہیں کیا جاتا ہے جو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔۔۔۔ ہردیپ تو آج

بھی میرے دل میں زندہ ہے ہردیپ کی خوشبو مجھے اس کے بیٹے مرس سے بھی آتی ہے۔'' میں نے سامنے بیٹھے ہوئے مرس کی دیکھا وہ دونوں ہاتھ جوڑ کو لوگوں کے سلام کا جواب دے رہا تھا۔

سڑک کے کنارے دونوں طرف لوگوں کی ایک کثیر تعداد ہردیپ سنگھ کے بیٹے مہاراجہ مرس کو دیکھنے آئے تھے۔ہم لاہور سے سیکورٹی کے ساتھ ننکانہ صاحب آ گئے۔مرس اندر گردوارہ جنم ستھان چلا گیا۔اس نے پالکی صاحب کے پاس جا کر ماتھا ٹیکا کچھ دیر عبادت کی اور اٹھ کر باہر آ گیا۔

''بابا! اجازت دیجئے میں خالصتان تحریک کو پھر سے شروع کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔میں بھی اپنے باپ ہردیپ سنگھ رندھاوا کے قدموں نشانات پر چلتے ہوئے خالصتان کی آزادی پر شہید ہونا چاہتا ہوں۔'' اس نے باہر آ کر میرے پیروں کو چھوا اور میرے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔وہ مجھ سے اجازت لینے آیا تھا۔

''مرس! تمہارا باپ ہردیپ سنگھ رندھاوا بہت بڑا یودھا تھا۔میں نے پوری زندگی میں اس سے بہادر اور بے خوف انسان آج تک نہیں دیکھا اس کی دہشت سے دہلی کا لال قلعہ کانپتا تھا۔تم اس بہادر باپ کے بہادر بیٹے ہو میری زندگی کا مقصد مہاراجہ ہردیپ سنگھ رندھاوا کی محنت اور محبت تھی۔ہردیپ سنگھ نے مجھے ہری سنگھ نلوا کا خطاب دیا تھا اور مجھے فخر ہے کہ میں اس کے معیار پر پورا اترا ہوں آج تمہارا دن ہے آج تم خالصتان کے دوسرے مہاراجہ بن رہے ہو مجھے تمہارے چہرے میں دیپ کا چہرہ نظر آتا ہے تم بھی اپنے باپ کی طرف ایک بہت بڑے خالصتانی لیڈر بنو گے۔

واہے گرو سچا بادشاہ مہر کرے گا اور ایک دن ہم سب ایک آزاد خالصتان میں سانس لے رہے ہوں گے ہمارے سکول کے بچے بندے ماترم کی بجائے اکوامکارست نام کا ورد کر رہے ہوں گے ہمارے گھروں کی چھتوں پر کیسری رنگ کا جھنڈا اور جیبوں میں نانک شاہی کرنسی نوٹ ہوں گے۔واہے گرو جی کا خالصہ واہے گرو جی کی فتح۔'' میں نے اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر چوما اور اسے گلے سے لگا لیا۔

''مرس! اپنے باپ کی طرح بہادر اور بے خوف ہونا زندگی چار دن کی ہے اور موت بستر پر بھی آجاتی ہے۔ بہادر یودھا کبھی موت کے خوف سے پیچھے نہیں ہٹتے۔۔۔۔'' میں نے اس کے کندھے پر تھپکی دی اور وہ سامنے بنے ہوئے سٹیج پر چلا گیا اسے اب خالصتان تحریک کا پھر سے علان کرنا تھا ہردیپ سنگھ رندھاوا پھر سے واپس آ گیا تھا۔

''جنرل صاحب! دیپ جب شہید ہو رہا تھا ناں تو اس کی آنکھیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں میں بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ہم دونوں اپنی زندگی کا آخری لمحہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے گزرانا چاہتا تھا۔ دیپ کا وہ چہرا آج بھی میرے دماغ میں نقش ہے۔ وہ کبھی مٹتا ہی نہیں ہے میں جب بھی اپنی آنکھیں بند کرتا ہوں اس کا چہرا میرے سامنے آجاتا ہے۔ میں نے اپنی پوری زندگی ہردیپ سنگھ رندھاوا اور خالصتان کے نام کردی تھی۔ مجھے نہیں معلوم میں مرنے کے بعد جنت میں جاؤں گا یا دوذخ میں۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ میں نے اس دنیا میں ہی جنت کا مزہ لے لیا ہے۔'' میں نے دورا سٹیج پر تقریر کرتے ہوئے مرس کو دیکھا۔

''سوا لاکھ سے ایک لڑاؤں تبھی گوبندھ سنگھ نام کہاؤں۔ راج کرے گا خالصہ۔۔۔۔۔''

مرس کی تقریر کے الفاظ سیدھے میرے دل پر لگ رہے تھے۔

سکھوں کا خالصہ راج ایک بار پھر سے آنے والا تھا اور اسے اب دنیا کی کوئی بھی طاقت نہیں روک سکتی تھی۔۔۔۔۔۔

''جو بولے سونہال۔۔۔۔۔ست سری اکال۔۔۔۔۔۔''

ختم شُد

ضروری گزارش

تمام احباب / قارئین سے گزارش ہے کہ اگر میرے لکھنے کا انداز اور لکھے ہوئے ناولز پسند آتے ہیں تو پلیز انہیں آگے ضرور شیئر کیجئے۔ایک غریب لکھاری ہونے کی وجہ سے میں اپنے کام کو آگے پرموٹ نہیں کرسکتا، میرے ناولز دس بیس لوگوں سے آگے جاتے ہی نہیں ہیں۔پلیز ناول پسند آئے تو اس کا حق بھی ادا کیجئے۔اسے آگے ضرور شیئر کیجئے تا کہ میری حوصلہ افزائی ہو اور میں مزید اچھا لکھنے کی کوشش کروں۔

راضی سیریز۔۔۔۔چانسلر۔۔۔۔دی عالیہ۔۔۔۔۔جنت ریپبلک اور خالصتان بہترین ایکشن اور ایڈونچر ناولز ہیں لیکن وہ صرف اس وجہ سے آگے نہیں جا سکے کیونکہ وہ کسی بڑے لکھاری نے نہیں لکھے ہیں۔پلیز میرا کام پسند آئے تو آگے ضرور پروموٹ کیجئے مجھے آپ کی محبت کی ضرورت ہے۔شکریہ!

رضوان علی گھمن

Email: rizwanalighuman@gmail.com

Facebook: Rizwan Ali Ghuman

رضوان علی گھمن اردو کے ان چند ناول نگاروں میں سے ایک ہیں جو انتہائی نامساعد حالات میں بھی اردو ادب کی ترقی اور ترویج کے لئے کوشاں ہیں۔ رضوان علی گھمن ناول نگاری کے میدان میں ایک نیا چہرہ ہیں جو تیزی سے ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ یہ موجودہ دور کے ناول نگار ہیں وار ان کے کریڈٹ پر رومانوی، ایکشن، ایڈونچر وار تھرلر ناولز کے علاوہ سفرنامے بھی ہیں۔

انہوں نے سیاست کے موضوع پر بھی کتابیں لکھی ہیں جبکہ بچوں کے لئے بھی ان کی کافی کہانیاں شائع ہو چکی ہیں۔ نیز پنجاب کی رومانوی داستان ہیر رانجھا بھی اردو میں لکھ چکے ہیں۔ امریکی سول وار کے بیک گراؤنڈ میں ایک تاریخی رومانوی اردو ناول بھی ان کے کریڈٹ پر موجود ہے۔

رضوان علی گھمن بہاولپور کے ایک چھوٹے سے گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں اور 2007ء سے روزگار کے سلسلے میں یورپ کے مختلف ملکوں میں زندگی گزر رہے ہیں۔ اردو اور انگلش کے علاوہ یونانی، اٹالین وار جرمن زبانوں پر عبور رکھتے ہیں اور متعدد یورپی اخبارات وجرائد میں کالم لکھ چکے ہیں۔ ان کے ناولز میں یورپی معاشرے اور یورپین کلچر کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔

رضوان علی گھمن کے ناولز اور سفرنامے نئے اور اچھوتے موضوعات پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے قارئین ایک بار ضرور پڑھیں۔ ان کے ڈائیلاگ اور کہانی دوسرے عام رومانوی ناولز سے منفرد حیثیت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی ہوتے ہیں۔ امید ہے زیرِ نظر ناول بھی قارئین کو پسند آئے گا۔

قارئین سے گزارش ہے کہ ناول پسند آنے پر مصنف کو ضرور اپنی قیمتی آراء سے نوازیں اور اپنے دوست احباب کو بھی شیئر کریں۔ آپ کی حوصلہ افزئی سے ہی رضوان علی گھمن مزید نئے اور قارئین کے ذوق کے مطابق ناول لکھتے رہیں گے۔ رضوان علی گھمن کے کسی بھی ناول کے بارے میں اپنی قیمتی رائے دینے یا کسی ناول کی فری PDF فائل حاصل کرنے کے لئے ان سے نیچے دیئے گئے ای میل ایڈریس پر براہِ راست رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

Facebook: Rizwan Ali Ghuman
Email: rizwanalighuman@gmail.com